خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے آگہی، تفریح، خوشی کا منفرد ماہنامہ

ردا ڈائجسٹ

DECEMBER
2013

گوشہ آگہی — صالحہ محمود — ۱۲

ملاقات

عرشیہ — ادارہ — ۲۱۰

سلسلے وار ناول

وہ جو رگ جاں سے قریب تھے — صالحہ محمود — ۱۶
تجھ سے مانگوں میں تجھ کو — شازیہ مصطفےٰ عمران — ۱۲۴
کوک میرے دل کوک — نائلہ طارق — ۱۵۸
بند قبا کھلنے لگی — سعدیہ عابد — ۱۷۸

مکمل ناول

شرط محبت — عائشہ الیاس — ۳۶
تیرے پیار کی خوشبو — قمروش شہک — ۹۰

ناولٹ

محبت صندل کر دو — شفق اقبال — ۷۲

افسانے

متاع — ایقان علی — ۱۱۰
لہو لہاں شہر عروس — مدیحہ عبداللہ — ۱۱۶
کسی کو اپنے مقدر پہ اختیار نہیں — سلمیٰ غزل — ۱۳۴
سکون — پونم شاہ — ۱۵۴
آئینے میں عکس — کائنات غزل — ۱۴۶
وفا کا پیکر — سیدہ فرزانہ حبیب — ۱۷۴

دسمبر 2013ء
جلد نمبر 18 شمارہ نمبر ۱۲
قیمت 50 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
600 روپے

34535726

پبلشر و ایڈیٹر صالحہ محمود نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۱۲۹/ڈی بلاک۔2۔پی۔ای۔سی۔ایچ۔سوسائٹی، کراچی

انتباہ:-
ماہ نامہ ''ردا'' ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل یا ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار کسی بھی ناول کی اشاعت پر ادارہ چوری کی ایف آئی آر درج کرا دے گا اس لئے پبلشر سے اجازت لینا ضروری ہے ادارہ ''ردا پبلیکیشن''۔

مستقل سلسلے

ردائے جنت — صالحہ محمود — ۱۳
ردا کی ڈائری — صدف سعد — ۱۹۴
ذرا پھر سے کہنا — ادارہ — ۲۰۴
خوشبو — نورین ملک — ۲۰۱
اس ماہ میں — نورین ملک — ۱۹۹
دوستوں کے نام پیغام — ادارہ — ۲۱۹
سندیسے — صالحہ محمود — ۲۱۳
کچن — ثریا اقبال — ۲۲۲
سنگھار — شہلا مشائق — ۲۲۵
اشعار — ادارہ — ۱۹۷
ہم سے ملیے — ادارہ — ۲۱۷

انیٹیل پبلک لائبریری
0334-9830911

صالحہ محمود

گوشہ

دسمبر مجھے ایک خواب محبت کا سفر لگتا ہے، گرم لحافوں میں بچپن کی کہانیاں گرچے زندگی کا آغاز سفر تھا مگر وہ انتہا تک پہنچی۔ گلابی سرد دنوں کی یادوں کا بسیرا آج تک گھروں میں آباد ہے، نجانے زندگی کے کتنے لمحے بیت گئے، ماہ و سال کی ترتیب کہاں لگتا ہے دبے پاؤں پھر کوئی گزر کر آیا، دسمبر کا سورج آنگن میں اترنے کے لیے بے قرار ہے، موسموں کے چہرے پھر بدل گئے، سفید چادروں، کو دامن میں لپیٹنے کے خواب دیکھ رہے ہیں، کہتے ہیں دسمبر میں جن آنکھوں نے اچھے اچھے خواب دیکھے وہ آنکھیں رت جگوں سے بھر گئیں۔ اداریہ لکھتے وقت اردگرد کیا دل تک کی کوہ پیمائی کا کوئی نشان نہ ملا، زندگی اسی کا نام ہے کہ ہمیں دبے پاؤں گزر جانا ہے، ملال اور دکھ کس بات کا ہر شخص وقت کی دہلیز پر کھڑا ہے اور دسمبر آن پہنچا۔

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں میں سے ماہ و سال کی ایک نعمت بھی عطا ہوئی ہے۔ ہم ماہ و سال کی قدر نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ نے سورۃ ابراہیم میں احسانات اور اپنی ان نعمتوں کا تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔

''ان نعمتوں کے ساتھ ساتھ اللہ کا انسان پر مزید ایک فضل اور مستقل احسان یہ ہے کہ اس نے اسے ہر وہ چیز عطا کی جس کی اسے ضرورت اور خواہش ہوتی ہے''۔ (ابراہیم۔34)

سو اللہ کی سرد اور گرم راتوں کا ہمیں احساس بھی دیا گیا ہے، تپش اور دھوپ، سایہ شجر سب کچھ منجانب اللہ ہے، تو آپ بھی سرد راتوں میں طویل کہانیوں سے لطف اندوز ہوں، صبح کی اترتی ہوئی کرنوں پر حمد و ثناء پڑھیں، پرندوں کی چہچہاتی ہوئی آوازوں سے بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے۔ اداریہ لکھتے وقت بار بار سرد راتوں کا احساس بڑھتا جا رہا ہے، ردا پڑھنے کے بعد آپ سندیسہ لکھنا مت بھولیے۔ یہ رہنمائی کا ایک ذریعہ ہے، نئے لکھنے والے ردا کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھیں، انہیں ''ردا گائیڈ کارنر'' سے گائیڈ کیا جاتا ہے۔

(آپی)

صالحہ محمود

ردائے سخن

صحابی رسول ﷺ حضرت ابوذر غفاریؓ

حرم شریف میں رہتے ہوئے پورا ایک ماہ ہو چکا تھا' زاد سفر ختم ہو چکا تھا زنبیل بھی خالی ہو چکی جو کچھ دانے ساتھ تھے وہ بھی ختم ہو چکے تھے بھوک چمکتی تو نہایت اطمینان سے اٹھتے۔ زم زم سے چند گھونٹ پانی پی کر بھوک کی شدت کم کر لیتے نہ بھوک کا احساس' نہ پیاس کی پریشانی نہ منزل کا پتا' نہ کسی سے پوچھتے' بس ایک انجذابی سی کیفیت کہ جس کو ہر مقصود کو ڈھونڈنے نکلے' دل بھی اس کو پہچانے گا بھی' آنکھیں بھی اس کو دیکھیں گی بھی' آفتاب طلوع ہوتا' تو نگاہیں دن بھر اس آفتاب کو ڈھونڈتی رہتی' جس کی روشنی سے روح کی سب تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں رات ہو جاتی تو نظریں اس چاند کو تلاش کرتی' جس کی روشنی میں تارے جگمگا اٹھتے' دن رات ایک ہی لگن تھی کہ کسی طرح اس جمال جہاں آرا کا نظارہ ہو جائے' لمحہ لمحہ جگر سوزی بڑھ رہی تھی اور انتظار کی گھڑیاں طویل تر ہوتی جا رہی تھیں' صحابی رسولؐ حضرت ابوذر غفاریؓ سے صبر نہ ہو سکا جذبہ عشق و مستی میں اپنے محبوبؐ کے بارے میں کسی سے پوچھ ہی لیا وہ تو پہلے ہی ان کے محبوب کا دشمن تھا سوال سن کر آگ بگولا ہو گیا اور پوری قوت سے چلایا۔ ''ارے صابی'' چاروں طرف سے لوگ ٹوٹ پڑے اس قدر مارا کہ بے ہوش ہو گئے نہ جانے کس وقت ہوش آیا خون میں لت پت تھے بڑے اطمینان سے زم زم پر آئے خون صاف کیا پانی پیا اور پھر اسی جگہ آ بیٹھے ارادے کی پختگی میں کوئی جنبش نہ ہوئی' جذب کا یہ عالم تھا کہ ایک ہی دھن لگی ہوئی تھی ''میرا محبوبؐ میرا محبوب۔

اس اللہ کے بندے نے حرم محترم کو نہیں چھوڑا جو دھن تھی بندھی رہی ایک دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ادھر سے گزر ہوا آپ نے دیکھا ایک خستہ حال مسافر پڑا ہوا ہے آپ کو بہت ترس آیا اسے اپنے ساتھ گھر لے گئے رات حضرت علیؓ کے گھر گزاری پھر صبح حرم میں آ گئے اپنی زنبیل اور مشک رکھ کر تلاش محبوب میں باہر چلے گئے۔

مغرب کے بعد سیدنا علی المرتضیٰؓ تشریف لائے اور ان کو گھر لے گئے یہ رات بھی اسی طرح خاموشی سے گزر گئی صبح ہوتے ہی پھر حرم میں آ گئے رات ہوئی تو پھر حضرت علیؓ تشریف لائے اب ان سے نہ رہا گیا پوچھ ہی لیا۔ ''آخر تمہیں کیا چیز یہاں لائی ہے؟ کس ضرورت سے آئے ہو'' بولے ''اگر عہد کرتے ہو کہ میری رہنمائی کرو گے تو بتاؤں گا'' عہد کیا گیا فرمایا۔ میں نے سنا ہے کہ مکے میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے یہ سن کر میں نے اپنے بھائی کو بھیجا' لیکن تشفی نہ ہوئی اب خود ان سے ملنے آیا ہوں''۔ حضرت علیؓ ان کو لے کر آستانہ محبوب دو عالمؐ پر پہنچے راز و نیاز کی باتیں ہوئیں اور انہوں نے محبوب کے ہاتھوں میں ہاتھ دیا۔

وہاں سے واپس آتے ہی حرم میں پہنچے اور غار کے مجمع میں گھس گئے اور وہاں نعرہ مستانہ بلند کیا پھر کیا تھا لوگ چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے اتنا مارا کہ لہو میں نہا گئے' حضرت عباسؓ نے ان کی جان بچائی کیونکہ یہ اس قبیلے سے تھے جہاں سے اہل عرب تجارت کے لئے کھجوریں لایا کرتے تھے درد محبت تھا کہ دل کی گہرائیوں میں جذب ہوگیا تھا جس نے ان کی حالت کو عجیب طرز پر ڈھال دیا تھا۔ رنگ گندمی تھا جو اسی حالت جذب میں دھوپ وغیرہ سے سیاہ ہوگیا تھا ٹاٹ کا بستر تھا کسی نے پوچھا آپ نرم گدا کیوں نہیں بنوا لیتے؟ تو ہاتھ اٹھا کر فرمانے لگے۔ ''یا اللہ! دنیا میں جو چیزیں تو نے اپنی مرضی سے عطا کی ہیں ان کے مطابق بھی میں مغفرت کا طلب گار ہوں''۔

لباس وغیرہ کی پرواہ نہیں تھی جیسا ملتا پہن لیتے ایک دن بدوؤں کا سا کمبل اوڑھ رکھا تھا کسی نے پوچھا کیا آپ کے پاس اور کپڑا نہ تھا فرمایا ''ہوتا تو تم ضرور اسے میرے جسم پر دیکھتے''۔ اس نے کہا دو دن ہوئے میں نے آپ پر ایک نہایت عمدہ جوڑا دیکھا تھا فرمایا ''تھا تو لیکن ایک محتاج کو دے دیا''۔ اس نے کہا نہیں آپ سے زیادہ محتاج کون ہوسکتا ہے؟ آپ اس پر جلال میں آگئے اور سخت لہجے میں فرمایا۔ ''خدا تجھے بخشے تو نے دنیا کو عظمت کی نگاہ سے دیکھا ہے کیا میرے جسم پر یہ چادر نہیں؟ اس شخص کے پاس تو یہ بھی نہ تھی پھر فرمایا' اے شخص میرے پاس بکریاں ہیں جن کا دودھ پیتا ہوں میرے پاس گدھے ہیں جو بار برداری کے کام آتے ہیں' غلام ہیں جو میری خدمت کرتے ہیں اور عید' بقر عید کے لئے ایک ایک عبا بھی ضرورت سے زائد میرے پاس ہے پس تم خود انصاف کرو ان نعمتوں سے بڑھ کر بھی کوئی نعمت ہوسکتی ہے؟ بلکہ عبا کے بارے میں ڈرتا ہوں کہ مجھ سے اس کے بارے میں باز پرس نہ ہو جائے''۔

اللہ اللہ ان کا جذب ایسے لوگوں کی طرح نہ تھا کہ نہ حقوق العباد کا خیال نہ حقوق اللہ کا دھیان نہ فرائض کی فکر نہ سنتوں کی پروا نہ ستر کا ہوش نہ حرام وحلال کی تمیز ان کا جذب ایسا نہیں تھا کہ نماز روزہ اور دیگر شرعی امور سے آزاد ہوگئے ہوں بلکہ وہ ایسے مجذوب تھے جو ہمارے بڑے بڑے عاقلوں سے زیادہ عاقل اور باہوش تھے فرائض میں تو کسی قسم کی کوتاہی ان سے قطعاً ثابت نہیں' محبوبؐ کی باتوں کی سختی سے پابندی فرماتے تھے ایک مرتبہ کسی بات پر غصہ آگیا تو بیٹھ گئے پھر فوراً ہی کیچڑ بھری ہوئی زمین پر لیٹ گئے۔ پوچھا گیا' آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا کہ ''مجھ سے محمد ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم میں سے جب کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو اسے چاہیئے کہ بیٹھ جائے کہ اس سے غصہ جاتا ہے ورنہ پھر لیٹ جائے''۔

سرکاری بیت المال سے جو وظیفہ ملتا تھا اس میں سے سال بھر کی ضروریات خرید کر باقی رقم فقراء میں تقسیم کر دیتے تھے اگر سونے چاندی کے سکے ہوتے تو انہیں پیسوں میں تبدیل کر لیتے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے خلیلؐ سے سنا تھا ''جس نے سونے چاندی پر گرہ لگائی وہ اس کے مالک کے لئے انگارے ہیں''۔

جب بھی حدیث رسول کا ذکر کرتے تو فرماتے' میرے محبوبؐ نے مجھے وصیت کی ہے ''میں نے اپنے دوست سے سنا ہے''۔

احنف بن قیس راوی ہیں کہ میں نے بیت المقدس میں انہیں ایک حدیث بیان کرتے ہوئے سنا صرف اتنا ہی کہتے تھے مجھے میرے محبوبؐ نے خبر دی ہے چیخ مارتے پھر کہتے مجھے میرے محبوبؐ نے خبر دی ہے اور چیخ مارتے پھر یہی کہتے' حتیٰ کہ چوتھی بار ضبط کر کے حدیث بیان کی ایک مرتبہ خیال آیا کہ دنیا میں تو حضور ﷺ کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر لیتے ہیں' آخرت میں کیا ہوگا جب آپؐ بہشت میں ہوں گے تو اتنے مضطرب ہوئے کہ سیدھے آستانہ عالیہ پہنچے جواب ملا تم اسی کے ساتھ رہو گے جسے چاہتے ہو۔ اس جذب کا اثر تھا کہ جو بات ایک

مرتبہ اپنے محبوبؐ سے سن لی' عمر بھر اس کو نبھایا اس لئے وصال نبویؐ کے بعد خود کو اسی حالت پر رکھا' جس حالت میں رسول اللہ ﷺ چھوڑ گئے تھے۔

آخری عمر میں مدینے کے نواحی علاقہ ربذہ میں ایک چھوٹی سے کمبل کی کٹیا بنالی تھی آپ کی ایک ہی صاحبزادی صاحبہ تھیں' ان کو بھی ساتھ لے گئے اور زوجہ محترمہ کا تو پہلے ہی ہر وقت ساتھ تھا۔

ہجرت کا بتیسواں سال اپنے آخری ایام پورے کر رہا تھا حج بیت اللہ کے دن قریب آرہے تھے قافلوں پر قافلے مکہ مکرمہ روانہ ہو رہے تھے اور آپ کی کٹیا کے سامنے سے گزر رہے تھے دل مشوش ہو کر رہ جاتا بیماری ونقاہت نے اس قابل نہ چھوڑا کہ جنبش ہی کر سکتے اس پر شوکت حج میں شرکت نہ فرما سکے' جس کے امیر خلیفہ سوم سیدنا حضرت عثمان غنیؓ تھے۔

ربذہ کی آبادی بالکل تھوڑی تھی اور جتنے لوگ تھے وہ بھی حج میں شرکت کے لئے چلے گئے کہ پھر ایسا وقت نصیب ہو یا نہ ہو صرف یہی اپنی زوجہ محترمہ اور صاحبزادی صاحبہ کے ساتھ ربذہ میں رہ گئے تمام ربذہ خالی ہوگیا تھا حج کا وقت قریب آگیا تھا اور حجاج کرام کی آمد ورفت بند ہوگئی تھی راستے سنسان پڑے تھے دور دور تک سناٹا تھا اللہ کے مجذوب حضرت ابوذر غفاریؓ کی حالت لحہ بہ لحہ خطرناک ہوتی جارہی تھی یک دم ان کی تیمار دار بیوی نے چیخ ماری۔ آپ نے تسلی دی اور فرمایا مت رو' صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے ساتھ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ تم لوگوں میں سے ایک شخص سنسان وادی میں جان دے گا' جس کے جنازے میں مسلمانوں کا ایک گروہ آکر شریک ہوگا اور میں اس دن سے اندازہ کر رہا ہوں کہ وہاں پر جتنے لوگ تھے ان میں سب کے سب کسی شہر یا آبادی میں وفات پاچکے ہیں صرف میں اکیلا رہ گیا ہوں جاؤ راستے پر جا کر بیٹھ جاؤ۔ مسلمانوں کی جماعت ضرور آرہی ہوگی کیونکہ خدا کی قسم نہ میں جھوٹ بول رہا ہوں اور نہ مجھ سے جھوٹ کہا گیا ہے''۔ وہ بادل ناخواستہ روتی دھوتی اٹھیں اور آکر راستے میں بیٹھ گئیں۔ یک دم ایک جماعت ان کے قریب آکر رک گئی پوچھا گیا۔ ''آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں؟ فرمایا مسلمانو' ایک آدمی بے چارہ مر رہا ہے' اس کے کفن دفن کا انتظام کرو' اس کے پاس کفن بھی نہیں ہے۔ اللہ کے یہاں اجر پاؤ گے''۔ پوچھا گیا ''مرنے والا کون ہے؟'' جواب دیا۔ صحابی رسولؐ یہ سنتے ہی سب کے ہوش اڑ گئے' پاؤں تلے سے زمین نکل گئی' کہرام مچ گیا۔ ایک شور تھا' ان پر ہمارے ماں باپ قربان' ان پر ہمارے ماں باپ قربان' ادھر انہوں نے اپنی بیٹی کو حکم دے دیا کہ بکری ذبح کر کے پکاؤ۔ مہمان آرہے ہیں جب وہ مجھے دفن کر لیں تو تم ان سے کہنا کہ ابا نے خدا کی قسم دی ہے کہ جب تک یہ کھانا نہ کھالیں' اپنی سواریوں پر سوار نہ ہوں' ان کے خلیلؐ نے بتایا تھا کہ مہمانوں کا احترام کرو' چاہے تمہاری جان ہی کیوں نہ نکل رہی ہو۔ اتنے میں مومنین کی جماعت اندر آئی' انہوں نے جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا' تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں جو شخص مجھے کفن دے' وہ نہ تو کسی صوبے کا والی ہو' نہ عریف' اس جماعت میں صرف ایک انصاری جوان ایسا ملا جس میں یہ شرائط پائی جاتی تھیں اس نے کہا' میرے پاس دو چادریں ہیں اور ایک میرے بدن پر ہے' جنہیں میری ماں نے اپنے ہاتھوں سے بنا ہے یہ سن کر فرمایا' بس انہی کپڑوں میں مجھے کفنانا' اس کے بعد ان کے بدن نے جھرجھری سی لی اور فرمایا' میرا رخ قبلے کی طرف کر دو''۔ ایسا کر دیا گیا' اس کے بعد زبان مبارک سے یہ آخری الفاظ نکلے اور مجذوبوں کا سردار ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگیا۔

''بسم اللہ وعلیٰ ملت رسول اللہ''

آہ! ان کے خلیل رسولؐ نے جو فرمایا تھا وہ کس کس انداز سے پورا ہو کر رہا' ان کے محبوب خلیل' رسول اللہؐ نے فرمایا ''ابوذرؓ اکیلا ہی چلتا ہے' اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھے گا''۔

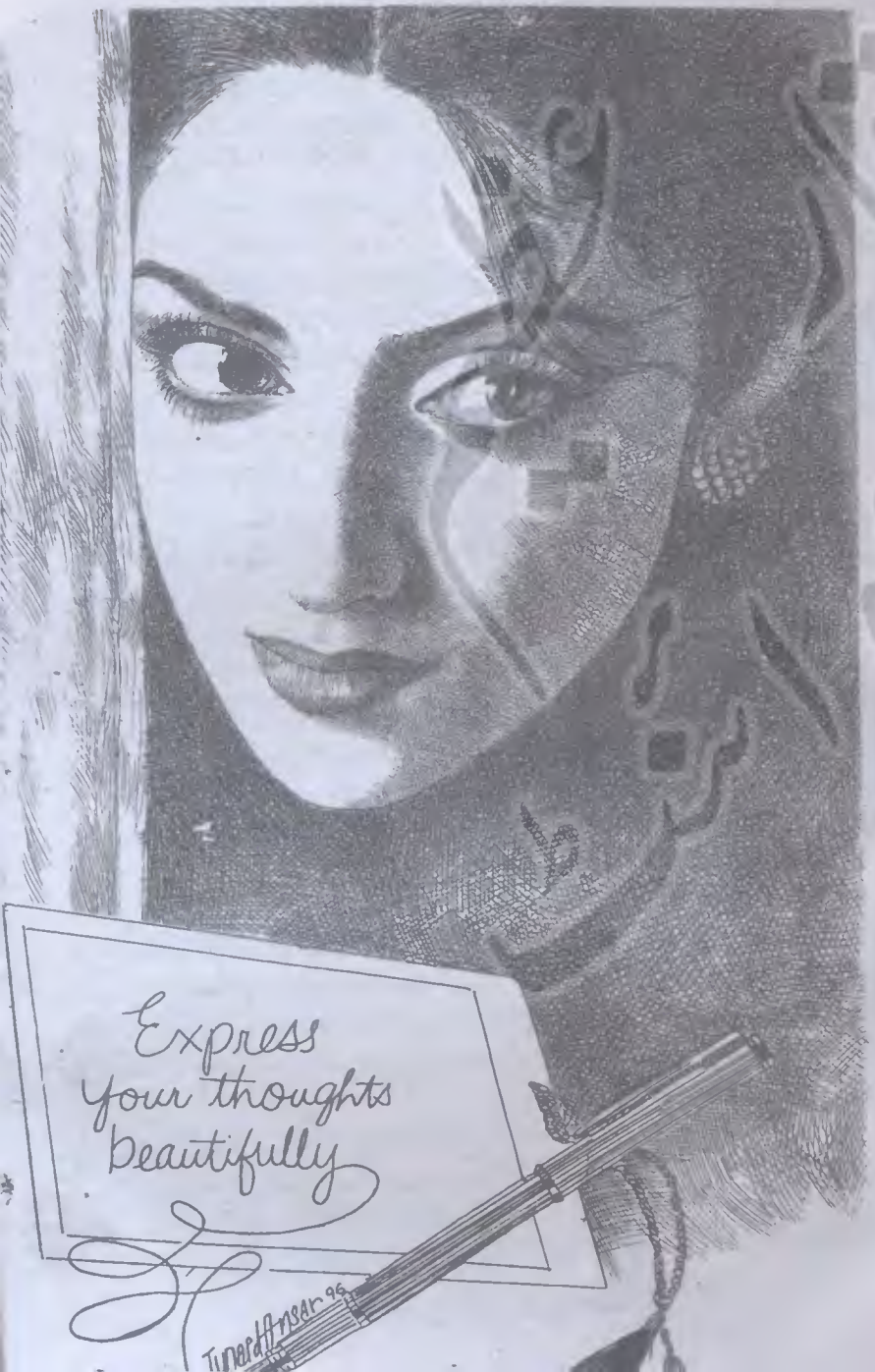

صالحہ محمود

قسط نمبر 23۔

سلسلے وار ناول

وہ جو رگِ جاں سے قریب تھا

صبا اپنے کمرے میں چیخ رہی تھیں۔

''میرا اس سے کوئی تعلق نہیں، میں کچھ نہیں جانتی، مجھے نہیں معلوم ایشل کو کن لوگوں نے کڈنیپ کیا اور ان لوگوں کے ساتھ کیا ہوا؟ تم سب جانتے ہو، شروع سے کہ ارسلان رومی کو پسند کرتا تھا، اس نے میرے لاکر سے چوری کی ہے، میرے لاکر سے سارے ڈالرز غائب ہیں''۔

''یو شٹ اپ! رومی کو بلیم مت دو، میرے صبر کی تم ٹیسٹ کراس کر چکی ہو، میں صرف اور صرف حذیفہ کے کہنے پر آیا ہوں، مجھے کچھ خبر نہیں ہے''۔ ان کا لہجہ بہت کاٹ دار تھا، انہوں نے صبا پر ایک قہر بھری نظر ڈالی، تو صبا حیرت کی کیفیت سے چونک پڑی تھیں۔

''میری بیٹی وہاں مر رہی ہے، میرے ساتھ یہ سب مت کرو، اشمل کا پاسپورٹ ہینڈ اوور کرواسے''۔ وہ کمرے کے کونے میں سمٹ کر بہت زور سے چیخی تھیں۔

''ڈونٹ شاؤٹ صبا! تاکہ اشمل یہاں سے نکل جائے، لائبہ کل کی فلائٹ سے آرہی ہے، اور اسے دیکھ کر تمہیں عبرت ہوگی، دوسروں کے ساتھ تم کیا کرتی پھرتی ہو، تمہیں احساس ہے کہ رومی کس اذیت سے گزر رہی ہوگی؟'' ان کے سخت پتھر جیسے الفاظ صبا کو یوں لگا ولید کے لفظ لفظ پتھر بن کر ان پر برس رہے تھے۔

''یہ سب رومی کی وجہ سے ہوا ہے''۔ وہ چیخ مار کر جہاں کونے میں کھڑی تھیں کھڑی رہ گئیں۔

''نو ڈاؤٹ... اللہ مظلوم کی مدد فرماتا ہے، وہ بے یار و مددگار ہے، یہ اس کا گھر تھا اور تم نے اسے گھر سے نکال دیا''۔

''وہ جھوٹی ہے، وہ چور ہے، اس نے میرے لاکر سے چوری کی ہے''۔ تبھی حذیفہ اندر داخل ہوا تھا، ولید حیدر اسے دیکھ کر خاموش ہو گئے تھے، صبا کسی مجرم کی طرح کونے میں بیٹھی سسک رہی تھیں، ان کے اسٹیپ میں کٹے بال ان کے چہرے پر آ گئے تھے، ہاتھوں کی پوروں سے وہ اپنے آنسو پونچھ رہی تھیں، سلیولیس شرٹ کی آستینیں آنسوؤں کو نہ سمیٹ سکیں، صبا بے تحاشا رو رہی تھیں۔

نوٹ: ردا کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی ردا کو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

''پاپ! رومی کا پتہ چل گیا ہے اور وہ لاکر سے پیسے لے کر فرار نہیں ہوئی مام نے وہ رقم خود دی ہے''۔ حذیفہ نے باپ کی طرف دیکھا تو ولید نے پلٹ کر صبا پر قہر بھری نظر ڈالی۔

''وہ جھوٹ بولتی ہے اسے میرے سامنے لاؤ میں اسے نوچ کر پھینک دوں گی''۔ تو حذیفہ نے انہیں بہت گہری نظروں سے دیکھا۔

''مام! پولیس والے رومی سے بیان لینا چاہتے ہیں، میں نے ابھی اس بات کو خفیہ رکھا ہے، اگر یہ ایشو سامنے آ گیا کہ آپ نے رومی کو یہ رقم مہیا کی ہے تو یہ بات گھر سے باہر نکل جائے گی، اب آپ کیا کہتی ہیں مجھے آپ سے بات کرنی ہے، پاپ! پلیز میں مام سے بات کرنا چاہتا ہوں''۔ تو ولید حیدر باہر چلے گئے تھے۔

''مام! ویری سمپل ڈیٹ کہ رومی کہہ دے کہ یہ رقم میں نے خود ارسلان کو دی تھی کہ وہ ایشل کی جان بچالے، دوسری صورت میں اگر رومی یہ بیان دے دے کہ مام! یہ آپ نے کروایا ہے تو ہماری فیملی بدنام ہو جائے گی، اس وقت ویسے بھی بزنس کرائسس میں ہے، آئے دن فیکٹریز بند رہتی ہیں، ہوسکتا ہے ہمیں اپنا بزنس وائنڈ اپ کرنا پڑ جائے، ان حالات میں میڈیا ہمارے فیملی میٹر کو اچھالے، مام! یو نو کچھ جرائم پیشہ گروہ سے ان کا تعلق تھا، میں اس لیے نہیں چاہتا کہ ہماری فیملی انوالو ہو، رومی ایک کلینک میں زیر علاج ہے، اور میری اس سے تفصیلی بات ہو چکی ہے''۔ حذیفہ کا لہجہ نرم سے نرم ہوتا جا رہا تھا، انہوں نے بڑی بے بسی سے سر اٹھا کر حذیفہ کو دیکھا اور اپنے کھلے ہوئے بازوؤں کو دیکھ کر چھپانے کی کوشش کرنے لگیں۔ حذیفہ نے اردگرد دیکھا اور بیڈ پر رکھی شال ان کی جانب بڑھائی تھی، پہلی بار انہیں حذیفہ کے سامنے اس حلیے پر شرم آئی تھی، انہوں نے شال لپیٹ کر اپنے دونوں بازوؤں کو چھپا لیا تھا، رونے کی وجہ سے ناک سے پانی بہنے لگا، انہوں نے رخ بدل کر حذیفہ کی جانب دیکھا جو ابھی تک سر جھکائے روبرو ان کے سامنے منتظر کھڑا تھا۔

''تم کیا چاہتے ہو؟'' وہ اندر سے ٹوٹ گئی تھیں۔

''رومی یہ کہہ دے کہ یہ رقم میں نے اپنے کزن کی مدد کے لیے دی تھی، بات ختم ہو جائے گی''۔

''کہہ دے وہ منحوس کس نے روکا ہے، اس کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا، نہ ولید اسے اس گھر میں لے کر آتے نہ اس گھر میں یہ فساد ہوتا، اس منحوس کی بددعا میری بیٹی کو لگی ہے''۔

''مام! مظلوم کی آہ عرش ہلا دیتی ہے، رضائے الٰہی کو آپ تسلیم کریں، فیصلہ آپ نہیں کرسکتیں، فیصلہ کرنے کا حق صرف اللہ کو ہے، جن حالات میں رومی لوگوں کو ملی ہے ان کا کہنا تھا کہ یہ بالکل ختم تھی، یہ ایک معجزہ ہے کہ نہ صرف یہ بلکہ اس کا بچہ بھی محفوظ رہا''۔ وہ پرسوچ لہجے میں بولا۔

''وہ جھوٹ بولتی ہے، وہ بچہ میرے اشمل کا نہیں ہے''۔ وہ چیخ کر بولیں۔

''مام! یہ فیصلہ اشمل کے ہاتھ میں دے دیجیے، اسے میچورڈ انسان بننے کے لیے بہت ضروری ہے کہ آپ اپنی گرفت نرم کردیں، آپ اسے آزاد کردیں، آپ کے سخت رویے کی وجہ سے وہ خود کو کمزور محسوس کر رہا ہے، پلیز مام! ریلیکس.... آپ اوپر اٹھیے''۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ ان کی جانب بڑھایا تھا، تو وہ بازو تھام کر شرمندگی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''مام! ریلیکس...!'' اس نے انہیں بیڈ پر بٹھا دیا تھا۔

''مام! میں نے ہوش سنبھالا تو آپ ہی میری ماں تھیں، میں آپ کا بے حد احترام اور عزت کرتا ہوں، میں اپنے بھائی کی بے چارگی پر شدید ڈپریشن کا شکار ہوں، نیند نہیں آتی''۔

''تو میں کیا کروں حذیفہ؟'' انہوں نے اپنا سر پیٹ لیا تھا۔

''مام! یہ میرا وعدہ ہے سب ٹھیک ہو جائے گا، بس آپ بیچ سے ہٹ جائیں، آپ کہہ دیں اشمل سے کہ وہ خود مختار ہے، جو چاہے اپنی لائف کا فیصلہ کرے، وہ یہاں رہنا چاہتا ہے یا جانا چاہتا ہے، رومی اور ارج ان کے درمیان میں وہ بے بس ہے، ایک طرف پاپ ہیں اور ایک طرف مام آپ ہیں۔ مام! میرا بھائی مر جائے گا، فاخر کہتا ہے کہ اس کو آہستہ آہستہ نشے کی عادت پڑ رہی ہے، آپ کو پتہ ہے کہ وہ ڈرنک کرتا ہے اور فاخر روز رات میں اسے ڈراپ کر کے جاتا ہے؟''

''تو یہ اس کا قصور ہے''۔ صبا سر اٹھا کر بولیں تو وہ بولا۔

''نہیں مام! حالات نے اسے ایسا کر دیا ہے، اس کا ایک ہی حل ہے مام! کہ آپ اسے کہہ دیں کہ وہ آزاد ہے، وہ جو فیصلہ کرنا چاہے کرے، یہ ولید ہاؤس میں کینسر کی طرح حالات پھیلتے جا رہے ہیں، آپ بھی ریلیکس ہوں گی، آپ اللہ پر بھروسہ کریں، کل لائبہ بھی آ جائے گی انشاء اللہ، میں نے اپنے دوستوں سے کانٹیکٹ کر کے لائبہ کو پہلی فلائٹ سے پاکستان بلا لیا ہے، آپ کو شاکڈ نہ ہو اس لیے بتا دوں کہ وہ معذور ہو چکی ہے''۔

''مجھے معلوم ہے، میری مبین بھائی سے بات ہوئی ہے''۔ ان کی آنکھیں چھم چھم برسنے لگیں، کمرے میں گہرا سناٹا تھا، حذیفہ چپ چاپ ان کے سامنے کھڑا تھا صبا سر جھکائے بیٹھی تھیں، پھر اپنی ہتھیلی کو انگوٹھے سے رگڑتے ہوئے سر جھکائے ہوئے بول پڑیں۔

''ٹھیک ہے حذیفہ! تم جیسا چاہتے ہو ویسا ہی کرو، میں تھک گئی ہوں، اشمل کو تم ہینڈل کرلو، اس کی زندگی میں اب میرا عمل دخل نہیں ہوگا، وہ خود فیصلہ کرے کہ اس نے کیا کرنا ہے، رومی اس کی زندگی میں رہے یا نہ رہے یہ فیصلہ اس کا ہے، بچہ کس کا ہے؟ خود اشمل فیصلہ کرے، لائبہ کی خبر نے مجھے ذہنی طور پر بہت ڈسٹرب کر دیا ہے بس وہ آ جائے، وہ مجھے مل جائے مجھے اور کچھ نہیں چاہیے، حذیفہ! تم جو چاہو کرو، بس یہ کہ...!'' ان کی زبان لڑکھڑا سی گئی تھی۔

''بولیں مام! کیا کہہ رہی ہیں؟'' حذیفہ نے انہیں بہت غور سے دیکھا تھا۔

''مجھے معاف کر دینا اور لائبہ کے لیے نماز میں دعا کرنا کہ میری لائبہ ٹھیک ہو جائے''۔ ان کی آنکھوں سے آنسو سر بہہ رہے تھے۔

آج تک صبا کی قسمت بہت اچھی تھی ان کی قسمت اللہ نے سنہرے قلم سے لکھی تھی کسی کو کنکر بھی مارتیں تو پتھر بن کر لگتا لیکن آج لائبہ کے حادثے نے یکسر انہیں بدل دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

موسم کیا حالات یکسر بدل گئے تھے، حذیفہ رومی کو کلثوم کے گھر چھوڑ کر بہت تھکا تھکا گھر لوٹا تھا اشمل کو یہ بات پتہ تھی کہ رومی یہاں واپس نہیں آنا چاہتی، اشمل مارے شرمندگی کے اپنے روم میں نہیں گیا تھا، ارج ولید حیدر کا سن کر بہت خاموش سی رہتی تھی، ان کے علم میں آ گیا تھا ارج یہاں پر آئی ہوئی ہے، اشمل مارے خوف کے ابھی تک ولید حیدر کے سامنے نہیں آیا تھا، وہ اس بات کو سمجھ گئے تھے کہ اشمل ان سے کترا رہا ہے، شاید اسی لیے انہوں نے اگنور کیا اور اس سے ملنے کی کوشش نہیں کی، حذیفہ جب اس کے کمرے میں گیا، تو اشمل ٹیبل پر جھکا کچھ پڑھ رہا تھا، حسرت و یاس میں ڈوبی آخری تحریر جو ڈائری کی صورت چھوڑ کر وہ گئی تھی، اشمل یوں ہی اسٹڈی کے لیے تنہائی سے گھبرا کر شیلف سے بک نکال رہا تھا کہ غیر ارادی طور پر اس کی نظر اس ڈائری پر پڑی تھی۔

تبھی وہ دبے قدموں چلتا ہوا اشمل کے روم میں آیا تو وہ ڈائری رکھ کر ایک دم اٹھ کھڑا ہوا، کمرے میں سگریٹ کا دھواں اور سامنے رکھی ہوئی ایش ٹرے نظر آئی تھی، وہ گھبرا کر جلدی سے کھڑا ہو گیا تھا۔

''یُو نو.... پاپ آ چکے ہیں''۔ تو اشمل نے جواب میں اثبات میں سر کو ہلایا تھا۔
''پھر بھی تم اسو کنگ کر رہے ہو؟'' وہ دیکھ کر چونک گیا تھا۔
''میں ہر سزا کے لیے خود کو تیار کر چکا ہوں، پاپ مجھے اپنی زندگی سے نکال دیں میں کہیں پر بھی محنت مزدوری کر کے زندگی گزار لوں گا''۔ لہجے میں بے زاری تھی۔
''یہ ہائی فائی زندگی چھوڑ کر تم دو دن بھی نہیں جی سکتے، کہاں جاؤ گے؟'' اس نے گہری آنکھوں سے دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔
''جب لوگ زندگی کا فیصلہ کر لیتے ہیں تو کوئی نہ کوئی راستہ بھی مل جاتا ہے، روی مجھ سے کہیں زیادہ بریو تھی کہ یہ گھر، آسائش چھوڑ کر چلی گئی، جی تو لے گی وہ کہیں نہ کہیں، تو میں کیوں نہیں جی سکتا؟'' اشمل اس وقت بیزار لگ رہا تھا۔
''اس کے لیے صبر اور استقامت کی ضرورت ہوتی ہے جس کی تمہارے اندر کمی ہے، تمہاری سوچوں میں مام کا عمل دخل زیادہ ہے، تمہارے دل کے اندر مام کی فیلنگز ہیں، تم نے کبھی ولید حیدر کے نظریے سے نہیں سوچا''۔ وہ غور سے اشمل کی جانب دیکھ رہا تھا۔
''مام صحیح کہتی ہیں میں نمبر 2 ہوں اور نمبر ٹو رہوں گا، پاپ کی نظروں میں میری کوئی اہمیت نہیں ہے، جب چاہا جو فیصلہ کر لیا، اسی طرح مام بھی میرے ساتھ بی ہیو کرتی ہیں''۔ اشمل زچ ہو کر بول رہا تھا۔
''اور تم نے جو پاپ کے بغیر فیصلے کیے وہ کیا تھا اشمل! آج تم اسی وجہ سے الجھ کر رہ گئے ہو، مام کی سوچ سے اگر تم باہر آ جاؤ خود فیصلے کرو اپنی زندگی کے کہ تم نے کیا کرنا ہے، اپنی زندگی میں''۔ حذیفہ نے اسے چونکا دیا تھا۔
''اب کوئی فرق نہیں پڑتا، میری زندگی میں، میں نے بہت لوس کیا ہے، ارج مجھے چیٹ کر رہی ہے''۔
''ہاں! تو تم کمزور پڑ گئے ہو، تم مام کے نظریے سے خود کو مت دیکھو، اگر تم اپنی زندگی کے فیصلے خود کر سکتے ہو تو میں تمہیں ہر قیمت پر بچا لوں گا''۔ حذیفہ اسے ترس بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
''ارج کا یہاں سے جانا ہماری تباہی کا باعث ہوگا، میں سمجھتا تھا حذیفہ! بات ختم ہو گئی ہے، روی ہماری زندگی سے چلی گئی ہے، نہ صرف ارج بلکہ مبین ماموں بھی پریشرائز کر رہے ہیں کہ میں ارج کو ڈائیورس کر دوں، ڈائیورس کی صورت میں پاپ مجھے کبھی بھی معاف نہیں کر سکیں گے''۔ اشمل نے کئی دن سے شیو نہیں کی تھی اور وہ اس وقت بہت اداس لگ رہا تھا، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب وہ کیا کرے، ولید حیدر کا آ جانا ایک اور قیامت تھی، اور ارج کا سامنا اسے آزاد کرنا سب سے بڑی قیامت تھی، وہ ایک دہرے عذاب میں مبتلا ہو گیا تھا۔
''میں سب کچھ ہینڈل کر لوں گا، پاپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ کل سے بہت اپ سیٹ ہیں، جو کچھ ان کے ساتھ ہوا وہ بہت غلط ہوا ہے، انہوں نے زندگی میں ہمیں سب کچھ دیا ہے اور ہم نے کچھ بھی نہیں، تم اس سے اتفاق کرتے ہو؟'' حذیفہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔
''حذیفہ! یہ سچ ہے میں تم سے اپنے دل کی بات شیئر کرنا چاہتا ہوں''۔ وہ سر پکڑ کر دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا تھا، اس وقت اس کی حالت بہت خراب لگ رہی تھی۔
''آر یُو او کے اشمل؟'' اس نے گھبرا کر اسے جھنجھوڑ ڈالا۔
''حذیفہ! میں نے جو غلطیاں کی ہیں کیا میں اس سے بچ سکتا ہوں، اس کمرے میں آ کر میرا دم گھٹتا ہے، مجھے ہر پل نظر کے ہر زاویے میں روی سسکتی ہوئی نظر آتی ہے، میں اسے نہیں چھوڑ سکتا، میں ایک پل کے لیے بھی اس سے دور نہیں رہ سکتا، ایسا لگتا ہے میری روح اس کے جسم میں تیر رہی ہے، اس کے گھر چھوڑ کر چلے جانے سے پہلے ہی مجھے یوں

لگ رہا تھا کہ میں اندر سے ٹوٹ رہا ہوں، خالی خالی ہو رہا ہوں، مام کہتی ہیں یہ سب جادو کا اثر ہے''۔
''اے یار! کیسی باتیں کرتا ہے، مام کے چکر سے نکل، خود فیصلے کر میں تیرے ساتھ ہوں، روی یا ارج تیرے ساتھ ہوگی، یہ زندگی ہے کوئی کھیل نہیں کہ رات ارج کے کمرے میں تو صبح آپ روی کے روم سے نکل رہے ہیں''۔
''لیکن پاپ...!''
''میں تمہارے سارے لوس کو چھپا لوں گا، میں پاپ کو ہینڈل کر لوں گا، فارن بزنس تو اب میں دیکھ رہا ہوں، تم ارج کے بارے میں فیصلہ کرو، ہاں یا نہیں، میں سب ہینڈل کر لوں گا، او کے! آؤ چلتے ہیں، باہر کسی اچھے ریسٹورنٹ میں کھانا کھاتے ہیں''۔ وہ بے یقینی کی کیفیت میں دیکھے جا رہا تھا اور حذیفہ ہنسے جا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

ابھی تک کلثوم بے یقینی کی کیفیت میں بیٹھی تھیں، بے حد اداس۔
''تم نے روی سے پیسے لے کر اسے بے گھر کر دیا تھا اگر حذیفہ اسے لے کر یہاں نہ آتا تو اس کا نام و نشان تک نہ ہوتا، ایشل کسی ڈاکٹر کے پاس اسے لے کر گئی تھی، ابھی تک اس کی حالت بہتر نہیں ہے، وہ سکتے کی حالت میں ہے''۔
''ایشل! میں بالکل ٹھیک ہوں، بس اتنا کر دو کہ تائی اماں اور ارسلان کو بتا دو کہ میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی، اور میں کہیں بھی اپنے بچے کے ساتھ رہ سکتی ہوں، کچھ کر لوں گی، مجھے وہ آسائش وہ محل نہیں چاہیے''۔
''ہم لوگ خود بھی جلدی نہیں کر سکتے''۔ اس نے روی کو دیکھا تھا، روی شدید ڈپریشن میں تھی، ایشل جب گھر لوٹی تو شام کا پہر تھا، زویا کی ماں کلثوم کے پیر پکڑ پکڑ کر معافی مانگ رہی تھیں۔
''ابھی صرف ایک طلاق ہوئی ہے، ارسلان کو روک دیں، ہمارے نظریے کے مطابق تین بار میں طلاق ہوتی ہے، وقفہ لازمی ہے''۔
''نہیں.... میں اسے طلاق دے چکا ہوں اور عقیدے کی بات ہے تو آنٹی! آج دوسری بار بھی میں اسے طلاق دیتا ہوں، اسے طلاق دیتا ہوں، ایک باقی رہ گئی ہے کسی دوسرے وقفے میں دے دوں گا''۔ وہ غصے کے عالم میں بولا تھا۔
''بیٹا! وہ مر رہی ہے، تمہارے بغیر وہ نہیں جی سکتی''۔
''کوئی کسی کے لیے نہیں مرتا''۔ وہ رخ موڑ کر نکل گیا۔
''بہن! تم خود سوچو کہ جو اس نے ہمارے خاندان کے ساتھ کیا، ایشل کا مستقبل وہ تاریک کر کے گئی ہے''۔ کلثوم بیزار لہجے میں بولیں۔
''وہ معصوم ہے بیوقوف ہے میری بیٹی، آپ تو سمجھدار ہیں عقل والی ہیں، معاف کر دیں''۔ ان کے آنسو بہہ رہے تھے۔
''زویا نے جو کچھ ہمارے ساتھ کیا ہے وہ ابھی ختم نہیں ہوا، ہر روز پولیس نئی سے نئی تفتیش کر رہی ہے، روی کا بیان لیا جائے گا کیونکہ ابھی حذیفہ نے کہا ہے کہ وہ ابھی اس قابل نہیں کہ بیان دے سکے''۔ اسی وقت روی اور ایشل اندر آئیں تھیں، زویا کی ماں کی ایک نظر پڑی وہ چونک کر اپنے دوپٹے سے آنسو پونچھتے ہوئے پھٹ پڑی۔
''یہ سب تمہاری ملی بھگت سے ہوا ہے اور اب معصومیت کا ڈھونگ رچا کر فوراً ہی زویا کی جگہ لینے آ گئیں''
''آنٹی! آپ حد سے آگے بڑھ گئی ہیں آپ فوراً اس گھر سے نکل جائیں، ہمارا اور آپ کا رشتہ ختم ہو گیا ہے، جائیں آپ، اس نے نہیں آپ کی بیٹی نے اسے انوالو کیا ہے اور یہ بات اتنی آسان نہیں ہے، کیس ابھی ختم نہیں ہوا، کڈنیپنگ کا کیس تھا اور زویا برابر کی انوالو ہے، اس کو بھی سزا ملے گی''۔

''اگر میری بیٹی جیل کے اندر رہی تو تم بھی اپنی بدنامی کا داغ نہ دھو سکو گی، بیٹھی رہو گی تمام عمر اسی دروازے پر کوئی بیاہنے نہیں آئے گا''۔

''مجھے اب اس کا انتظار نہیں ہے، فیصلے اللہ کے گھر ہوتے ہیں، ہر سانس، ہر نفس، ہر خیر و شر پر، ہر خوشی انسان کا ہر عمل اللہ ہی کے حکم سے ہے، یہ بات آپ شاید بھول گئی ہیں، اپنی دعاؤں سے اپنی بیٹی کو بچالیں، سزا کے دن قریب آرہے ہیں''۔ ان کو تو کوئی جواب نہ بن پڑا البتہ رومی گھبرا کر محسوس کر رہی تھی کہ اس کے وجود کے اندر تیز تیز سانس لینے لگا، کروٹ لی تو اس کے پیر جیسے لڑکھڑا سے گئے وہ اپنے وجود کو تھام کر ایشل کی بانہوں میں جھول گئی تھی، تائی اماں نے گھبرا کر رومی کو تھام لیا تھا۔

☆.....☆.....☆

ہلکی ہلکی مدھم بارش تھم چکی تھی، ننھی ننھی بوندیں کوریڈور کو بھگو گئی تھیں، درختوں پر پرندے چہچہا رہے تھے، اشمل نے حیرت سے خالی پنجرے کو دیکھا، نایاب اور قیمتی پرندے سب غائب تھے اور لاک پھر بھی لگا ہوا تھا، اس نے بہت غور اور حیرت سے دیکھا تو ایک پرندہ اندر سے جھانک رہا تھا۔

''اشمل! غور سے دیکھو، اس پرندے کے انڈے ہیں اب اس کے بچے نکلیں گے، سو سویٹ، کھانا کھانے کے لیے بھی نیچے نہیں اتر رہی، پرندے بھی کتنی محبت کرتے ہیں''۔ تو اشمل کے جسم میں ایک جھرجھری سی آئی اور اس نے رومی کے سراپا وجود کو دیکھا تھا، وہ کتنی بے نیازی سی پرندے کو چھیڑے جا رہی تھی، اس کے وجود کی بھینی بھینی مہک اس کے دائیں جانب اتری تو اس نے مڑ کر دیکھا، صرف رومی کا احساس تھا وہاں رومی نہیں تھی، بہت تھکے تھکے انداز میں اس نے ارد گرد نظر ڈالی، گہری خاموشی تھی، ادھر ادھر وہ دیکھتا رہا، دبے قدموں وہ چلتا ہوا اپنے کمرے میں اس طرح آیا گویا رومی کی آنکھ نہ کھل جائے، حذیفہ سے مل کر آج وہ بہت مضطرب تھا، کوئی فیصلہ کرنا چاہ رہا تھا، پھر بھی نجانے کیا تھا، اس نے وائٹ سلکی پردوں کو اپنے ہاتھوں سے ہٹا دیا، سامنے سیاہ بادلوں کے درمیان جھلملاتا چاند جھانک رہا تھا، ہر عکس، ہر پہلو میں اس کے سامنے رومی کا عکس تھا، اس نے بڑے غور سے سیاہ بادلوں کو دیکھا، سیاہ بادلوں کا ایک ٹکڑا سنہرے چاند کو آہستہ آہستہ اپنے پردے میں چھپا رہا تھا، اسے یوں لگا جیسے رومی کا چہرہ دور تاریکیوں میں ڈوب گیا ہو، اس کی کمی کا احساس کمرے میں آکر کچھ زیادہ ہی بڑھ جاتا، میاؤں میاؤں کرتی ہوئی ایزل اس کے قدموں سے آکر لپٹ گئی تھی وہ جھک کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا، تو ایزل لپک کر رومی کے بیڈ پر چڑھ کر بیٹھ کر رومی کے تکیے سے اپنا منہ رگڑنے لگی، گویا Pheromune Cat Release کر رہی ہے کہ وہ رومی کو مس کر رہی ہے جب اس طرح Cat اپنا جسم رگڑتے (Rub) ہیں تو وہ یہ احساس پیدا کر رہے ہوتے ہیں کہ میں تمہاری ہوں اور تم میرے ہو، اشمل نے بڑے دکھ سے اس کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا تھا۔

''ایزل! وہ ہماری زندگی سے بہت دور جا چکی ہے اسے تمہارا بھی خیال نہیں آیا کہ تم کس حال میں ہو، تمہاری Look After کون کرے گا، میں آج تمہیں Pet Clinic لے جاؤں گا، پوچھتا ہوں کہ کتنا ٹائم تمہیں اور چاہیے تم مت گھبراؤ، میرے بیڈ پر سو جاؤ، تمہاری طرح میں بھی Miss کر رہا ہوں اسے، لیکن اب بہت دیر ہو گئی، اس نے مجھ پر Trust نہیں کیا میں نے کبھی نہیں چاہا کہ وہ میری زندگی سے اتنی خاموشی سے نکل جائے''۔ اس کے اوپر وہ رومی کا بلینکٹ ڈالتے ہوئے بے قرار سا اٹھا تھا، ونڈو پر پڑے ہوئے کرٹن سے جھانکتی ہوئی رات کی ہولناک تاریکی اسے نظر آرہی تھی، اس کے پاس کرنے اور سوچنے کے لیے اب کچھ بھی نہ تھا، وہ کسی گہری سوچ میں چلتا ہوا جوں ہی ٹیبل کے قریب آیا اسے محسوس ہوا جیسے لیمپ جل رہا ہو، ڈائری کے صفحات اڑ رہے ہوں۔

''کیا ہوا؟ کیا آج کوئی نیا حادثہ ہو گیا جو تم ڈائری میں لکھ رہی ہو؟'' وہ اس کی ڈائری پر جھک کر دیکھنے لگا تھا۔

''اشمل پلیز!'' اوپر سر اٹھا کر اس کو دیکھ کر بولی۔

''بس یوں ہی جب سناٹا گہرا ہو جاتا ہے اور کرنے کو کچھ نہیں ہوتا تو ایسے میں، میں ڈائری کھول لیتی ہوں، کبھی کبھار لکھتی ہوں، پڑھتی زیادہ ہوں، یوں لگتا ہے سب گزرے ہوئے پل زندہ ہو کر ہمارے ارد گرد آکر بیٹھ گئے ہیں، کسی کی ڈائری میں تانک جھانک کرنا غیر اخلاقی حرکت ہے''۔ ہنس کر اس نے ڈائری بند کر دی تھی۔

''اکثر تمہاری ڈائری ٹیبل پر کھلی ہوئی پڑی ہوتی ہے، میں کبھی یہ غیر اخلاقی حرکت نہیں کرتا''۔ ہر چیز تو جوں کی توں پڑی تھی، کچھ بھی تو اپنی جگہ سے نہیں ہٹا تھا، موٹی سی بلیک کلر کی پرانی ڈائری جس میں وہ ہمیشہ لکھتی تھی کچھ نہ کچھ۔ اشمل اسے اٹھا کر بیڈ پر آ گیا تھا، یوں ہی ہر صفحے کو پلٹ رہا تھا، آخری صفحے پر اس کی نظریں جمی کی جمی رہ گئیں، گہرے سناٹے میں اس کو اپنی سانسوں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی، سیاہ رات کے بادلوں نے پھر ایک بار چاند کو گھیر لیا تھا، اس کی انگلیوں کا لمس ڈائری کے صفحات پر سرسرا رہا تھا، وجود انسانی کی طرح لفظ سانس لے رہے تھے، ڈائری کے سائیڈ پر لگے ہوئے پن سے اس نے لکھا تھا۔

''مجھے نہیں معلوم رومی! کہ یہ صفحہ تم پڑھ سکو گی یا نہیں، مگر میں یہ جانتا ہوں کہ میں لکھ رہا ہوں، تمہارے احساسات پڑھنے کے بعد''۔

''نہیں لنگدا وقت وچھوڑے دا
بن یار گزارا کون کرے
دنیا تو کنارا ہو سکدا اے
یاراں تو کنارا کون کرے
اک دن ہووے تے لنگ جاوے
بلھے ساری عمر گزارا کون کرے

☆.....☆.....☆

لائبہ پاکستان پہنچ چکی تھی اور اس کو ریسیو کرنے ولید حیدر اور حذیفہ گئے تھے، صبا بے حد پریشان تھیں کہ وہ ایک جھلک لائبہ کو دیکھ لیں لیکن انہیں لائبہ سے دور رکھا گیا تھا جب تک کہ لائبہ دوبارہ ہاسپٹلائز نہ ہو جائے وہ اس سے نہیں مل سکتیں، رات بڑی خاموشی سے ولید حیدر اور حذیفہ نے لائبہ کو ہاسپٹلائز کروا دیا تھا، ولید حیدر صبا سے شدید ناراض تھے، ان کے غصے کا ردعمل صرف یہ تھا کہ وہ خاموش ہو کر کمرہ چھوڑ گئے تھے، صبا رات بھر روتی رہیں تھیں، بار بار اتر کر گیٹ سے باہر جانا چاہتیں تو گارڈ انہیں باہر نہیں جانے دے رہا تھا اسے سختی سے ہدایت تھی کہ صبا اکیلے کہیں نہیں جائیں گی، وہ ڈیپریشن میں بس بولے جاتیں، رات بھر وہ نہ سو سکیں، صبح اٹھیں تو ولید ہاؤس میں چہل پہل محسوس ہوئی، تو وہ کمرے سے نکل کر باہر آ گئی تھیں، اماں کے کمرے میں بے دھڑک گھستی چلی آئیں۔

''اماں! آپ کی بددعائیں رنگ لائیں، آپ مجھے بددعا دیتی ہوں گی ناں، کس حال میں ہے میری بیٹی کہ مجھے ملنے بھی نہیں دیا جا رہا، اب آپ خوش ہیں؟'' ان کی آنکھیں سرخ انگارے کی طرح دہک رہی تھیں۔

''میں نے تمہیں کبھی بددعا نہیں دی، میرے اپنے بچے ہیں یہ سب''۔ وہ تسلی بھرے لہجے میں بولیں۔

''لیکن لائبہ تو آپ کی بچی نہیں، لائبہ کا خون تو آپ کا خون نہیں ہے، پھر کیوں آپ اس کے لیے دعا کریں گی، آپ تو اس کے مرنے کی دعا کر رہی ہیں ناں؟'' ان کے ہاتھ سے تسبیح چھوٹ کر گر گئی تھی۔

''یہی تو تمہاری بھول ہے صبا! جب ہم کسی کے لیے بددعا کرتے ہیں تو وہ بددعا پلٹ کر آتی ہے اور جب ہم دعا کرتے ہیں کسی کے لیے تو وہ دعا پلٹ کر ہمارے پاس آتی ہے، رحمت بن جاتی ہے، ہماری مشکلیں آسان ہوتی ہیں، شر اور خیر اللہ ہی کی طرف سے ہے، بس یہ نصیب کے جس کو ہدایت مل جائے، تم ہماری رومی کے لیے دعا کرو، کلثوم کہہ رہی تھی کہ وہ ٹھیک نہیں ہے''۔ یہ سن کر صبا جہاں کھڑی تھیں کھڑی رہ گئیں۔

''اچھا تو وہ بلا پھر واپس آ گئی؟'' وہ بہت حیرانگی سے اپنی ساس کو دیکھ رہی تھیں۔

''تم اس کے حق میں دعا کرو، لائبہ ٹھیک ہو جائے گی''۔

''آپ یہ کہنا چاہ رہی ہیں کہ اس منحوس لڑکی کی وجہ سے میری بیٹی بیمار ہوئی ہے، میں نے کوئی ظلم کیا ہے اس کے اوپر، اس گھر میں وہ رہے گی یا میں، کچھ بھی ہو جائے لائبہ زندہ رہے یا نہ رہے، فیصلہ ایک بار ہوتا ہے''۔ وہ غصے سے بولتی باہر نکل گئی تھیں۔

ولید حیدر کمرے کے باہر صبا سے نظریں چرائے رخ پھیرے کھڑے تھے، برہمی تھی یا دکھ تھا، بہر حال وہ سامنے نہیں آئے، البتہ حذیفہ آ کر صبا سے بولا تھا۔

''مام! چلیں، لائبہ سے ملنے کے لیے ڈاکٹرز نے اجازت دے دی ہے''۔

''ٹھیک ہے میں چلتی ہوں لیکن رومی اس گھر میں نہیں آئے گی یا وہ یا میں، یہ فیصلہ وقت کرے گا''۔ انہوں نے غصے سے پلٹ کر ولید کی جانب دیکھا تھا وہ نڈھال تھکے تھکے قدموں کے ساتھ حذیفہ کے ساتھ ہاسپٹل جانے کے لیے نکل گئی تھیں، تمام راستے حذیفہ انہیں لائبہ کو دیکھنے کے لیے ذہنی طور پر تیار کرتا رہا تھا۔

''مام! جب مریض ہاسپٹل میں ہوتے ہیں تو ڈاکٹرز اپنے حساب سے سب کچھ کرتے ہیں ویسے تو لائبہ ٹھیک ہے''۔ وہ رخ پھیر کر ان کی جانب دیکھ رہا تھا۔

''لائبہ سے تمہیں بہت ہمدردی ہو گئی ہے''۔ وہ بغور حذیفہ کو دیکھ رہی تھیں۔

''یہ انسانی فرض بھی ہے کہ ہم دوسرے کی مدد کریں، لائبہ آپ کی بیٹی ہے میری بہن لگتی ہے وہ''۔

''حذیفہ! جھوٹ مت بولو، یہ چال بازیاں مجھے پسند نہیں ہیں، کوئی کسی سے محبت نہیں کرتا، جو اشمل کے لیے میرے دل میں جگہ ہے وہ حذیفہ کے لیے تو نہیں ہے، پھر لائبہ کیسے تمہارے دل میں قابل احترام ہو سکتی ہے؟ یہ تو ایک حادثہ تھا جو اس کے ساتھ ہوا، تم ہنستے کھیلتے ہوئے گاڑی ڈرائیو کر رہے ہو، ابھی ابھی ایکسیڈنٹ ہوا اور تم مر جاؤ، لائبہ کا بھی یہی ہوا، مگر وہ بچ گئی''۔

''اللہ بچانے والا ہے، اس نے واقعی لائبہ کو زندہ رکھا ہے''۔ وہ بہت احترام سے بولا، صبا کو اس نے ہر چند لائبہ کے لیے ذہنی طور پر تیار کر لیا تھا پھر بھی لائبہ، لائبہ نہ تھی کار ایکسیڈنٹ نے اس کی شکل، حلیہ سب بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔

''نہیں نہیں، یہ لائبہ نہیں ہے یہ جھوٹ ہے، تم لوگ مجھے چیٹ کر رہے ہو، مجھے خوفزدہ کرنے کے لیے ڈرامہ کھیل رہے ہو، یہ لائبہ نہیں ہے''۔ صبا کی تیز آواز پر لائبہ نے آنکھیں کھول دی تھیں۔

''مام! میں آپ کی لائبہ ہی ہوں''۔

''لائبہ! میری جان...!'' وہ اس کی آواز پہچان کر تڑپ گئی تھیں۔

''ریلیکس مام!'' حذیفہ نے بڑھ کر انہیں تھام لیا تھا، وہ سسک سسک کر رو رہی تھیں، لائبہ کی بے بسی پر یا اپنی بد نصیبی پر، وہ کرسی پر سامنے بیٹھی لائبہ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھے سہلاتی رہیں اور جب انھیں تو صدیوں کی مسافت وہ عبور کر چکی تھیں، بوڑھوں کا انداز اور تھکے تھکے قدموں سے وہ ہاسپٹل سے باہر آئی تھیں۔

''مام! گھر آ گیا، اتریں''۔ حذیفہ نے اتر کر دروازہ کھول دیا تھا، انہوں نے نظر اٹھا کر ولید ہاؤس کو دیکھا، اونچا شاندار بالائی منزل کا تاج محل کے ڈیزائن سے مشابہ تیسری منزل کی بارہ دری نظر آ رہی تھی، جہاں نماز پڑھی جاتی تھی، دعائے خیر ہوتی۔

''یہ سب کیا ہوا حذیفہ! ٹوٹ پھوٹ گیا ولید ہاؤس تو کتنا ویران اور اجڑا ہوا لگ رہا ہے''۔

''مام! سب کچھ ویسا ہی ہے، آپ پریشان ہیں ناں تبھی آپ کو ایسا لگ رہا ہے، آپ اندر چلیں''۔ وہ ہاتھ پکڑ کر صبا کو اندر لے کر آیا تھا، وہ ذہنی طور پر لاسٹ ہو چکی تھیں۔

''میں نے بہت بڑے بڑے پلان بنائے تھے کسی کا کوئی پرابلم ہوتا تو لوگ مجھ سے مشورہ کرتے ہیں میں نے زندگی کے مسائل چٹکیوں پر حل کر دیے ہیں، کتنی آسانی سے میں نے اپنی زندگی اور اس گھر سے رومی کو نکال دیا، اماں کو بڑا غرور تھا اپنے رشتے داروں، اپنے بچوں کا، ایسا میں نے ان کا گھر اجاڑا ہے، ایشل برباد ہو گئی حذیفہ! ایسی لڑکیوں سے کوئی شادی نہیں کرتا، ارسلان برباد ہو گیا زویا چلی گئی، رومی کبھی واپس نہیں آئے گی۔ ارج میرے کہنے پر آئی ہے''۔ وہ سرگوشی کے انداز میں بولیں۔

''بھائی مبین کو تو تم جانتے ہو ناں، ہم نے ایک پلان بنایا اور رومی آؤٹ... آؤٹ... آؤٹ''۔ ولید حیدر سامنے سے آ رہے تھے۔

''میں نے سب کو آؤٹ کر دیا، اماں نے سعیدہ کو آؤٹ کیا تھا ناں اس گھر سے''۔

''نزدیک آؤ''۔ انہوں نے اشارے سے ولید حیدر کو بلایا اور بولیں۔

''پتہ ہے اماں نے جو الزام سعیدہ پر لگایا ہے وہی الزام میں نے رومی پر لگایا اور پلان کامیاب ہو گیا، تم کب آئے؟'' وہ ہذیانی انداز میں آہستہ آہستہ بول رہی تھیں۔

''حذیفہ! تم صبا کو لے کر اندر جاؤ''۔

''چلیں مام! چلیں ریلیکس، آپ بہت زیادہ ٹینس ہیں، میں ابھی ڈاکٹر کو کال کرتا ہوں، فائزہ آنٹی! آپ مام کا خیال رکھیں میں آتا ہوں''۔

ولید ہاؤس میں بہت گہرا اندھیرا تھا، سناٹا بڑھتا جا رہا تھا، ہر شخص اپنی اپنی دنیا میں بے حد پریشان کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کیا جائے، صبا کو میڈیسن دے کر سلا دیا گیا تھا، اسٹڈی روم کی لائٹ جل رہی تھی اس کا مطلب تھا ولید حیدر ابھی تک جاگ رہے تھے، حذیفہ ابھی تک ارسلان کے پاس سے واپس نہیں آیا تھا، اشمل لائبہ سے مل کر بے حد اداس اور دکھی ہو گیا تھا، مام کے کمرے میں آیا تو وہ بے خبر سو رہی تھیں، فائزہ دوا کا الارم لگا کر جا چکی تھیں، رات کی نرس صبا کے پاس موجود تھی، وہ ان کے روم سے پلٹ آیا، ایزل اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی، گھڑی پر نظر پڑی تو رات کے دس بج رہے تھے، اس نے جھک کر لان کی طرف دیکھا تو بہت گہرا سناٹا تھا، بارش برس کر تھم چکی تھی، بھیگے ہوئے پرندے پھڑ پھڑا رہے تھے، بڑے سے گیٹ کی لائٹس آن تھیں اور رات کی ڈیوٹی کے گارڈز تبدیل ہو کر آ گئے تھے، دور تک سناٹا بڑی خاموشی بھیگی ہوئی سڑکیں نظر آ رہی تھیں، ایزل بار بار تنگ کر رہی تھی، گارڈ نے جب گیٹ کھولا اسے دور سے نظر آیا تھا کہ ارج کسی کے ساتھ گاڑی میں آئی ہے، وہ اپنے کمرے میں پلٹ کر آیا اور چینج کر کے اس نے گرے شلوار قمیض پہن کر خود کو آئینے میں دیکھا اس کی گرے آنکھوں میں سرخ اور تھکن کے ڈورے تھے کمرے میں رومی کی یادیں تھیں۔ وہ سب کچھ چھوڑ کر اچانک گئی تھی، صبا بھی کچھ چینج نہ کر سکی تھیں وہ سب کچھ چھوڑ کر اچانک گئی تھی، کمرہ جوں کا توں پڑا تھا، صفائی ضرور ہوئی تھی مگر چیزوں کی ترتیب وہی تھی، زندگی سے ترتیب ٹوٹ جائے

تو سب کچھ بدل جاتا ہے۔ اپنے محور سے نکل کر انسان بچھڑ جاتا ہے۔ یادیں سمیٹ لیتی ہیں، مگر انسان بکھر جاتا ہے۔ بکھرا ہوا وجود کبھی یکجا نہیں ہوتا، جب تک اس کی روح اس کے دل سے ہمکنار نہ ہو جائے، اشمل کو آج اپنا وجود ٹوٹا ٹوٹا لگ رہا تھا، آج اسے محسوس ہو رہا تھا کہ رومی اس کی زندگی کا ایک حصہ ہے۔

''اور ارج...!'' اس نے پلٹ کر آئینے میں جھانکا۔

''وقت کی ضرورت''۔ وہ دبے قدموں سے چلتا ہوا ارج کے روم کی طرف آیا تھا، ڈور لاک تھا، ارج کہیں سیل پر بزی تھی، وہ جوں ہی ڈور کے پاس آیا کہ میں اس کو ڈسٹرب نہ کروں کہ رات کے سناٹے میں اسے صاف آواز آئی تھی۔

''ڈیڈ! جیسا آپ نے کہا، میں نے سب کچھ کر دیا، اب آپ کیا چاہتے ہیں مجھ سے، رومی جا چکی ہے یہاں سے، اس کا کوئی پتہ نہیں ہے، میں بالکل پلان کے مطابق چلی ہوں، پھپھو جانی نے اسے ایک کروڑ دے دیا، آپ صحیح کہتے تھے کہ وہ پیسے لے کر ایسی غائب ہوئی کہ پتہ ہی نہیں چلا کہ کہاں گئی اور ڈیڈ! ارسلان، ایشل سب پولیس کے چکر میں ہیں۔ بس بدنصیبی یا بیوقوفی کہہ لیں کہ زویا پکڑی گئی ہے، وہ پولیس کسٹڈی میں ہے، ابھی جرم ثابت نہیں ہوا، لیکن پھر بھی ڈیڈ! میں اشمل کو پریشرائز کر رہی ہوں کہ وہ مجھے چھوڑ دے، کیا مطلب ہے آپ کا کہ اگر وہ مجھے ڈائیورس نہیں کرے گا تو میں یہاں رہتی رہوں؟ چیٹ کرنے کی بھی حد ہوتی ہے، مجھے اب اس کھیل سے دور رکھیں، میں اشمل کو سب کچھ بتا دوں گی کہ آپ کیا چاہتے ہیں، اس میں بیوقوفی کی کیا بات ہے، اونسٹلی کہہ رہی ہوں کہ میری یہاں پر کوئی لائف نہیں ہے، وہ جانتا ہے ڈیڈ! وہ لوس میں جائے گا، نہیں چھوڑے گا تو کیا میں یہاں زندگی بھر بیٹھی رہوں گی، اس انتظار میں کہ وہ مجھے چھوڑ دے؟''

''نہیں تم واپس نہیں آؤ گی، جب تک وہ تمہیں ڈائیورس نہیں کرتا، تم اب اس کے ساتھ نہیں رہ سکتیں، بہتر یہی ہے کہ تم اس سے اپنا مطالبہ جاری رکھو اور جان چھڑاؤ''۔

''ڈیڈ! جو کچھ مجھے ملے گا اس میں 50 پرسنٹ میرا ہے، میں پورا آپ کو نہیں دے سکتی، یہ آپ ذہن میں رکھیے گا''۔ اشمل نے دروازے کو ناک کیا۔

''ڈیڈ! میرا خیال ہے اشمل آ گیا''۔ اس نے اپنا سیل آف کیا تھا، ہینڈل پر ہاتھ رکھتے ہی دروازہ کھل گیا پورا روم دھواں دھواں ہو رہا تھا، ایش ٹرے سگریٹ کی راکھ سے بھری پڑی تھی، اشمل نے جلدی سے بڑھ کر ونڈو کھول دی۔

''تم مجھے کال کر رہے ہو گے ناں، میرا نمبر بزی تھا ناں، میں جان سے بات کر رہی تھی''۔

''تمہاری زندگی میں جان کی بڑی ویلیو ہے؟'' اچھلتے ہوئے اشمل نے ارج کے سیل کو تھام لیا اور پھر سیل کے بٹن پش کر کے اسے سیل دکھاتے ہوئے بولا۔

''ارج! تم اتنی امپورٹنٹ کبھی نہیں تھیں کہ جان تم سے بات کرتا، یہ تو مبین ماموں کا سیل نمبر ہے''۔

''سو واٹ! میں نے یوں ہی تم سے مذاق کیا تھا تاکہ تم جان کے نام سے جیلس ہو جاؤ''۔

''جیلس بھی تب ہوا جاتا ہے جب محبت میں شدت یا بے قراری ہو اور ہمارے بیچ وہ شدت وہ بے قراری اب نہیں جس نے مجھے دیوانہ کیا تھا''۔ ہونٹ مسکرائے۔

''ظاہر ہے تم رومی کے دیوانے تھے، اب اس کے سوگ میں شیو بڑھائے گھوم رہے ہو''۔

''اس کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا''۔ اشمل نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''یو مین لائبہ کی وجہ سے؟'' وہ شوخ لہجے میں بولی۔

''ظاہر ہے وہ میری بہن ہے اور اذیت کی زندگی گزار رہی ہے، ہر طرف پریشانیاں ہیں''۔ اس کا لہجہ بہت تھکا تھکا تھا۔

''ٹھیک ہے ارج! میں جا رہا ہوں''۔ وہ مڑا تو وہ بولی۔

''یار! اکیلے پینے میں مزہ نہیں آتا، ایک دو ڈرنک تو ساتھ کر لو''۔ وہ پلٹ کر اس کے سامنے آ گئی۔

''تو حذیفہ اور پاپ گھر پر ہیں''۔ اشمل بڑے ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

''او مائی چائلڈ!'' ارج کو بہت تیز ہنسی آئی تھی، اشمل نے پلٹ کر ایک نظر ارج پر ڈالی اور باہر نکل گیا، ارج کو ایک جھٹکا سا لگا وہ سوچنے لگی۔

''اس کی باڈی لینگویج کچھ کہہ رہی تھی، وہ کوئی بات کرنا چاہ رہا تھا اوائیڈ کر گیا، ہو کیئرز''۔ اس نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لیا اور منہ سے دھواں نکالتے ہوئے بیڈ پر لیٹ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

زویا کی ماں رو دھو کر چلی گئی تھی، لیکن پولیس والوں کا آنا جانا، ایک نئی کہانی شروع ہو گئی، حذیفہ نے انہیں بھاری رقم دے کر منہ تو بند کروا دیا تھا مجرم بھی پکڑ لیے گئے تھے، لیکن بقول کلثوم کے ان کی بیٹی کے ماتھے پر جو بدنامی کا داغ لگ گیا تھا سو لگ گیا تھا، آج بھی وہ رومی سے ملنے کے لیے کلثوم کے گھر آیا تھا، ڈھائی تین کا پہر تھا، ایشل کی ابھی آنکھ لگی تھی کہ بیل ہوئی اور وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

''اس وقت ساڑھے تین کے پہر دن میں''۔ دل میں کھٹکا سا ہوا، اجنبی انداز تھا، کوئی آہستہ سے بجا کر چپ ہو گیا تھا، وہ اسکول سے تھکی ہوئی آ کر بغیر کھانا کھائے ہی سو گئی تھی، خوف سے اسے رات بھر نیند نہیں آئی تھی، دو ہفتے کے بعد آج وہ پہلی بار اسکول گئی تھی، ٹیچرز نے اسے گھیر لیا تھا، ہر طرف سے سوالوں کی بوچھاڑ تھی، بامشکل وہ اپنے جذبات کو کنٹرول میں رکھ سکی، کئی بار اس کی آنکھیں چھلک پڑیں مگر وہ ضبط کر گئی، اندر سے وہ بے حد اداس تھی اسی لیے سر درد کا بہانہ کر کے آتے ہی لیٹ گئی تھی، اچانک گھنٹی کا بج جانا اس کی آنکھ کھلی تو وہ گھبرا کر سوچنے لگی کہ اس وقت کون ہو سکتا ہے؟

''نہیں رومی! نہیں میں خود دیکھ لیتی ہوں''۔ اس نے جوں ہی دروازہ کھولا سامنے حذیفہ کھڑا تھا، اس نے گھبرا کر حذیفہ کو کھلی کھلی آنکھوں سے دیکھا، ایشل کے بکھرے ہوئے بال، سرخ آنکھیں، نیند سے جاگا ہوا چہرہ، اس کے اندرونی جذبات کی عکاسی کر رہا تھا۔

''اندر آیئے!'' اس نے جلدی سے حذیفہ کو راستہ دیا، حذیفہ کے دل میں ایک احساس محبت کی رمق جاگی، وہ خود نہ سمجھ سکا کہ یہ لمحہ کیا تھا اور کیوں ایشل اسے اتنی اچھی لگی، دکھی انسانوں پر وہ ہمیشہ مہربان رہا تھا، ایشل کا دکھ اس کی اپنی آنکھوں سے جھلک رہا تھا، رومی اسے دیکھ کر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

''آپ حذیفہ بھائی؟''

''کیوں آپ کو میرا یہاں آنا اچھا نہیں لگا یا حیرت ہوئی؟ اچھا نہیں لگا اس کے بارے میں تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا اور حیرت بھی نہ کرنا، کیوں کہ میں بچپن میں کئی بار دادی کے ساتھ یہاں آ چکا ہوں، مجھے دادی آج تک یاد ہیں، وہ بڑی لگتی تھیں اور میری دادی چھوٹی، اور میں اس بات کا آج تک یقین نہ کر سکا کیا یہ سچ ہے؟'' رومی اور ایشل اسے حیران حیران سی دیکھ رہی تھیں کہ سامنے بیٹھا شخص اپنوں جیسا لگ رہا تھا، ایشل جلدی سے چائے بنانے کے لیے اٹھی تھی، جب تک ایشل چائے لے کر آئی وہ نجانے کہاں کہاں کی باتیں رومی سے کرتا رہا، ایشل نے محسوس کیا کہ بظاہر وہ رومی سے

بات کر رہا ہے مگر دیکھ وہ اس کی طرف رہا تھا، وہ کافی دیر تک یوں ہی رومی سے ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا کچھ پولیس والوں کے بارے میں اس نے ڈسکس کیا انوسٹی گیشن ابھی تک جاری تھی، وہ دبے دبے لفظوں میں رومی سے مخاطب ہوا۔

''کوئی حرج بھی نہیں ہے کہ آپ اپنے بیان میں یہ کہہ دیں کہ مدد میں نے انسانی ہمدردی کے تحت کی تھی، مام! اس پوزیشن میں اب نہیں ہیں کہ انہیں کسی معاملے میں انوالو کیا جائے، میں جانتا ہوں غلطی مام کی ہے، آپ بے قصور ہیں، تو یہ بات اب آپ پر ڈیپنڈ ہے کہ آپ کیا بیان دیتی ہیں، آپ بااختیار ہیں فیصلہ کرنے میں، لیکن مام ایسا نہ کرتیں تو بھی آپ کو اختیار تھا کہ آپ ایشل کی مدد کرتیں کیونکہ ان کا اور ہمارا ایک رشتہ ہے''۔ یہ کہتے ہوئے اس نے ایشل کی جانب بہت غور سے دیکھا، نجانے اس جملے میں ایسا کیا تھا کہ ایشل نظریں جھکا گئی۔

''لائبہ پیرالائز ہو چکی ہے، وہ اپنے ہوش میں نہیں ہے، مام اس کی اس تکلیف کو برداشت نہ کر سکیں، ولید انڈسٹریز کا ایک نام ہے، پھر ہم لوگ بھی میڈیا سے نہیں بچ سکیں گے''۔ وہ جوں ہی رکا رومی جلدی سے بول پڑی تھی۔

''حذیفہ بھائی! یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن یہ راستہ مجھے مامی نے دکھایا ہے، مامی نے میری ہیلپ کی ہے، لیکن اشمل اس بات کو کبھی نہیں جان سکے گا''۔ وہ بول کر ان کی جانب دیکھ رہی تھی۔

''شر اور خیر دونوں اللہ کی ذات سے وابستہ ہیں، شر کی نہیں مین خیر کی دعا کروں گا کہ اللہ تمہیں سرخرو کرے تمام الزامات سے، آپ بھی اللہ سے دعا کیا کریں، مجھے امید ہے سب ٹھیک ہو جائے گا، پریشانیوں اور مصیبتوں کو بھول جانا چاہیے، ورنہ انسان کبھی خوش نہیں رہتا''۔ ایشل کو پھر یوں لگا کہ وہ اس کے لیے ہی بول رہا ہے، بظاہر وہ رومی سے مخاطب تھا۔

''حذیفہ بھائی! مجھے پولیس تھانے سے کوئی غرض نہیں ہے، میں نے جو کچھ کیا ایشل کے لیے کیا، اور اللہ نے اسے بچا لیا، آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں، آپ جیسا چاہیں گے میں بالکل ویسا کروں گی''۔ رومی بہت سوچ کر بولی تھی۔

''جہاں تک ہو سکے گا میں آپ کو ہی سپورٹ کروں گا، اور انشاء اللہ آپ جلد ہی اپنے گھر لوٹ کر جائیں گی''۔ حذیفہ بہت پراعتماد لہجے میں بولا تو وہ جلدی سے بول پڑی۔

''حذیفہ بھائی! پلیز ایسا مت سوچیں، میں اپنی کمٹمنٹ توڑ چکی ہوں، اشمل یہ بات جانتا ہے''۔ وہ نظریں جھکا کر بولی، تو وہ بغور اس کو دیکھتا ہوا بولا۔

''یہی تو بات ہے کہ اشمل اپنی نادانی میں بہت کچھ کھو چکا ہے، یہ ایک نقصان نہیں ہے کہ وہ تلافی کر سکے، بہرحال جو کچھ میں نے پاپ سے سیکھا ہے وہ میری تربیت کا حصہ ہے، آپ مطمئن رہیں میں سب کچھ دیکھ لوں گا''۔ حذیفہ جانے کے لیے کھڑا ہو گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

ولید ہاؤس میں ایک گہرا سناٹا تھا، ہر شخص اپنی دنیا میں گم، حذیفہ باجماعت نماز پڑھنے نکل جاتا، ولید حیدر زیادہ تر آفس سے آ کر اسٹڈی روم میں رہتے، لائبہ کو گھر شفٹ کر دیا گیا تھا، ایک نرس اس کی تیمارداری کے لیے رکھ دی گئی تھی، صبا بار بار لائبہ کو دیکھتی تھیں۔

''ایسا کیا ہو گیا لائبہ کو، یہ لائبہ اٹھتی نہیں ہے، بولتی نہیں ہے، اٹھو لائبہ! بولو مجھ سے''۔ وہ بار بار ہی سوال کرتی تھیں، آج بھی وہ بہت تیار ہو کر لائبہ کے روم میں آئی تھیں۔

''میری جان لائبہ! میں مسز حسیب کے ہاں رمی کھیلنے جا رہی ہوں، ان کا ابھی ابھی فون آیا ہے چلو آؤ، ہم تم پہلے لنچ کر لیں گے، چلو ٹھیک ہے میں جا رہی ہوں''۔ وہ بہت تیز زینے سے اتریں تو فائزہ نے انہیں تھام لیا تھا۔

''بھابی! آپ کہاں جا رہی ہیں اس طرح سے؟''

''ہم مسز حسیب کے ہاں جا رہے ہیں، پہلے لنچ پر، پھر رمی.... دیر سے گھر لوٹوں گی، اشمل اور لائبہ گھر پر ہیں، دونوں اسکول سے آئیں تو انہیں تم دیکھ لینا، میرے بغیر وہ اداس ہو جاتے ہیں، لائبہ تو بالکل ناراض ہو کر بیٹھ جائے گی''۔ ڈرائیور بھاگ کر گاڑی کا دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا۔

''بھابی! میری بات تو سنیں! مسز حسیب تو ملک سے باہر گئی ہوئی ہیں، آپ اندر چلیں''۔

''ارے ہاں...! اوہو.....! اپائنٹمنٹ نہیں ہے میرا، میں اپائنٹمنٹ کے بنا نکل رہی تھی آج''۔ فائزہ انہیں ہاتھ پکڑ کر واپس لے آئیں تھیں، ولید حیدر نے ایک نظر ڈالی اور گزر گئے، اماں شرمندہ شرمندہ سی اپنے کمرے میں تھیں، ولید حیدر ان سے ناراض لگ رہے تھے، ہر وقت ذہن پر سعیدہ کی تشہیر جھلکتی اور یہ ایک بازگشت سنائی دیتی۔

''تمہارے اور ابا جان کے بیچ کیا چل رہا ہے، سچ سچ بتاؤ مجھے؟'' سفید یونیفارم پہنے سعیدہ حیران حیران سی ولید حیدر سے پوچھ رہی تھی۔

''کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ میرے اور ماموں کے بیچ کیا چل رہا ہے، پتہ نہیں''۔ وہ حیران سی ولید کو دیکھ رہی تھی۔

''سعیدہ...!'' دوسری جانب سے ماں نے سعیدہ کو دیکھ لیا تھا تو آواز دی، وہ پلٹ کر ان کی جانب بڑھی۔

''جی امی!'' وہ گھبرائی ہوئی سی ولید کے پاس سے ہٹ گئی۔

اور صبح جب ولید آفس سے گھر آیا تو سعیدہ ان کی زندگی سے دور جا چکی تھی، اور پھر سب حیران رہ گئے کہ ایک ہفتے کے بعد ولید کا ان کے ننھیال میں نکاح ہو گیا، پورا خاندان سوچتا رہا کہ ایسا کیا ہوا کہ بی بی پھپھو راتوں رات سامان لے کر چلی گئیں اور سعیدہ ان کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے نکل گئی تھی، غربت کی زندگی میں جب وہ سعیدہ کو دیکھتے تو انہیں دکھ تو ہوتا مگر اس دکھ میں شرمندگی نہیں تھی اور آج سعیدہ سے وہ شرمندہ شرمندہ سے تھے۔

''اب اگر زندگی کے کسی موڑ پر وہ ملے گی تو میں کیسے فیس کروں گا؟ اسے تو ہماری بات کا مفہوم بھی معلوم نہیں تھا، بعد میں تو سمجھ آ گیا ہوگا، کیا سوچتی ہوگی میرے بارے میں، میری گھٹیا سوچ پر وہ ساری عمر دکھی رہے گی کہ میں نے سگے ماموں کے ساتھ اس پر بہتان لگایا اور آج ہر لحہ میں بھی تو رومی رومی کرتا رہتا ہوں، وہ تو اباجی کی بالکل سگی بھانجی تھی، یہ امی کی کیسی ہوس اور نفرت تھی اے میرے رب! یہ کیسا کھیل تھا جس میں، میں بھی شریک ہوا''۔ ان کی آنکھیں ندامت سے سرخ ہو رہی تھیں، وہ گہری سوچ میں بیٹھے تھے کہ حذیفہ پلٹ کر ان کے سامنے آیا۔

''پاپ! سوری میں اس وقت میٹنگ سے اٹھ کر آ گیا ہوں، میں جمعہ کی نماز نہیں چھوڑ سکتا، اشمل ہینڈل کر لے گا''۔

''حذیفہ! یہ بہت اہم میٹنگ تھی، جسے تم چھوڑ کر جا رہے ہو''۔ تو وہ ہنس کر ان کے بہت قریب آیا۔

''پاپ! حدیث ہے کہ جس شخص نے بلا عذر نماز جمعہ چھوڑی وہ ایسی کتاب میں منافق لکھ دیا جائے گا جس کا لکھا ہوا نہ مٹے گا اور نہ بدلے گا''۔

''او....!'' وہ کسی خیال سے چونک گئے۔

''تو چلو آج سے میں بھی تمہارے ساتھ باجماعت نماز شروع کر دیتا ہوں''۔

''گریٹ پاپ!'' حذیفہ خوشی سے ہنس پڑا تھا۔

☆.....☆.....☆

کون کیا سوچ رہا ہے کسی کو کسی کے دل کی تو خبر نہیں تھی، لیکن ولید حیدر ہر پل ہر لمحہ باخبر تھے، جتنا اشمل ان سے کترا تا حذیفہ اتنا ہی ان کے قریب تھا۔

''میں کسی صورت سے اشمل کو یہ اجازت نہیں دوں گا کہ ارج اس کی زندگی میں رہے، وہ گہری سوچ میں حذیفہ کو دیکھ کر بولے۔

''تم اسے چاہو تو جانے کی اجازت دے دو''۔

''لیکن پاپ! آپ دیکھ لیں، سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں ویسے ارج خود یہاں نہیں رہنا چاہتی وہ بہت عاجز ہے مجھ سے بھی کہہ رہی تھی کہ میری کچھ مجبوری ہے، بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں اشمل کی اس بیوقوفی نے ولید انڈسٹریز کو بہت بڑا لوس دیا ہے''۔

''جانتا ہوں، اسے ٹریپ کیا ہے مبین عباسی نے، اس میں کچھ غلطی میری بھی ہے، مجھے اتنا بڑا ٹرسٹ نہیں کرنا چاہیے تھا، لیکن صبا انصاف چاہتی تھی کہ تمام شیئرز میں اشمل اور حذیفہ برابر کے پارٹنر ہوں گے، یہ تو ہمارے گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اپنی بیٹی کو استعمال کریں گے، بہر حال ہم زیرو سے یہاں تک پہنچے ہیں، پتہ ہے حذیفہ کچھ بھی نہیں تھا ہمارے پاس جاب چھوڑ کر میں نے معمولی سی فیکٹری میں کام کیا، میں نے اپنا کاروبار بنگلہ دیش شفٹ کر دیا وہاں لیبر سستی تھی آہستہ آہستہ ولید انڈسٹری پھیلتی چلی گئی، کوئی بات نہیں میری حق اور حلال کی کمائی ہے، مبین عباسی ایک بار پھر مجھے چیٹ کر گیا، تم حذیفہ! اشمل کو اطمینان دلا دو کہ میں کچھ بھی نہیں جانتا اور سب کچھ تم ہینڈل کر لو گے وہ اپنے فیصلے میں بااختیار ہے، لیکن ہر حال میں رومی واپس آئے گی''۔ اس وقت بھی ان کا دل کرچی کرچی ہو رہا تھا، سعیدہ اور ان کے درمیان درد کا رشتہ تکلیف دے رہا تھا، دولت کیا وہ اپنے وجود کا ایک ہاتھ بھی کاٹ کر دے سکتے تھے۔

''ٹھیک ہے پاپ! آپ مطمئن رہیں، میں سب ہینڈل کر لوں گا، پھر مجھے اجازت دیں میں اشمل سے بات کر لوں''۔ اشمل اپنے بیڈ روم میں نہیں تھا، وہ دبے قدموں چلتا ہوا ٹیرس پر آیا تو اسے محسوس ہوا کہ وہ صبا کے کمرے میں موجود ہے۔

''مام! بولیں وہ جانا چاہتی ہے واپس؟''

''تو میں کیا کروں؟'' صبا بے بسی سے بولیں۔

''وہ جا رہی ہے، جانے دو، رومی بھی چلی گئی، میں یہی تو چاہتی تھی''۔ وہ بیزار کن لہجے میں بولیں۔

''مام! ہوش میں آئیں، آپ کو کیا ہوا ہے؟ مبین ماموں سے بات کریں''۔ لیکن صبا ہوش میں ہی نہیں تھیں کہ وہ جواب دے سکتیں، حذیفہ کو دیکھ کر اشمل فوراً ہی کھڑا ہو گیا اور باہر نکل آیا، اشمل کا پورا وجود خوف سے کانپ رہا تھا۔

''آر یو او کے اشمل؟'' حذیفہ نے اس کے سہمے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں''۔

''تم جو فیصلہ کرنا چاہتے ہو کر سکتے ہو، میں تمہارے ساتھ ہوں''۔

''نہیں حذیفہ میں پاپ کو فیس نہیں کر سکوں گا، میں ارج کے جاتے ہی خود بھی یہ گھر چھوڑ دوں گا''۔

''نہیں تم ایسا کچھ نہیں کرو گے، میں ہوں ناں تمہارے ساتھ''۔

''نہیں حذیفہ! میں اس قابل نہیں ہوں کہ تمہیں فیس کر سکوں، میری طبیعت کچھ ٹھیک ہے، میں اپنے روم میں جا رہا ہوں''۔ اشمل اس سے کترا کر اپنے روم میں چلا گیا، دیوار پر بڑا سا لگا ہوا پورٹریٹ جس میں رومی اور وہ دونوں بیٹھے

تھے، اسے یوں لگ رہا تھا رومی اس کا آ کر راستہ روک رہی ہے، اس سے فریاد کر رہی ہے۔

''تمہارے بغیر زندہ رہنا کتنا مشکل ہے، آج میری زندگی کی بہت مشکل اور طویل رات ہے، ہر چند کہ یہ سفر بہت دشوار ہے، لیکن مجھے فیصلہ تو کرنا ہے، حذیفہ نے مجھے اتنا حوصلہ تو دے دیا ہے کہ میں فیصلہ کر سکوں''۔ وہ بار بار آئینے کے سامنے اپنے بالوں میں کنگھا کیے جا رہا تھا، وہ غصے میں نہ صرف شدید ڈپریشن کا شکار تھا بلکہ اسی وقت کوئی فیصلہ کر دینا چاہتا تھا۔

☆☆☆

''زیادہ سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے، میں یہ گھر چھوڑ دوں گا، پاپ کے ڈر سے، میں جان تو نہیں دے سکتا''۔ اسے جھرجھری سی آ گئی، وہ فیصلہ کن انداز میں پلٹ کر نیچے آیا تھا۔ اس نے واچ پر نظر ڈالی، رات کا ایک بج رہا تھا، تھوڑی دیر پہلے ارج اپنے دوستوں کے ساتھ گھر لوٹی تھی، اشمل کو دیکھ کر وہ بول پڑی۔

''کیا ہوا؟ اب تک تم جاگ رہے ہو، ولید انکل کیا سو گئے؟'' وہ اسموکنگ کرتے ہوئے بولی، سارا دھواں اشمل کے فیس پر ڈالا۔

''شٹ اپ!'' کہہ کر اس نے اپنا رخ پھیر لیا تھا۔

''او مائی بے بی!'' اس نے جھک کر اشمل کو پیار کیا تھا۔

''دور ہٹو، تمہارے پاس سے شراب کی بدبو آ رہی ہے، تم نے بہت زیادہ ڈرنک کی ہے''۔ اس نے اس کو خود سے الگ کر دیا تو وہ ہنس کر بولی۔

''اتفاق ہے آج میں نے ڈرنک نہیں کیا، پھر بھی تمہیں اسمیل آ گئی، یو آر سک (You Are Sick) میں تو خود تمہیں اپنے قریب نہیں آنے دے رہی، تم کیا مجھے دھکے دے سکتے ہو''۔ اشمل نے خود اسے جھٹکے سے ہٹایا تھا۔

''محبت اور نفرت کے درمیان رہنا بہت مشکل ہے، تمہاری اصلیت یہ ہے کہ تم اپنی ضرورت کے لیے ہمارے پاس آتے ہو''۔ ارج غصے سے بولی۔

''میں سب کچھ جان چکا ہوں ارج! تمہیں کبھی مجھ سے محبت نہیں تھی، مبین عباسی جو میرا ماموں ہے اور تم نے جو مل کر ڈرامہ کھیلا ہے''۔

''اوہ.... واقعی میں اگر تم نے یہ بات ریلائز کر لی ہے تو فیصلہ کرو، دیٹس اٹ۔ دیر کس بات کی، پاپ کا خوف ہے یا مام کی اجازت نہیں ہے؟'' وہ ہنس کر اشمل کو دیکھ رہی تھی، تو وہ پلٹ کر بولا۔

''سب کچھ تم نے مٹا دیا ہے، تم جو چاہتی ہو میں ذہنی طور پر اس کے لیے تیار ہوں، میں تمہارے ساتھ ایک دن بھی نہیں رہنا چاہتا''۔ وہ استہزائیہ لہجے میں بولا۔

''اوہ.... آئی نو، میں جانتی ہوں، تم تو ایزل کے ساتھ بھی زندگی گزار سکتے ہو، میچورڈ ہو گئے ہو''۔

''شاید.... یہ لو یہ ڈائیورس کے پیپرز ہیں، میں نے سائن کر دیئے ہیں''۔ اس نے بے یقینی کی کیفیت میں اشمل کو دیکھا، اس نے جھپٹ کر ان پیپرز کو الٹ پلٹ کر دیکھا، یہ تو وہی پیپرز تھے جو مبین عباسی نے ای میل کے ذریعے امریکا سے بھیجے تھے اور اس کا پرنٹ آؤٹ نکال کر اس نے اشمل کے روم میں رکھ دیا تھا۔

''اوہ... اشمل! میں اب آزادی سے جی سکوں گی''۔ وہ ابھی تک پیپرز کو لیے پڑھے جا رہی تھی۔

''زندگی بہت پرسکون ہو جائے گی، تم دیکھنا تمہیں بھی زندگی جینے میں آسانیاں ہوں گی، جو بھی ہے اشمل! پھر بھی میں تم سے اونسٹلی ایک بات کہنا چاہتی ہوں، تم اس گھر میں رومی کو واپس لے آؤ، پھپھو جانی تو تمہارے بچے کو بھی مارنا

چاہتی تھیں، لیکن میں نے انہیں روک دیا تھا کیونکہ یہ الزام مجھ پر بھی آ سکتا تھا، میں تمہاری زندگی سے بالکل فیئر لی نکلنا چاہتی تھی، اشمل! جو کچھ بھی تم لوس کر رہے ہو وہ میرے ڈیڈ کا پلان تھا، وہ یہ بات جانتے تھے، لیکن اونسلی میں یہ نہیں جانتی تھی''۔ وہ پرسوچ نظروں سے اشمل کو دیکھ رہی تھی، اس کی شدید غصے کے عالم میں آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں۔

''زندگی تمہارے لیے بہت ساری آسائشیں لے کر آ جائے گی، سب کچھ جو میں نے تمہارے نام کیا تھا، زندگی کی ساری آسائشیں تم اس سے خرید سکتی ہو، لیکن کسی کا دل نہیں خرید سکتیں''۔ وہ جانے کے لیے مڑا تو وہ پلٹ کر بولی۔

''اسی لیے میرا مشورہ ہے کہ روی دل خریدنا جانتی ہے اشمل! اسے ڈھونڈ کر واپس لے آؤ''۔ تو اس کی جانب وہ ایک قدم پلٹ کر بولا۔

''میں کیا اسے ڈھونڈ سکوں گا، میں خود اپنی زندگی کھونے جا رہا ہوں''۔ وہ بہت پرسکون سے انداز میں اس کے روم سے نکل گیا تھا، وہ جہاں کھڑی تھی کھڑی رہ گئی۔

''اوہ مائی گاڈ!'' اشمل کے لفظوں کی بازگشت اس کے کانوں میں سنائی دے رہی تھی۔

''میں خود اپنی زندگی کھونے جا رہا ہوں''۔

''ایسا نہ ہو کہ وہ سوسائیڈ کر لے اور یہاں سے میں نہ جا سکوں، یہ کیا ہوا؟'' خوف سے اس کا چہرہ سفید پڑ گیا، اس نے پلٹ کر جلدی سے حذیفہ کو فون کیا تھا۔

''حذیفہ! اشمل مجھے ڈائیورس کر کے سوسائیڈ کرنے جا رہا ہے، پلیز حذیفہ! جلدی کچھ کرو''۔ اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں انفارم کیا تھا، تو حذیفہ بہت تیز اوپر سے نیچے دوڑا تھا، اشمل اس وقت ڈرائیور سے چابی لے کر گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔

''اشمل! میری بات سنو!'' وہ جھپٹ کر گاڑی میں بیٹھ گیا تھا، وہ شدید ڈپریشن کے عالم میں گاڑی کو ریورس کر کے بولا۔

''اشمل! تم ٹھیک نہیں کر رہے''۔ حذیفہ چیخ کر بولا۔

''حذیفہ! پلیز تم اتر جاؤ اس گاڑی سے، میں نہیں رہنا چاہتا، میں کسی کو فیس نہیں کر سکتا''۔

''اشمل! میری بات سنو!'' حذیفہ نے جھپٹ کر اس کی گردن پر اپنا ہاتھ حمائل کیا، گاڑی ایک جھٹکے سے گیٹ سے ٹکرائی تھی، دونوں گارڈز پلٹ کر آ گئے تھے۔

''منور! اس کو کھینچ کر باہر نکالو، یہ سوسائیڈ کرنے جا رہا ہے، چھوڑ نا مت''۔ اشمل کسی صورت سے حذیفہ کے قابو میں نہیں آ رہا تھا، حذیفہ نے اسے ایک پنچ مارا، اشمل اور حذیفہ دونوں آپس میں گتھم گتھا ہو گئے تھے، باقاعدہ اشمل فائٹ کر رہا تھا کہ مجھے چھوڑ دو۔

''I want to die'' وہ حذیفہ سے خود کو چھڑانے کے لیے جدوجہد کر رہا تھا۔

''میرا سر گھماتا ہے، جہنم کی آگ ہے، تم یہاں تو بچ جاؤ گے وہاں نہیں بچ سکو گے اشمل! قیامت تک تم گناہِ کبیرہ کی سزا کے مستحق رہو گے، زندگی اور موت اس کے ہاتھ میں ہے''۔ گارڈز اشمل کو پکڑے ہوئے تھے لیکن وہ غصے سے بے قابو ہو رہا تھا، ڈرائیور ولید حیدر کو اطلاع دینا چاہتا تھا مگر حذیفہ نے منع کر دیا۔

''پاپ کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں اس کو پکڑو، کنٹرول کرو، یہ اپنی جان دینے جا رہا ہے، یہ بزدل اور کمزور انسان ہے، اس کو قابو کرو، اگر تمہیں تشدد کرنا پڑے تو وہ بھی کرو، میں اس کی تمہیں اجازت دیتا ہوں، مگر اسے چھوڑ نا مت، ورنہ میں تمہیں سخت سزا دوں گا''۔ اشمل بے قابو ہو کر تھک کر زمین پر گر چکا تھا۔

''اٹھاؤ اسے اور روم تک لاؤ، مگر اس کی کوئی آواز سنائی نہ دے''۔ گارڈز اور ڈرائیور اسے اٹھا کر اوپر لا رہے تھے، حذیفہ اور اشمل دونوں زخمی حالت میں تھے۔

''جاؤ تم، اسے بیڈ پر ڈال کر اور باہر سے روم کو لاک کر دو، ڈسٹرب مت کرنا، 10 بجے تک میں سونا چاہتا ہوں''۔ اشمل نے تحاشہ اب حذیفہ کے سامنے روئے جا رہا تھا۔

''دیکھو! تم نے کتنی زور کا پنچ مارا ہے، ادھر دیکھو میری شکل دیکھو''۔ حذیفہ کے چہرے پر نیل پڑ گئے تھے، ہونٹوں کے کناروں سے خون بہہ رہا تھا، وہ ٹشو سے اپنا چہرہ پونچھ کر اشمل کے سامنے آیا تھا۔

''ویسے مجھے اتنی زیادہ تکلیف نہیں ہو رہی جتنی مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ آج میں نے تمہاری طبیعت ٹھکانے لگا دی، بچپن سے لے کر آج تک تم مجھے تنگ ہی کرتے آئے ہو، کاش! یہ میں نے پہلے کر لیا ہوتا تو آج تم قابو میں ہوتے''۔ حذیفہ نے اسے تھوڑا چھیڑنے اور ریلیکس کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن وہ ابھی تک روئے جا رہا تھا۔

''مجھے مر جانے دو حذیفہ! میں زندہ نہیں رہنا چاہتا اس ذلت کے ساتھ، میں ارج کو جان سے مار دوں گا''۔

''مت کرو یہ سب کچھ، پاپ کو سب خبر ہو گئی ہے''۔ تو وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔

''کیا.... پاپ سب جانتے ہیں؟''

''یس...!''

''پھر....؟'' وہ گھبرا گیا۔

''کیا کہتے ہیں پاپ؟'' وہ سب کچھ بھول کر حذیفہ کو دیکھ رہا تھا۔

''ہنس رہے تھے جیسا باپ ویسا ہی بیٹا، ایک بار مبین عباسی نے مجھے ٹریپ کیا اور دوسری بار میرا بیٹا ہو گیا، درگزر اس وقت بھی میں نے کر دیا تھا اور اشمل کو بھی کہہ دو کہ اسے معاف کر دے، میں ہر ایک کو معاف کر دیتا ہوں، جب غلطی خود کی ہو دوسروں کو الزام نہیں دیتے، خود کیوں انسان اتنا کمزور ہو کہ دوسرے اس سے فائدہ اٹھا لیں، اشمل سے کہو وہ سب بھول جائے، درگزر کرو''۔ اشمل جہاں کھڑا تھا کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔

''سچ حذیفہ؟'' وہ حیرانگی سے بولا تو وہ مسکرا کر بولا۔

''تم اپنی جان دینے جا رہے ہو، پاپ تو تم سے یہ بات ڈسکس بھی نہیں کریں گے''۔ وہ تو دھڑ سے بیڈ پر بیٹھ گیا۔

☆.....☆.....☆

دن کا پہر تھا ارسلان بڑا چپ چپ سا کلثوم کے بیڈروم میں آیا تو وہاں روی اور ایشل بیٹھی تھیں، سب اسے دیکھ کر چونک گئے، کیس انڈر پروسیس تھا، سمیر اور دانیال کو ریمانڈ پر بھیج دیا گیا تھا، زویا کو تفتیش کے بعد ضمانت پر رہا کر دیا گیا تھا، روی کا بیان بھی قلم بند ہوا تو حذیفہ کے کہنے پر اس نے یہی اقرار کیا تھا کہ وہ صاحب حیثیت تھی اس لیے اس نے ارسلان کی مدد کی، ولید انڈسٹریز کی شیئرز ہولڈر میں سے تھی، لیکن قانونی طور پر تو وہ پولیس والوں کو تو مطمئن کر چکی تھی مگر روی کا یوں خاموشی سے آنا اور پھر خاموشی سے سب کے درمیان سے نکل جانا اتنی معمولی بات نہ تھی، ارسلان کو دیکھ کر وہ چونک گئی اس سے کئی دنوں کے بعد اس کا سامنا ہوا تھا، ارسلان نے بھی سوالیہ نظروں سے اس کا جائزہ لیا تو وہ جلدی سے سمٹ کر نظریں جھکا گئی، ارسلان بے حد سوگوار اور چپ چپ تھا اور وہیں پر بیٹھی روی بھی خاموش تھی اسی لیے کلثوم نے اس خاموشی کو توڑ دیا۔

''ارسلان بیٹے! میں روی سے کہہ رہی ہوں کہ اسے ولید ہاؤس واپس چلے جانا چاہیے، لیکن یہ کہتی ہے کہ مجھے نہیں جانا، یہاں کون اس کی دیکھ بھال کرے گا؟'' وہ رکیں تو ارسلان روی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''ظاہر ہے امی! پیسوں کی کوئی قیمت تو چکانی ہے''۔ ارسلان کی ایک چبھتی ہوئی نظر رومی کے چہرے پر پڑی، تو وہ تلملا کر بولی۔

''تو آپ بھی یہ سمجھتے ہیں کہ سارا قصور میرا ہے؟ میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں اگر وہاں ہوتی تو پلان بنا کر صباحی مجھے نقصان پہنچاتیں، صاف لفظوں میں وہ میرے بچے کی مخالفت کر رہی تھیں، ہر قیمت پر وہ میرا نقصان کرتیں، مجھے ولید ہاؤس چھوڑنا تو تھا ہی، مجھے یہی راستہ سمجھ میں آیا''۔ وہ افسردہ افسردہ سی بول رہی تھی۔

''شکر کریں کہ امی کو کوئی راستہ نظر نہیں آیا''۔ ارسلان کے ہونٹوں پر ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ رینگ گئی تھی، ایشل بھی ہنس پڑی، رومی نے مسکرا کر سر جھکا لیا تو کلثوم بول پڑیں۔

''کیوں مجھے شرمندہ کرتے ہو ارسلان! بھول جاؤ جو کچھ ہوا سب''۔ کلثوم نے بہت غور سے رومی کو دیکھا۔

''انسان کا عمل اس کی بدنصیبی کا سبب بنتا ہے، رومی کو کھونے کے بعد میں نے اس کی قدر جانی کون اپنا ہے کون پرایا ہے، کوئی نہیں جان سکتا''۔ انہوں نے نظر اٹھا کر رومی کو دیکھا تو بے ساختہ رومی کے آنسو چھلک پڑے تھے۔

''ارے، ارے یہ کیا ہوا؟'' ایشل چونک پڑی تھی۔

''کس بات پہ رونا آ گیا؟'' ارسلان بولا۔

''ایشل! اشمل کو فون کرو، کہو کہ رومی تمہارے بغیر بہت اداس ہے''۔ اس نے مسکرا کر چھیڑا تو وہ آنسو پونچھ کر بولی۔

''جی نہیں، مجھے کہیں نہیں جانا، اگر آپ کو اتنی ہی تکلیف ہے تو میں گاؤں چلی جاتی ہوں''۔ بجھے بجھے لہجے میں بولی تو ارسلان بے بسی سے مسکرا پڑا، اور اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''تم نے تو ہمیں آزمائش سے بچا لیا، جو بھی تم نے کیا ہم لوگ مشکور ہیں تمہارے، احسان مند ہیں۔ ساتھ ہی مجھے اپنی آزادی کا بھی احساس ہے''۔ وہ بغور رومی کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔

''میں نے جو بھی کیا اپنے لیے کیا، اس میں احسان کی کوئی بات نہیں ہے، زندگی کو اب میں اپنے ڈھنگ سے جینا چاہتی ہوں''۔ ہنوز اس کی پلکیں جھکی ہوئی تھیں۔

''گویا تم اپنی زندگی دوسروں کے تابع گزار رہی تھیں؟'' ارسلان نے پھر اس کے چہرے کی طرف غور سے دیکھا تھا۔

''اس میں کوئی شک نہیں کہ میں جبر و گھٹن کے ساتھ ایک سال سے جی رہی ہوں، مجھے کبھی آسائش بھری زندگی نہیں چاہیے تھی، بس تھوڑا سا سکون اور عزت چاہیے تھی، وہ شاید ہمارے نصیب میں نہ تھی، ذلت اور دربدر کی ٹھوکروں سے میں تنگ آ گئی تھی، اگر تم کہو تو میں آج ہی یہ گھر چھوڑ دوں؟''

''شٹ اپ رومی! میرا مقصد یہ نہیں تھا، تم جو چاہو گی ہم وہی کریں گے، مگر پھر بھی ہماری کوئی ذمے داری ہے، تم اس حالت میں کہاں جاؤ گی، کیا کرو گی؟ یہ شاید تم بھول گئی ہو کہ تم سے ہی میرا رشتہ نہیں ہے بلکہ ولید انکل بھی ہمارے کچھ لگتے ہیں، حذیفہ نے سخت تاکید کی ہے کہ تم اس گھر سے نہیں جاؤ گی، یہ سن لو تم! اور میں ایسا ہی کروں گا، میں تھک گیا تھا، میں چھٹیوں پر ہوں''۔ اس نے پلٹ کر ایک نظر رومی پر ڈالی وہ بے سدھ سی بیٹھی تھی، بیٹھی رہ گئی، کوئی جواب، کوئی سوال نہیں تھا، زندگی تھک کر بیٹھ گئی تھی، تھکن کا بوجھ اتنا تھا کہ وہ دہلیز کے پار جانے کے ارادے سے بھی خود ہی کانپ اٹھی تھی۔

(جاری ہے.....)

☆.....☆.....☆

عائشہ الیاس

مکمل ناول

شرط محبت

مہران ہاؤس میں صبح سے ہی ہلچل نما ماحول بنا ہوا تھا کیونکہ شارق پورے چار سال بعد انگلینڈ سے واپس آ رہا تھا' جس طرح اکرام صاحب نے اپنے بیٹے کو واپس پاکستان بلایا تھا' شارق ان کا اکلوتا بیٹا تھا تین بہنوں کے بعد وہ ہوا

تھا' اس لئے گھر بھر کا لاڈلا بھی تھا' اکرام صاحب چاہتے تھے شارق ہی ان کا بزنس سنبھالے اور کچھ وہ تھوڑا اور بھی گئے تھے' جس طرح باہر مسلمانوں کا حال ہو رہا تھا ان کے دل میں ایک خوف سا بیٹھ گیا تھا' اور انہوں نے شارق کو اپنے پاس بلا لیا واپس' اکرام صاحب کے دو بھائی اور بھی تھے جو رہتے تو ایک ہی گھر میں تھے مگر الگ الگ پورشن میں شارق کی تینوں بہنیں اپنے بچوں کے ساتھ آئی تھیں' پروگرام تو سب کا یہ تھا کہ سب شارق کو ریسیو کرنے ایئر پورٹ جائیں گے مگر شارق نے صاف منع کر دیا تھا' کوئی لینے نہ آئے وہ خود آ جائے گا جس پر سب کا منہ تو اترا لیکن شارق کے آنے کی خوشی نے سب بھلا دیا۔

''صاحب چھوٹے صاحب آ گئے''۔ غفور جو اس گھر کا ملازم تھا اندر آ کر اس نے اطلاع دی' تو سب کے چہرے کھل اٹھے وہیں لائبہ کا دل بھی دھڑکنے لگا' لائبہ اکرام صاحب کے دوسرے نمبر کے بھائی کی بیٹی تھی۔

''السلام علیکم بابا''۔ شارق جیسے ہی لاؤنج میں داخل ہوا تو اس نے فوراً اسلام کیا' اکرام صاحب نے فوراً اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

''کیسا ہے میرا بیٹا.....؟'' اکرام صاحب نے شارق کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا تو شارق نے گردن ہاں میں ہلا دی' جیسے کہہ رہا ہو ٹھیک ہوں پھر نسیمہ بیگم بھی فوراً آگے بڑھیں اور بیٹے کو پیار دے کر ماتھا چوما۔

''کتنا کمزور ہو گیا ہے''۔ نسیمہ بیگم نے اپنے بیٹے کے جوان جہان وجود کو دیکھتے ہوئے افسردگی سے کہا۔

''کیا ہو گیا ہے امی! میں آپ کو کمزور لگ رہا ہوں''۔ شارق نے اپنی جسامت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور پھر ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔

''اور نہیں تو کیا''۔ نسیمہ بیگم بھی صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولیں' پھر تینوں بہنیں اپنے بھائی کے ساتھ باتوں میں لگ گئیں لاؤنج میں ایک دم پر رونق سا ماحول بن گیا تھا' اکرام صاحب اور نسیمہ بیگم دونوں ہی بڑے مطمئن سے ہو گئے۔

''ارے بھئی! یہ باتیں ہی چلتی رہیں گی کیا' کھانے کا کچھ پروگرام ہے بھی یا نہیں.....؟'' جب کافی دیر باتیں چلتی رہیں تو اکرام صاحب نے ہی کہا۔

''کیوں نہیں بھئی' میں ابھی لگواتی ہوں کھانا''۔ نسیمہ بیگم فوراً کھڑی ہوئیں' آج انہوں نے شارق کی آنے کی خوشی میں کافی اہتمام کیا تھا' ساتھ ہی انہوں نے اپنی دونوں دیورانیوں کو بھی کہا تھا کہ وہ کھانا ہمارے ساتھ ہی کھائیں' نسیمہ بیگم کی یہی عادت اچھی تھی وہ انصاف کے ساتھ چلتی تھیں' بڑی بھابی ہونے کا انہوں نے پورا حق ادا کیا' جبھی دونوں دیورانیاں ان کی عزت بھی کرتی تھیں' کھانا خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔

شارق سب کے لئے ہی بہت گفٹس لایا تھا' سب سے زیادہ ایکسائیٹمنٹ بچوں کو تھی' پھر بہنوں نے یہی پروگرام بنایا کہ آج وہ یہیں رکیں گی تو نسیمہ بیگم نے سوچا' پرسوں قرآن خوانی اور میلاد رکھ لیتے ہیں گھر میں برکت بھی ہو گی ساتھ ہی گیٹ ٹو گیدر بھی ہو جائے گا' پھر نسیمہ بیگم نے سب ہی اپنے ملنے ملانے والوں کو فون کر کے دعوت دے دی۔

☆

''زینب ذرا تم ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤ اور فہمیدہ کو قرآن خوانی کی دعوت دے آؤ''۔ زینب جو اپنے چار سالہ بیٹے کو کھانا کھلا رہی تھی نسیمہ بیگم کی بات سن کر چونکی۔

''بھئی امی! آپ فون کر کے کیوں نہیں کہہ دیتیں خالہ کو''۔ زینب نے منہ بسورا۔

''ارے..... تمہیں معلوم تو ہے' کتنے ٹیڑھے مزاج کی ہیں' کال کروں گی تو کبھی نہیں آئے گی''۔ نسیمہ بیگم نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے کہہ آتی ہوں''۔ گویا زینب کو ماننا پڑا۔

''اور ہاں سب کو کہنا خاص طور پر نوشین کو' ورنہ بے چاری یہ نہ سوچے نا خالی بہن کو کہہ دیا''۔ نوشین نسیمہ بیگم کی بہن کی نند تھی طلاق یافتہ اور ایک بیٹی تھی اس کی بہت ہی سیدھی اور اچھی تھی نسیمہ بیگم کو وہ بہت اچھی لگتی تھی۔

''اچھا ٹھیک ہے''۔ زینب نے حامی بھری۔

''شارق تم کہیں جا رہے ہو''۔ زینب پورچ میں آئی تو دیکھا' شارق گاڑی کی چابیاں گھماتا ہوا' فل تیاری کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ رہا تھا تو اس نے پوچھ لیا۔

''ہاں! ایک دوست کی طرف جا رہا ہوں کیوں آپ کیوں پوچھ رہی ہیں''۔ شارق نے کہا۔

''ارے خالہ کو قرآن خوانی کا کہنے جانا ہے' ڈرائیور بھی پتا نہیں کہاں چلا گیا ہے' میرے بھائی مجھے لے چلو' صرف دس منٹ کا کام ہے''۔ زینب نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

''صرف دس منٹ ہونے چاہئیں اس سے زیادہ نہیں''۔ شارق نے وارن کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں ہاں''۔ اور پھر وہ شارق کے ساتھ گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی۔

''تم نہیں آؤ گے اندر؟'' شارق نے جب گاڑی خالہ کے گھر کے آگے روکی تو زینب نے گاڑی سے اترتے ہوئے پوچھا شارق سے۔

''نہیں اگر اندر آ گیا آپ کے ساتھ' تو بہت دیر لگ جائے گی اور مجھے جانا بھی ہے اس لئے آپ جلدی سے ہو آئیں''۔ شارق نے صاف کہا۔ پھر زینب اندر چلی گئی' شارق نے ہلکی آواز میں میوزک آن کر دیا اور موبائل پر سرچنگ کرنے لگا۔

پانچ منٹ گزر گئے اب وہ بور ہونے لگا تھا' پھر شارق سامنے شیشے سے باہر دیکھنے لگا' کچھ چھوٹے بچے کھیلنے میں لگے ہوئے تھے' ایک سائیڈ پر سبزی والا کھڑا تھا جس کے ٹھیلے کو چار پانچ عورتوں نے گھیرے میں لیا ہوا تھا' پھر شارق کی نظر گلی کے موڑ سے داخل ہوتی ہوئی لڑکی پر پڑی' وائٹ کاٹن کی شلوار قمیص میں سر پر سلیقے سے دوپٹہ لیا ہوا تھا' کندھے پر ہینڈ بیگ ڈالا ہوا تھا اور ہاتھ میں ایک کتاب پکڑی ہوئی تھی' شارق نے پہلے تو سرسری نظر ڈالی لیکن چونکا تب جب وہ ٹھیلے کے آس پاس موجود عورتوں کے پاس کھڑی ہو گئی' کچھ دیر باتیں کرنے لگی اور خوب کھلکھلا کر ہنس رہی تھی' شاید کسی عورت نے کوئی پر لطف بات کہی تھی' ساتھ ہی اس نے ٹھیلے پر سے ایک گاجر اٹھا کر کھانا شروع کر دی' شارق کو وہ کچھ جانی پہچانی سی لگ رہی تھی' پھر وہ وہاں ٹھیلے سے ہٹ کر آگے بڑھی تو رستے میں کھیلتے ہوئے بچوں سے کچھ کہا اس نے اور پھر سب بچوں کے ہاتھ پر ایک ایک تالی ماری' کیوں ماری یہ شارق کو کچھ سمجھ نہ آیا لیکن پتا نہیں کیوں وہ اسے بڑا انہماک سے دیکھ رہا تھا' پھر شارق نے دیکھا وہ خالہ کے گھر کی طرف بڑھ گئی' ابھی وہ گیٹ پر ہی تھی کہ خالہ کے گھر کا گیٹ کھلا اور اندر سے زینب آپی نکلی' زینب آپی بھی بڑھ کر اس کے گلے لگ گئیں اور اسے کچھ کہتے ہوئے گاڑی میں آ کر بیٹھ گئیں' شارق نے گاڑی اسٹارٹ کر دی اور ایک نظر خالہ کے گھر کے دروازے پر ڈالی جو کہ اندر جا چکی تھی۔

''آپی یہ لڑکی کون تھی.....؟'' شارق نے لہجے کو معمولی بناتے ہوئے پوچھا۔

''کون حریزہ''۔ زینب آپی نے کہا۔

''حریزہ.....'' شارق زیر لب بولا اسے نام بھی جانا پہچانا لگا۔

''ارے نوشین آنٹی کی بیٹی ہے نا''۔ زینب آپی نے یاد دلایا' تو شارق کو فوراً یاد آیا۔

''تو یہ نوشین آنٹی کی بیٹی حریزہ ہے''۔ شارق کافی حیران ہوا کیونکہ چار سال پہلے جب اس نے دیکھا تھا بڑے سرسری انداز میں ملاقات ہوئی تھی اور تب کے مقابلے میں اب وہ کافی چینج ہو گئی تھی اس وقت وہ شاید 9th نائن یا پھر میٹرک میں تھی شارق نے سوچا۔

''کیوں تم کیوں پوچھ رہے ہو.....؟'' زینب آپی نے جانچتی ہوئی نظروں سے پوچھا۔

''ایسے ہی پوچھ رہا تھا کافی عرصے بعد دیکھا ہے نا تو اس لئے''۔ شارق نے وضاحت دی تو زینب آپی مسکرا کر خاموش ہو گئیں۔

''یہ بہنیں بھی ناں فوراً کنوارے بھائی پر شک شروع کر دیتی ہیں''۔ شارق زیر لب بڑبڑایا۔

''کیا کہا''۔ زینب آپی فوراً چونکی انہوں نے سن لیا تھا تو شارق ہنسنے لگا۔

☆

''حریزہ! آج تم یونیورسٹی مت جاؤ''۔ حریزہ جو صبح یونیورسٹی جانے کے لئے اپنے کپڑے الماری میں سے نکال کر چینج کرنے کے لئے جارہی تھی تب کمرے میں نوشین داخل ہوئیں تو حریزہ سے کہا۔

''کیوں.....؟'' حریزہ نے پوچھا۔

''تمہیں پتا تو ہے کل زینب آئی تھی قرآن خوانی کا کہنے' بھابی نے بھی کہا ہے سب نے جانا ہے لازمی''۔ نوشین نے سادہ لہجے میں کہا۔

''امی! آپ جانتی ہیں نا تو میں خاندان کی کسی تقریب میں نہیں جاتی ہوں اور نہ ہی کسی کے گھر''۔ حریزہ نے دو ٹوک کہا۔

''اور ویسے بھی یہ تو ہے بھی مامی کی بہن کے گھر تو پھر وہی جائیں''۔ حریزہ نے پھر کڑوے لہجے میں کہا۔

''کیا ہوگیا ہے حریزہ! ایسا تو مت بولو نسیمہ باجی بہت اچھی ہیں جب بھی مجھ سے ملتی ہیں بہت محبت اور اپنائیت سے ملتی ہیں اور زینب نے اتنی محبت سے کہا ہے آنے کو''۔ نوشین نے حریزہ کو ٹوکتے ہوئے کہا۔

''تو تم چل رہی ہو ناں؟'' نوشین نے اس بار بڑی امید سے پوچھا۔

''امی! بھئی..... میرا نہیں دل کرتا کہیں جانے کو''۔ حریزہ ہار کر بیڈ پر نوشین کے پاس بیٹھ گئی اور بڑے نروٹھے انداز میں کہا۔

''کیوں ایسا کہتی ہو تمہاری عمر کی لڑکیاں تو تتلی کی طرح اڑتی پھرتی ہیں خوش رہتی ہیں' پھر تم کیوں کرتی ہو ایسے''۔ نوشین نے بڑے پیار سے کہا۔

''کیا آپ کو لگتا ہے ہماری زندگی میں کچھ ایسا ہے جس پر ہم خوش ہوں''۔ حریزہ نے ٹوٹے لہجے میں کہا تو نوشین نظریں پھیر گئیں۔

''ایسا نہیں کہتے بیٹا! ہم پھر بھی اوروں سے بہت بہتر زندگی گزار رہے ہیں' خیر چھوڑو ان باتوں کو' تم آج مت جاؤ یونیورسٹی اگر کوئی شادی ہوتی تو میں تمہیں فورس نہیں کرتی' لیکن بیٹا یہ تو بابرکت محفل ہے یہاں پر جانے سے تو مت منع کرو''۔ نوشین پھر اپنے مدعے پر آئیں۔

''اچھا ٹھیک ہے چل پڑوں گی''۔ حریزہ کو بات ماننا ہی پڑی ویسے بھی وہ نوشین کی کوئی بات ٹال نہیں سکتی تھی۔

☆

مہران ہاؤس میں قرآن خوانی کا اہتمام بڑے سے لاؤنج میں کیا گیا تھا' سفید چاندنی کی چادریں بچھی تھیں کافی عورتیں قرآن پڑھ رہی تھیں' نسیمہ بیگم نوشین اور حریزہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں پھر حریزہ تو جھٹ سپارہ لے کر بیٹھ گئی' ویسے بھی اس کے پڑھنے کی اسپیڈ بہت تیز تھی وہ تو قرآن کو ایسے پڑھتی تھی جیسے کوئی ناول کی کتاب ہو' اب تو اسے کئی آیتوں کا زبانی ترجمہ یاد ہوگیا تھا' حریزہ نے جلدی تین سپارے بھی پڑھ لئے۔

''حریزہ تم تو سپارہ ختم کرچکی ہو زرا تھوڑی دیر شہروز کو پکڑلو اس لڑکے نے تو میری جان عذاب میں ڈال دی ہے ٹھیک سے پڑھنے بھی نہیں دیتا''۔ ناہید آپی جو ایک سالہ شہروز کو گود میں بٹھائے سپارہ پڑھ رہی تھیں اور وہ مسلسل انہیں پریشان کررہا تھا' ناہید آپی حریزہ کو نوٹ کررہی تھیں کہ وہ اتنی جلدی تین سپارے بھی پڑھ چکی ہے جبھی انہوں نے اس سے کہا تو اس نے بھی مسکراتے ہوئے گپلو سے شہروز کو گود میں اٹھالیا اور باہر گھر کے گارڈن میں لے آئی' آج موسم کافی اچھا ہورہا تھا' دھوپ بھی نہیں نکلی تھی اور ہوا بھی چل رہی تھی' حریزہ نے ایک نظر گارڈن پر ڈالی' تراشی ہوئی گھاس' خوبصورت پودے لگے ہوئے تھے اور ایک کونے میں پرندوں کا پنجرہ بھی تھا

اور ایک سائیڈ پر چھوٹے بچوں کے لئے جھولے لگائے گئے تھے پھر اسے خیال آیا نسیمہ آنٹی کی سب سے چھوٹی دیورانی کے تین چھوٹے بچے تھے انہی کے لئے لگایا گیا ہوگا' گارڈن اچھے خاصے وسیع پیمانے پر بنا ہوا تھا' حریزہ شہروز کو لے کر طوطوں کے پنجرے کے پاس آگئی' وہ طوطوں اور شہروز دونوں سے ہی باتیں کررہی تھی شہروز بڑا خوش ہورہا تھا۔ شارق کافی کا مگ لے کر ٹیرس پر آیا اور موسم دیکھ کر دل بڑا خوش ہوگیا پھر اس نے گرل پر بازو ٹکائے ہوئے تھے اور کافی کے سپ لے رہا تھا' شارق نے ایک نظر آسمان پر ڈالی صاف ستھرا آسمان چند پرندے اڑتے ہوئے نظر آئے پھر ادھر ادھر نظر دوڑائی تو نظر ایکدم نیچے گارڈن میں طوطوں کے پنجرے کے پاس رکی' جہاں حریزہ' شہروز کو لے کر کھڑی تھی لیکن شارق کو اس کا چہرہ نظر نہیں آیا کیونکہ اس کی پشت شارق کی طرف تھی' شارق کی نظریں تو اس وقت چمکیں جب وہ مڑی۔

''ارے یہ یہاں.....؟'' شارق نے دل میں سوچا پتا نہیں کیوں شارق کو وہ پہلی نظر میں ہی بڑی دلچسپ سی لگی' شارق دو منٹ تک اسے دیکھے گیا' حریزہ شہروز کو چھوٹی سیلائٹ سے ہلکے ہلکے سیلائٹ دلا رہی تھی وہ اسے شہروز کے ساتھ بڑی مگن لگی' حالانکہ بہت کم لڑکیاں چھوٹے بچوں کو سنبھالنے میں خوشی محسوس کرتی ہیں۔

''کیا خیال ہے شارق' اس سے بات نہ کی جائے؟'' شارق نے خود ہی سے سوال کیا تو دل نے ہاں کا ہی جواب دیا۔ شارق چھوٹی چچی کے پورشن کی طرف سے نیچے اترا اگر اپنی طرف سے جاتا تو نیچے لاؤنج سے جانا پڑتا' جہاں قرآن خوانی ہورہی تھی۔

''لگتا ہے بچے بہت پسند ہیں تمہیں''۔ حریزہ شارق کی آواز پر چونکی اور مڑی تو شارق کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''جی''۔ حریزہ نے کچھ حیران ہوتے ہوئے کہا۔ حریزہ نے پہچان تو لیا تھا وہ شارق ہے۔

''کیسی ہو تم.....؟'' شارق نے دوستانہ لہجے میں پوچھا۔

''ٹھیک! آپ کیسے ہیں.....؟'' حریزہ کو کچھ سمجھ نہ آیا تو اس نے بھی یہی سوال کرڈالا۔

''تمہارے سامنے ہوں جیسا بھی ہوں''۔ شارق نے بولڈ لہجے میں کہا' تو حریزہ کچھ کنفیوژ سی ہوگئی' حریزہ نے ایک نظر ڈالی شارق پر اور پھیکی مسکراہٹ مسکرادی' ہینڈسم تو پہلے بھی تھا اور اب تو اور ہوگیا تھا لیکن حریزہ نے کوئی خاص نوٹس نہیں لیا وہ کچھ حیران ہوئی کہ وہ یہاں آکر اتنے فری انداز میں بات کیوں کررہا تھا پھر حریزہ نے شہروز کو گود میں اٹھالیا تو شہروز اس کے گلے کے لاکٹ سے کھیلنے لگ گیا۔

''کیا کررہی ہو آج کل.....؟'' شارق نے ہی پھر گفتگو کا پہلو نکالا۔

''بی کام کررہی ہوں''۔ حریزہ نے مختصر جواب دیا۔ شارق نے دل میں سوچا اکیلے میں سب سے کیسے ہنستے مسکراتے بات کررہی تھی اور اب اس کے سامنے کیسے چپ سی کھڑی تھی۔

''گڈ''۔ شارق نے کہا۔

''اچھا میں چلتی ہوں''۔ حریزہ فوراً وہاں سے نکل آئی تو شارق ایک پل کو چپ ہی کھڑا رہ گیا اور حریزہ کے پنک لہراتے ہوئے آنچل کو دیکھتا رہا جب تک وہ اندر نہیں چلی گئی۔

''یو آر سو انٹرسٹنگ''۔ شارق نے زیرلب کہا۔ قرآن خوانی اور میلاد کی محفل بہت اچھے سے اپنے اختتام کو پہنچ گئی۔

☆

''تم واپس تو لوٹ آئے ہو لیکن میں آج بھی اکیلی ہوں' میری محبت آج بھی تمہاری منتظر ہے' میں آج بھی ہر لمحہ

تمہارے بارے میں سوچتی ہوں' لیکن نجانے کیوں تمہیں میری محبت دکھائی ہی نہیں دیتی' نا ہی تمہیں میری دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں جو صرف تمہارے لئے دھڑکتی ہیں کیوں.....؟ کیوں تمہیں محسوس نہیں ہوتا شارق' کیوں میرے جذبات تمہیں محسوس نہیں ہوتے' میں تمہیں آج بھی اتنا ہی چاہتی ہوں جتنا پہلے چاہتی تھی اور کب سے چاہتی ہوں' شاید اس کا علم تو مجھے بھی نہیں ہے' ہم لوگ ایک ہی چھت کے نیچے رہتے ہیں لیکن کتنے دور ہیں ایک دوسرے سے کیا میں اپنی محبت کو ہمیشہ اس دل میں دبا کر رکھوں گی' کیا تمہیں کبھی خبر نہیں ہوگی' نہیں نہیں.....شارق! میں تمہارے بغیر تو جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی''۔ لائبہ جو رات کے اس پہر جاگ کر ڈائری پر اپنے دل کی حالت بیان کر رہی تھی' وہ اس وقت شارق کے حصار میں کھوئی ہوئی تھی' لائبہ شارق کو بچپن سے ہی بہت پسند کرتی تھی لیکن اس بات کا اس نے شارق سے کبھی ذکر نہیں کیا تھا وہ تو بس جیسے کسی معجزے کے انتظار میں بیٹھی تھی کہ شاید کبھی ایسا معجزہ ہو جائے اور شارق کو اس سے محبت ہو جائے لیکن معجزے تو بہت کم ہوتے ہیں اور جن کے ساتھ ہوتے ہیں وہ تو بہت خوش نصیب ہوتے ہیں' پتا نہیں یہ خوش نصیبی اس کے نصیب میں تھی یا نہیں اس کا اسے اندازہ نہیں تھا۔

☆

شارق اپنے انگلینڈ کے دوستوں سے انٹرنیٹ پر باتیں کر رہا تھا' کافی دیر وہ ان سے خوش گپیوں میں مصروف رہا پھر خدا حافظ کہہ دیا اور کمپیوٹر آف کر کے دھڑام سے بیڈ پر آ کر اوندھا لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر لیں اور آنکھوں کے سامنے حریزہ کا چہرہ آ گیا' تو اس نے فوراً پٹ سے آنکھیں کھول لیں پھر کھڑا ہو کر کھڑکی کے پاس آ گیا' شارق نے کھڑکی کھولی تو تازہ ہوا کا جھونکا اندر داخل ہوا ساتھ ہی اس نے سگریٹ سلگا دی' وہ سگریٹ پیتے ہوئے چاند کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا' اسے ایک پل کو یاد آیا کہ اکثر کتابوں میں اس نے پڑھا تھا' جب یہ چاند اور بھی حسین لگنے لگے اور اسے بس دیکھ کر کسی کو سوچنے کا دل کرے اور راتیں اسے جاگنے پر مجبور کر دیں' کسی کے سوچنے کے لئے اور یہ دل کسی کے لئے خاص کر دھڑکنا شروع کر دے تو وہ محبت کے احساسات میں گھرنا شروع ہو جاتا ہے۔

''پر میں اس سے دو ملاقاتوں میں ہی کیسے محبت کر سکتا ہوں.....؟'' شارق نے سگریٹ پیتے ہوئے سوچا۔

''یہ تو بات مان لے شارق اس لڑکی نے تجھے بے چین کر کے رکھ دیا ہے''۔ شارق نے دل ہی دل میں کہا۔

''ٹھیک ہے' اگر جس دن اس بے چینی نے محبت کا کہہ دیا تو حریزہ تمہیں میرا ہونا ہی پڑے گا''۔ شارق نے خود ہی کو چیلنج کیا۔

☆

حریزہ دوپہر میں جب یونیورسٹی سے لوٹی تو اس نے دیکھا لاؤنج میں مامی ان کی دونوں بیٹیاں کافی ساری شاپنگ پھیلائے بیٹھی ہیں ساتھ تائی اماں اور امی بھی' اس نے ایک نظر سب پر ڈالی سلام کر کے سیدھی اپنے روم میں چلی گئی ابھی وہ دوپٹہ اتار ہی رہی تھی کہ نوشین اندر داخل ہوئیں پھر وہ بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

''سنبل کا رشتہ طے ہو گیا ہے اور اگلے مہینے شادی ہے''۔ نوشین نے نرم انداز میں بتایا۔ سنبل نوشین کے بھائی کی سب سے بڑی بیٹی تھی۔

''چلو اچھی بات ہے''۔ حریزہ نے الماری میں سے سوٹ نکالتے ہوئے سرسری انداز میں کہا۔

''بھائی جان نے دو ہزار روپے دیئے ہیں کہہ رہے تھے میں اور تم شادی کے جوڑے بنوالیں''۔ نوشین نے تھوڑے چور اور ڈرے لہجے میں کہا کیونکہ اسے اندازہ تھا جب حریزہ کو پتا چلے گا تو بہت ہنگامہ مچائے گی۔

''بولیں' کیوں لئے آپ نے ماموں کو لگتا ہے وہ مامی سے چھپ کر ہمیں یہ ٹکے ٹکے کے نوٹ دے کر اپنا احسان

مند بنالیں گے' تو یہ ناممکن ہے ہم آج تک ان پر بوجھ نہیں بنی ہیں اور نہ ہی بنے گے سمجھیں آپ اور پہلی فرصت میں جا کر آپ پیسے انہیں واپس کر دیں ورنہ میں خود دے کر آؤں گی''۔ حریزہ نے سخت غصے میں کہا۔

''اچھا آرام سے بولو' اگر کسی نے سن لیا تو خوامخواہ ہنگامہ ہو جائے گا''۔ نوشین نے ڈرے سہمے انداز میں کہا۔

''اگر کوئی سنتا ہے تو سنے مجھے بھی کوئی پرواہ نہیں ہے''۔ حریزہ بول کر کپڑے اٹھا کر واش روم میں گھس گئی' نوشین بے چاری تو بیچ میں اٹک کر رہ گئیں۔

نوشین کا ایک ہی اکلوتا بڑا بھائی تھا پھر نوشین کی اماں نے اپنے شوہر کی زندگی میں ہی بیٹے کی شادی کر دی کیونکہ نوشین ابھی تعلیم حاصل کر رہی تھی اور اس کی ابھی شادی کی عمر بھی نہیں ہوئی تھی' پھر بھائی کی شادی کے ایک سال بعد باپ کا سایہ ان لوگوں پر سے اٹھ گیا اس لئے نوشین اور اماں کی ذمے داری ان کے بھائی پر آ گئی جو نوشین کی بھابی کو قطعی برداشت نہیں ہوتا تھا اور وہ شوہر پر دباؤ دیئے جاتیں' اسی طرح ایک سال اور گزر گیا پھر بھائی کے ہاں بیٹی ہوئی سنبل' جس سے ان کی بھابی نے خوب فائدہ اٹھایا کہ اب تو ہم پر بچوں کی بھی ذمہ داری آ گئی ہے اس لئے اب جلد از جلد نوشین کی شادی کر دی جائے لیکن نوشین پڑھنا چاہتی تھی سدا کی مسکین اپنے حق کے لئے کچھ نہ بول پائی اور بھابی نے اپنی مرضی سے جو سمجھ آیا رشتہ اس کے ساتھ رخصت کر دیا' دلی طور پر اب وہ بڑی مطمئن ہو گئیں لیکن اصل امتحان تو اب شروع ہوا تھا جس سے ان کی شادی ہوئی اس میں برائیاں گننا محال کام تھا' کوئی کام کاج اسے آتا نہیں تھا' اس لئے کمانے سے بھی محروم البتہ باپ کا جنرل اسٹور تھا' جس سے گھر کا چولہا جل رہا تھا کتنی مار نوشین نے کھائی اس سے' اسے بھی نہیں معلوم تھا۔

پھر نوشین کی جھولی میں خدا نے حریزہ کو ڈال دیا لیکن اس کے شوہر کو بیٹی کی پیدائش نے بھی نہیں بدلا' تین سال اس نے اس شخص کے ساتھ کاٹ لئے پھر ایک دن اس کے شوہر نے غصے میں آ کر طلاق دے دی اور نوشین ہمیشہ کے لئے اپنی ماں کی دہلیز پر واپس آ گئی بیٹی کو لے کر' اس بات کا قصوروار بھی بھابی نے اسے ہی ٹھہرایا' لیکن نوشین نے ہمت نہ ہاری' اس نے اسکول میں جاب اور ٹیوشن کے بچوں کو پڑھا کر خرچ اٹھالیا آدھا خرچ وہ گھر میں دیتی تا کہ بھابی طعنہ نہ دیں اور آدھا جو بہت ہی ناقابل خرچ ہوتا وہ اپنے اور بیٹی کے لئے رکھ لیتی' حریزہ یہ سب دیکھتے ہی بڑی ہوئی جس سے وہ کچھ پتھر کی سی بن گئی تھی اب کافی خرچہ حریزہ نے اٹھالیا تھا وہ یونیورسٹی سے آنے کے بعد کچھ دیر آرام کرتی اور اپنے قریب کے گھروں میں ٹیوشنز پڑھاتی' گھر جا کر پڑھانے کے اسے اچھے خاصے پیسے مل جاتے تھے تب پھر اس نے نوشین کو اسکول میں جا کر پڑھانے سے منع کر دیا' ویسے بھی اب وہ جوان تھوڑی رہی تھیں' ایک عمر سے محنت کر رہی تھیں' اس لئے اب نوشین کے پاس گھر میں ہی بچے آ جاتے تھے پڑھنے نوشین کبھی بھی اپنے بھائی پر بوجھ نہ بنیں۔

☆

''ہیلو جناب کیا ہو رہا ہے.....؟'' شارق جو بابا کے لائبریری روم میں بیٹھا کسی کتاب کو پڑھنے میں مصروف تھا تو لائبہ کی آواز پر چونکا لائبہ نے چائے کا مگ اس کی طرف بڑھایا اور خود بھی وہیں چیئر پر بیٹھ گئی۔

''او تھینکس! تمہیں کیسے معلوم ہوا مجھے چائے کی طلب ہو رہی تھی''۔ شارق نے گرم گرم چائے کے مگ کو تھامتے ہوئے کہا۔

''بس کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں بتانا ضروری نہیں ہوتا وہ خود بخود پتا چل جاتی ہیں''۔ لائبہ نے بڑے گہرے انداز میں کہا تو شارق کچھ چونکا۔

''کیا مطلب.....؟'' شارق نے سپ لیتے ہوئے نہ سمجھے انداز میں کہا۔

''مطلب یہ کہ تمہیں چائے اور اسموکنگ کی ایسی عادت ہے جو کبھی چھٹ نہیں سکتی اس لئے میں نے سوچا تمہارے لئے چائے لے آؤں' جب اپنے لئے بھی بنا رہی ہوں اور یقیناً تم کبھی منع نہیں کرو گے''۔ لائبہ نے فوراً اپنے لہجے کو خوشگوار بنا کر کہا تو شارق مسکرا دیا۔

''تمہیں کتابوں سے آج بھی اتنی لگاوٹ ہے''۔ لائبہ نے شارق کی لائبریری میں موجودگی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں.....اور ویسے بھی یہ شوق تو ایسا ہوتا ہے ایک بار اس کا عادی بن جاؤ تو ہمیشہ کے لئے اس سے پیار ہو جاتا ہے' اور سب سے بڑی بات انسان کبھی بھی اپنے آپ کو تنہا محسوس نہیں کرتا''۔ شارق پرشوق لہجے میں بولا۔

''بائی داوے' تم بتاؤ تمہاری اسٹڈیز کہاں تک پہنچیں.....؟'' شارق نے پوچھا۔

''ابھی تو ماسٹرز کمپلیٹ کیا ہے آگے دیکھو کیا ہوتا ہے''۔ لائبہ نے سرسری کہا۔

''آگے کیا ہوگا آئی ایم شیور چچی تمہاری شادی کروا دیں گی''۔ شارق لائبہ سے دوستانہ انداز میں بات کر رہا تھا شارق کی بات پر لائبہ کو اپنے دل میں کچھ چبھتا ہوا محسوس ہوا۔

''جی نہیں' فی الحال شادی کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے''۔ لائبہ نے دوٹوک کہا۔

''کیوں پریشان کر رہی ہو لائبہ' چچی کو شادی کرو اور ہم سب کی جان چھوڑو''۔ شارق نے سنجیدگی ظاہر کی لیکن بول وہ شرارتی انداز میں رہا تھا۔

''تم سے تو ایسی ہی بات کی امید تھی''۔ لائبہ نے نروٹھے انداز میں کہا۔

''میں کوئی غلط تھوڑی بول رہا ہوں''۔ شارق نے پھر تنگ کیا۔

''اتنا ہی ہے نا تو خود کر لو شادی' میرے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں ہے''۔ لائبہ کو اب ایک منٹ بیٹھنا بھی مشکل لگا وہ بول کر کھڑی ہوگئی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''میری بات پر غور ضرور کرنا''۔ شارق نے پیچھے سے آواز لگاتے ہوئے کہا لیکن لائبہ نے بھی کچھ نہیں کہا اور باہر چلی گئی۔

☆

نسیمہ بیگم کی بہن نے سب کو شادی پر انوائٹ کیا اور سب کو ہی لازمی آنے کو کہا' مہندی کا فنکشن ہونا تھا آج نسیمہ بیگم کی سب سے چھوٹی دیورانی تو اپنی امی کے ہاں گئی ہوئی تھیں بچوں کے ساتھ' کیونکہ ان کی امی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی' اس لئے گھر میں سے نسیمہ بیگم' شارق' لائبہ اور دوسرے نمبر کی دیورانی ہی گئے نسیمہ بیگم کی بیٹیوں نے اپنے گھر سے ہی فنکشن اٹینڈ کرنا تھا' مہندی کا ارینجمنٹ گلی میں ہی کیا تھا' فنکشن گلی میں ہونے کے باوجود بہت اچھے سے سیٹ اپ کیا گیا تھا' نسیمہ بیگم تو جاتے ہی اپنے بہن کے ساتھ تیاریوں میں لگ گئیں' پھر نسیمہ بیگم کی بیٹیاں بھی آ گئیں تو شارق کو بھی کچھ تسلی ہوگئی' تھوڑی بہت بہنوں کے ساتھ گپ شپ لگ گئی لیکن بوریت اسے اس وقت ہونے لگی جب سب اٹھ کر پتا نہیں گھر میں اندر کیا کرنے چلے گئے پھر وہ موبائل کے ساتھ لگ گیا لیکن دماغ میں کچھ اور ہی چل رہا تھا اسے یاد آیا' حریزہ خالہ کے گھر میں ان کے ساتھ ہی تو رہتی ہے تو پھر وہ کہاں ہے.....؟ شارق سوچ رہا تھا پھر زینب آپی اسے اپنے سب سے چھوٹی بیٹی دعا کو اس کی گود میں ڈال گئیں ذرا دو منٹ سنبھالنا کہہ کر۔

''ایک تو بے چارے چھوٹے ماموں کا کام ہی یہی ہوتا ہے اپنی بڑی بہنوں کے بچوں کو سنبھالو''۔ شارق نے اسے چٹکی بجاتے ہوئے کھلاتے ہوئے دل میں سوچا' تب پھر اس کی نظر پاس سے گزرتی ہوئی حریزہ پر پڑی تب شاید وہ نظر ہٹانا بھول گیا۔

بیج کلر کے شیفون کے سوٹ میں لانگ شرٹ اور نیچے چوڑی دار پاجامہ تھا' بڑا سا دوپٹہ جس کے باڈر پر کام ہوا تھا' بڑے سلیقے سے اس نے اوڑھا ہوا تھا' بالوں میں فرنچ چٹیا کی ہوئی تھی جو اس پر کافی جچ رہی تھی جیولری کے نام پر اس نے کانوں میں موتیئے کے پھولوں کے بالے پہنے ہوئے تھے' آنکھوں میں لائنر کے علاوہ کچھ نہ لگایا تھا اور ہونٹوں پر لائٹ پنک لپ اسٹک لگائی ہوئی تھی' آج تو وہ کافی اٹریکٹیو لگ رہی تھی پھر وہ وہیں پر کچھ لوگوں سے ہنستے مسکراتے ملنے لگی۔

''ایک تو اس کے ملنے ملانے والے بہت ہیں''۔ شارق دل ہی دل میں بول رہا تھا۔

''اف' ابھی تو بڑا ٹائم ہے لڑکے والوں کو مہندی لانے میں''۔ لائبہ' شارق کے برابر میں آ کر بیٹھ کر بولی' تو وہ فوراً متوجہ ہوا ورنہ اس کی نظریں تو حریزہ پر ہی ٹکی ہوئی تھیں۔

''اچھا ہوا تم آ گئیں' یہ لو اسے سنبھالو مجھے ایک فون کال کرنی ہے''۔ شارق نے دعا کو لائبہ کی گود میں دیا اور اٹھ کر باہر کی طرف نکل گیا' اصل میں وہ اس فنکشن میں آیا ہی حریزہ کے لئے تھا' ورنہ اسے ویڈنگ فنکشن سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی اور وہ شکر ہے اسے نظر آ گئی' وہ سچ میں اپنے دل سے پوچھنا چاہتا تھا کہ یہ جو نئی قسم کی فیلنگز ہیں وہ سچ مچ ہیں یا پھر یہ بس ایسے ہی لیکن اب اسے اندازہ ہو رہا تھا سچ مچ کچھ بات ہے ورنہ کیوں وہ اسے دیکھ کر بے چین ہوا تھا۔ لڑکے والے مہندی لے آئے تھے اور اب اسٹیج پر رسم شروع ہوگئی تھی شارق جب باہر سے اندر آ رہا تھا تو سامنے ہی حریزہ نظر آئی جو شہروز کو پکڑ کر چل رہی تھی تب پتا نہیں کیسے اس کا پاؤں مووی بنانے والے کی تار میں الجھا اور وہ لڑکھڑا سی گئی' اس سے پہلے وہ گرتی شارق نے بڑھ کر اسے سنبھالا۔

''آر یو اوکے.....؟'' شارق نے فوراً پوچھا' شارق کو لگا اس کی آنکھیں نمکین سی ہو رہی تھیں۔

''ایک منٹ اسے مجھے پکڑائیں اور تم یہاں بیٹھو''۔ شارق نے فوراً شہروز کو پکڑا اور اسے چیئر پر بیٹھنے کو کہا' حریزہ کی چال میں لڑکھڑاہٹ نمودار ہوگئی تھی شاید موچ آ گئی تھی۔

''آر یو اوکے حریزہ.....؟'' شارق نے پھر پوچھا۔

''مجھے بہت درد ہو رہا ہے''۔ حریزہ نے تکلیف سے کہا' اتنے میں نوشین کی جب نظر پڑی حریزہ پر تو فوراً اس کی طرف آئیں۔

''کیا ہوا حریزہ.....؟'' نوشین نے فکر سے پوچھا۔

''آنٹی! شاید موچ آ گئی ہے''۔ شارق نے فوراً وضاحت دی۔

''کیا.....؟ پر کیسے.....؟'' وہ فوراً پریشان ہوگئیں پھر شارق نے ہی بتایا۔

''یہ سب ایسے موقع پر ہی ہونا تھا''۔ نوشین نے فکر سے کہا تو شارق چونکا لیکن اسے کچھ سمجھ نہ آئی۔

''حریزہ! ہمت کرو بیٹا! ادھر نانی کی پاس بیٹھ جاؤ''۔ نوشین نے پیار سے کہا۔

''نہیں امی! مجھ سے ایک قدم نہیں چلا جائے گا''۔ حریزہ نے صاف منع کیا۔

''آنٹی! آپ پریشان کیوں ہوتی ہیں یہیں پر بیٹھے رہنے دیں اسے''۔ شارق نے صاف کہا' لیکن وہ کچھ پریشان سی ہوگئیں۔

''اچھا چلو تم بیٹھو ذرا میں آتی ہوں''۔نوشین نے پھر افسردگی سے کہا اور مہمانوں کی طرف چلی گئیں' شارق پھر اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

''حریزہ! جتنا فیل کرو گی اتنا ہی درد محسوس ہوگا''۔شارق نے اس کی درد والی صورت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''درد ہو رہا ہے' تو فیل کر رہی ہوں''۔حریزہ نے بھی دوٹوک کہا۔

''اگر یہ فنکشن نہ ہوتا تو میں تمہیں ضرور ڈاکٹر کے پاس لے جاتا''۔شارق نے کہا۔

''نو تھینکس! اس کی ضرورت نہیں ہے ہو جائے گا ٹھیک''۔حریزہ نے اس کی مہربانی پر کہا۔

''کیا ہوا حریزہ! تم یہاں کیوں بیٹھی ہو.....؟'' لائبہ نے شارق اور حریزہ کو ساتھ بیٹھے دیکھا' تو وہ بھی وہاں چلی آئی اور شارق کی برابر والی چیئر پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''پاؤں میں موچ آ گئی ان کی اس لئے''۔شارق نے ہی بتایا۔

''او کیسے.....؟'' لائبہ نے افسوس سے پوچھا تو حریزہ نے بتایا۔

''یہ تو بہت ہی برا ہو گیا''۔لائبہ نے پھر افسوس سے کہا۔

''ایک تو یہ مہندی کے فنکشن کیسے بورنگ ہوتے ہیں رسمیں ہی نہیں ختم ہوتیں''۔لائبہ نے اداسی سے کہا۔

''پتا نہیں میں نے تو کبھی اٹینڈ ہی نہیں کئے اس لئے مجھے تو کوئی اندازہ نہیں''۔حریزہ نے صاف کہا تو وہ دونوں چونکے۔

''واقعی''۔لائبہ نے کہا۔

''ہاں''۔حریزہ نے بھی مختصر جواب دیا۔

''سیکھو لائبہ! کچھ اور ایک تم ہو ہر جگہ جانے کے لئے تیار''۔شارق نے لائبہ کو چھیڑا تو وہ منہ بنا گئی۔

مہندی کا فنکشن اسی طرح ختم ہو گیا مامی نے تو کوئی توجہ نہ دی' کہاں ہے حریزہ رسم کیوں نہیں کی انہیں ان باتوں کی پرواہ بھی کہاں تھی۔

بارات کا دن بھی آ پہنچا حریزہ خاموش نانی کے ساتھ بیٹھی تھی' تب شارق اس کے پاس آیا پتا نہیں حریزہ کو اب اسے دیکھ کر بے چینی ہو جاتی' اس نے سوچا بھی آج سے پہلے تو شارق کبھی اس سے اتنا فرینک نہیں ہوتا تھا' اسے یاد تھا جب پہلے وہ کبھی بھی اس سے ملا تو بڑے سرسری انداز میں ملتا تھا' اس کی تو نیچر خود بھی بہت ریزرو ٹائپ تھی اس لئے کبھی نوٹ ہی نہیں کیا کون اس سے بات کرتا ہے اور کون نہیں۔

''کیسا ہے اب پاؤں.....؟'' شارق نے چیئر پر بیٹھتے ہوئے پہلے نانی کو سلام کیا اور پھر حریزہ سے پوچھا۔

''ہوں.....اب کافی بہتر ہے''۔حریزہ نے مختصر کہا۔

''گڈ ورنہ اس دن تو تمہارے پاؤں کی تکلیف تمہارے چہرے پر صاف نمایاں تھی''۔شارق نے کہا تو حریزہ بس مسکرا دی۔

پھر کافی دیر اس کے پاس بیٹھا باتیں کرتا رہا' شادی خیریت سے ہو گئی مامی تو بڑی خوش اور مطمئن تھیں اور اب ان کا مقصد اپنی دوست کی بیٹی رامین کو رخصت کرنا تھا۔

☆

''لائبہ! بیٹا جلدی سے کپڑے چینج کر لو اور تیار ہو جاؤ''۔شاہین بیگم لائبہ کے پاس کمرے میں آئیں جو کسی کتاب پڑھنے میں مصروف تھی' شاہین بیگم کی بات پر چونکی۔

''کیوں امی.....؟'' لائبہ نے حیرانگی سے کہا۔

''بیٹا! کچھ لوگ آئے ہیں تمہیں دیکھنے ابھی بھابی ان کے پاس بیٹھی ہیں' جبھی تو میں تمہیں بولنے آئی ہوں جلدی کرو بیٹا''۔شاہین بیگم نے عجلت والے لہجے میں کہا تو لائبہ تو ہقا بقا رہ گئی۔

''کیا.....آپ نے مجھے پہلے تو نہیں بتایا تھا امی''۔لائبہ نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

''بیٹا! ماں باپ ہیں ہم تمہارے' کیا تمہارے لئے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے''۔شاہین بیگم نے لائبہ کے چونکنے والے انداز کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''امی! میرا یہ مطلب نہیں تھا''۔لائبہ نے فوراً وضاحت دی۔

''تو پھر کیوں اسے ریجیکٹ کر رہی ہو''۔شاہین بیگم نے کہا۔

''امی لیکن مجھے ابھی شادی نہیں کرنی''۔لائبہ نے صاف کہہ دیا۔

''کیوں.....؟ کیا وجہ ہے.....؟'' شاہین بیگم نے سختی سے کہا۔

''میں بتاتی ہوں امی آپی کیوں منع کر رہی ہیں''۔زویا کمرے میں داخل ہوئی اور کہا تو شاہین بیگم اور لائبہ دونوں چونکیں۔

''تمہیں کیسے معلوم.....؟'' شاہین بیگم نے زویا سے کہا۔

''بس مجھے معلوم ہے آپی تو آپ سے کبھی کہیں گی نہیں لیکن میں آپ کو بتاتی ہوں وہ کیوں انکار کر رہی ہیں''۔ زویا نے نڈر انداز میں کہا' جس پر لائبہ ایک پل کو چونکی کیا بتانے آئی تھی زویا' کیونکہ شارق کے بارے میں اس نے کبھی بھی اس سے کچھ شیئر نہیں کیا تھا۔

''ایسی کیا بات ہے.....؟'' شاہین بیگم کچھ حیران ہوئیں۔

''امی! آپی' شارق بھائی کو پسند کرتی ہیں اس لئے منع کر رہی ہیں''۔زویا فوراً مدعے پر آئی اور دوٹوک کہا' لائبہ اور شاہین بیگم دونوں پر ایک دھماکہ سا ہوا۔

''لائبہ! کیا کہہ رہی ہے یہ''۔شاہین بیگم نے لائبہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو فوراً چوری بن گئی تھی۔

''امی! یہ جھوٹ بول رہی ہے''۔لائبہ نے اٹکتے ہوئے کہا۔

''جھوٹ' آپ بول رہی ہیں آپی! کیوں چھپا رہی ہیں آپ' سچ سچ کیوں نہیں بتا دیتیں''۔زویا نے لائبہ کو ڈانٹا تو لائبہ گھور کر رہ گئی اسے حیرت ہوئی کہ اسے اس بات کا علم کیسے ہوا۔

''بکواس مت کرو زویا''۔لائبہ نے اسے ڈانٹا۔

''چپ کرو تم دونوں''۔شاہین بیگم نے دونوں کو ڈانٹا۔

''لائبہ! ادھر میرے پاس آ کر بیٹھو''۔شاہین بیگم نے تھوڑے نرم لہجے میں کہا تو لائبہ خاموشی سے ان کے پاس بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔

''مجھے نہیں معلوم تم دونوں میں سچا کون ہے' اور اگر یہ بات سچ بھی ہے تو میں تمہیں یہ بات واضح کر دوں کہ یہ سب ناممکن ہے' کیوں ناممکن ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنی مرضی کسی پر زبردستی نہیں تھوپ سکتے' اگر بھائی' شارق کے لئے تمہیں چاہتیں تو وہ مجھے بہت پہلے ہی کہہ دیتیں اور انہوں نے مجھ سے نہیں کہا تو مجھے کوئی افسوس نہیں ہے کیونکہ سب کی اپنی مرضی ہوتی ہے اور تمہارے لئے بہتری اسی میں ہے اگر تمہارے دل میں شارق کے لئے کوئی جذبات ہیں بھی تو اسے نکال دو اور جہاں ہم کہتے ہیں وہاں شادی کر لو''۔شاہین بیگم بول کر باہر چلی گئیں ان کی

باتوں نے لائبہ کا بہت دل دکھایا' کتنی آسانی سے وہ کہہ رہی تھیں کہ شارق کو دل سے نکال دو' یہ ناممکن تھا۔

''یہی ہوتا ہے آپی! آپ خاموش رہیں اور امی نے آپ پر اپنا فیصلہ تھوپ دیا''۔ زویا بھی اسے بول کر باہر نکل گئی کس اذیت سے وہ تیار ہوئی اور مہمانوں کے آگے گئی یہ وہی جانتی تھی۔

☆

''میں سوچ رہی ہوں شارق کے لئے لائبہ کا ہاتھ مانگ لوں' کیا خیال ہے آپ کا.....؟'' نسیمہ بیگم ہاتھوں پر لوشن لگاتے ہوئے بڑے پرسوچ انداز میں اکرام صاحب سے بولیں' جو آفس کی کسی فائل میں الجھے ہوئے تھے تب نسیمہ بیگم کی بات پر چونکے۔

''خیال تو اچھا ہے لیکن میں ایک بات واضح کر دوں آپ پہلے شارق سے اس کی مرضی پوچھ لیجئے گا پتا نہیں ہم اپنی مرضی سے اس کا رشتہ طے کر دیں اور وہ راضی ہو یا نہ ہو اس کی مرضی کہیں اور ہو اس سے بہتر ہے پہلے بیٹے سے پوچھ لیں''۔ اکرام صاحب نے کھلی سوچ سے مشورہ دیا تو نسیمہ بیگم بھی ایک پل کو سوچ میں پڑ گئیں۔

''کہہ تو یہ ٹھیک رہے ہیں مجھے پہلے شارق سے پوچھنا چاہئے''۔ نسیمہ بیگم نے دل ہی دل میں سوچا۔

شارق کمپیوٹر پر بیٹھا شادی کی پکچرز دیکھ رہا تھا جب ایکدم حریزہ کی پکچر سامنے آئی جو اس نے کھینچی تھی شارق تو ایک پل کو کھو سا گیا۔

مرجنڈا کلر کے لانگ شرٹ اور ٹراؤزر اور مرجنڈا اور سلور کا مینیشن کا دوپٹہ لیا ہوا تھا' سلکی اسٹریٹ بال جو کندھوں سے نیچے آ رہے تھے اور بڑے اچھے اسٹائل میں کٹے ہوئے تھے ہلکے پھلکے میک اپ میں وہ واقعی کوئی حسین لڑکی لگ رہی تھی' شارق نے محسوس کیا اس کے چہرے پر بہت خاموشی اور ویرانی سی تھی کیوں؟ یہ اسے سمجھ نہ آیا۔

''مجھے یقین نہیں آتا حریزہ' تم میرے دل پر حاوی بھی ہو سکتی ہو میں تمہیں اتنی شدت سے چاہنے لگوں گا' اس کا مجھے یقین نہیں آتا پر سچ یہی ہے میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں اور اب تمہیں اپنا بنا کر ہی رہوں گا اور سب سے پہلے تو تمہارے چہرے کی یہ خاموشی کو توڑوں گا تاکہ اس چہرے پر صرف اور صرف مسکراہٹ بجی رہے''۔ شارق اس کی تصویر سے باتیں کر رہا تھا پھر ایک پل کو خود ہی چونکا کہ اسے ہو کیا گیا ہے' شاید محبت ہوتی ہی ایسی ہے۔

☆

لائبہ کے رشتے کا انکار ہو گیا تھا جس پر اس نے کتنا ہی شکر ادا کیا' کتنی دعائیں مانگی تھیں اس نے کہ کسی طرح اس رشتے سے انکار ہو جائے لیکن کب تک امی تو پوری کوششوں میں لگ گئی تھیں کہ لائبہ کی کہیں بات بن جائے جس کا اس نے یہی حل نکالا کہ پاپا سے بات کرے گی اور کہہ دے گی کہ وہ آگے اور پڑھنا چاہتی ہے جس پر پاپا کبھی انکار نہیں کریں گے۔

☆

''شارق! مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے''۔ شارق جو لیپ ٹاپ پر کسی کام پر مصروف تھا تبھی نسیمہ بیگم کمرے میں آئیں اور بیڈ پر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ہاں بولیں امی''۔ شارق نے نسیمہ بیگم کو بنا دیکھتے ہوئے کہا۔

''شارق! تمہیں لائبہ کیسی لگتی ہے؟'' نسیمہ بیگم نے جانچتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اچھی ہے امی!'' شارق نے سرسری لہجے میں کہا وہ ابھی بھی لیپ ٹاپ پر ہی مصروف تھا۔

''اچھی..... کتنی اچھی.....؟'' نسیمہ بیگم نے پھر کہا۔

''کیا مطلب امی! جیسے سب لڑکیاں ہوتی ہیں ویسی ہی ہے''۔ شارق نے ابھی بھی کوئی توجہ نہ دی' اسے نہیں اندازہ تھا کہ نسیمہ بیگم اس سے کیا پوچھنا چاہتی ہیں۔

''شارق! میں چاہتی ہوں لائبہ ہماری بہو بن کر آ جائے''۔ نسیمہ بیگم نے اپنی خواہش ظاہر کی اب چونکنے کی باری شارق کی تھی۔

''کیا.....؟ کیا ہو گیا ہے امی آپ کو.....؟'' شارق نے فوراً نظریں لیپ ٹاپ پر سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

''بیٹا! کیا برائی ہے لائبہ میں' خوبصورت ہے' پڑھی لکھی ہے' گھر کی دیکھی بھالی ہے' تم خوش رہو گے اس کے ساتھ''۔ نسیمہ بیگم نے پیار سے سمجھایا۔

''امی پلیز! میں نے لائبہ کے بارے میں کبھی اس طرح نہیں سوچا اس لئے پلیز آپ بھی ایسا مت سوچیں''۔ شارق نے تھوڑا سختی سے کہا۔

''تو بیٹا! سوچنے میں کیا ہے اب سوچ لو تم''۔ نسیمہ بیگم نے ایک بار پھر سمجھایا انہیں کیا معلوم تھا ان کا بیٹا دل میں کسی اور کو بسائے بیٹھا ہے۔

''ایسا کبھی نہیں ہو سکتا امی!'' شارق نے دوٹوک کہہ دیا۔

''کیوں شارق! کیا وجہ ہے.....؟'' نسیمہ بیگم کو دکھ ہوا۔ کیا تھا اگر وہ لائبہ کے لئے مان جاتا۔

''کیونکہ امی! میں کسی اور کو پسند کرتا ہوں''۔ شارق نے کہہ ہی دیا نسیمہ بیگم کو یکدم مایوسی ہوئی انہیں یہی ڈر تھا نجانے باہر کی کیسی ہو گی' ایک ہی تو ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔

''کون ہے وہ.....؟'' نسیمہ بیگم نے تھوڑے ڈرے لہجے میں پوچھا۔

''آپ پہلے وعدہ کریں' آپ اس کے لئے مان جائیں گی''۔ نجانے شارق نے کس وہم کے تحت پوچھا۔

''ظاہر بات ہے تمہاری خوشی جس میں ہو گی اس میں ہماری بھی ہو گی''۔ نسیمہ بیگم نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

''امی! وہ..... حریزہ ہے''۔ شارق نے نسیمہ بیگم کو چونکا دیا۔

''کیا حریزہ.....؟ واقعی شارق!'' نسیمہ بیگم کی اداسی اڑن چھو ہو گئی' انہیں تو ویسے ہی نوشین بہت پسند تھیں حریزہ سے ان کی بہت کم ملاقات ہوئی تھی لیکن انہیں یقین تھا نوشین نے حریزہ کی تربیت اچھی کی ہو گی چلو لائبہ تو ان کی خواہش تھی لیکن بیٹے کی پسند بھی بری نہیں تھی۔

''ہاں امی! وہ حریزہ ہے''۔ شارق نے ماں کی خوشی کو بھانپ لیا تھا۔

''شکر ہے شارق ورنہ تو میں ڈر ہی گئی تھی نجانے کس کو تم نے پسند کر لیا ہو گا' میں کل ہی تمہارا رشتہ لے کر جاؤں گی نوشین کے پاس''۔ نسیمہ بیگم نے خوشی سے کہا۔

''ارے اتنی جلدی امی.....؟'' شارق کچھ حیران ہوا۔

''خوشی کے کاموں میں جلدی کیسی بس اب میں تمہاری ایک نہیں سنوں گی''۔ وہ کہہ کر فوراً کمرے سے باہر آ گئیں' شارق تو حق دق ہی رہ گیا تھا' اسے اتنی امید نہیں تھی کہ امی مان جائیں گی۔ اور واقعی میں نسیمہ بیگم نے چٹ منگنی اور پٹ بیاہ والا معاملہ کیا' نوشین تو نسیمہ بیگم کی بات سن کر ہی حیران رہ گئیں اور وہی دھچکا نسیمہ بیگم کی بہن کو لگا' ساتھ ہی اس نے شکوہ کر ڈالا' آپا تمہیں میری بیٹی نظر نہ آئی تو نسیمہ بیگم نے صاف وضاحت دے دی یہ سب انہوں

نے اپنے بیٹے کی مرضی سے کیا ورنہ ایسے تو لائبہ بھی تھی' البتہ نسیمہ بیگم کی بہن کو اندر تک آگ لگ گئی۔ نوشین نے کچھ دن کے لئے وقت مانگا ویسے تو نوشین کو یہ رشتہ بہت پسند آیا تھا ان کی تو بیٹی کے نصیب کھل گئے تھے لیکن پھر بھی ایک مرتبہ حریزہ سے پوچھنا چاہتی تھیں انہوں نے جب حریزہ سے پوچھا تو وہ ایک پل کو حیران ہوئی پہلے پہل تو اس نے منع کیا کہ ابھی اس کی تعلیم ادھوری ہے پھر نوشین نے ہی اسے پیار سے سمجھایا کہ قسمت بار بار دستک نہیں دیتی نجانے ان کی کتنی زندگی ہے اور بھائی' بھابی سے تو انہیں قطعی کوئی امید نہیں تھی' پھر ایک پل کو حریزہ نے واقعی غور کیا تو اسے کوئی برائی نظر نہ آئی اور آخر وہ کب تک محنت کرتی' اب تو وہ بھی جیسے تھکنے سی لگی تھی اس لئے حریزہ نے سب کچھ قسمت پر چھوڑ کر ہاں کہہ دی تو نوشین کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا اور اس نے نسیمہ بیگم کو ہاں کہہ دی' ان لوگوں کے گھر میں تو خوشی کی لہر دوڑ گئی' سب بہنیں بہت خوش تھیں' نسیمہ بیگم نے ایک مہینے کے اندر اندر شادی کی تاریخ مانگ لی اور جہیز کے لئے سختی سے منع کر دیا جس پر نوشین نے بہت زور دیا وہ اپنی خوشی سے دینا چاہتی ہیں لیکن نسیمہ بیگم نے ایک نہ سنی اور صاف منع کر دیا۔

☆

''آپی اب کیوں اداس اور خاموش ہوگئی ہیں جب میں نے کہا تھا تو کچھ نہ بولی تھیں''۔ لائبہ کھڑکی کے پاس کھڑی کسی سوچ میں گم تھی' تب زویا اس کے پاس آ کر بولی زویا نے چپکے سے لائبہ کی ڈائری پڑھ لی تھی اور تب وہ اس کے احساسات پڑھ کر حیران ہوئی تھی اور اسے فورس بھی کرتی تھی کہ وہ شارق بھائی سے اپنی محبت کا اقرار کر دے لیکن وہ اسے ہی ڈانٹ دیتی۔

''کس نے کہا تم سے میں اداس ہوں''۔ لائبہ نے لہجے کو نارمل بناتے ہوئے کہا۔

''یہ جو چہرہ ہے نا آپ کا اس پر صاف لکھا ہوا ہے''۔ زویا نے انگلی سے چہرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ تمہاری غلط فہمی ہے' ہاں میں شارق سے محبت کرتی ہوں لیکن میں اپنی محبت اس پر زبردستی نہیں تھوپ سکتی تھی''۔ لائبہ نے زویا کی بات کو جھٹلا کر صاف کہا۔

''کیوں آپی! اس میں حرج ہی کیا تھا''۔ زویا ابھی بھی اپنی بات پر قائم تھی۔

''یہ دستور ہے زویا' عورت آج بھی مرد سے اتنی کمزور ہے جتنی پہلے تھی اگر مرد کسی کو چاہتا ہے تو وہ اسے پانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتا ہے اور کہیں نہ کہیں وہ کامیاب بھی ہو جاتا ہے لیکن عورت اگر کسی کو چاہنے کی تمنا کرتی ہے تو یہ زمانہ اسے گناہ گار سمجھنے لگتا ہے تم نے اس دن امی کی بات سنی تھی نا''۔ لائبہ نے بہت ہی سادے الفاظوں میں اسے سمجھایا۔

''میں نہیں مانتی ان باتوں کو''۔ زویا نے صاف انکار کر دیا۔

''تم ابھی اس لمحے سے گزری نہیں ہونا اس لئے ایسا کہہ رہی ہو' خیر مجھے اب اس بارے میں نا ہی کوئی سوال پوچھنا ہے اور نہ ہی اب اس موضوع کو کبھی چھیڑنا ہے''۔ لائبہ نے صاف انداز میں کہہ دیا۔

''ٹھیک ہے' نہیں پوچھوں گی آپ سے اب کبھی اس بارے میں' جلتی رہیں اپنی اس محبت کی آگ میں''۔ زویا بول کر کمرے سے باہر نکل گئی اور وہ اسی طرح تھی جذباتی پھر لائبہ نے گہری سانس بھر کر کھڑکی کی چوکھٹ پر سر ٹکا دیا اور خالی سیاہ آسمان کو دیکھنے لگی اس کی زندگی میں بھی تو ایسی ہی سیاہی پھیل گئی تھی۔

☆

شارق کی شادی کی تیاریاں پورے زور و شور پر تھیں بہنوں نے تو اپنے سارے ارمان پورے کئے' اسی طرح شادی کا دن بھی آ پہنچا کسی کو وقت کی خبر ہی نہ ہوئی' ڈیپ مہرون شرارے میں حریزہ واقعی پری لگ رہی تھی' سب نے اسے بڑی رشک والی نگاہوں سے دیکھا۔ ایک پل تو شارق بھی کھو سا گیا تھا ماہر بیوٹیشن نے اس کے نقش کو ایسا سنوارا کے اس کے حسن کو چار چاند لگ گئے۔ لائبہ کے اندر ایک خاموشی سی اتر گئی تھی زویا تھوڑی تھوڑی دیر بعد اسے بڑی عجیب نظروں سے دیکھتی جو ہر رسم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھی' لائبہ کے دل کا حال تو صرف خدا ہی جانتا تھا۔

شارق جب روم میں داخل ہوا تو حریزہ ذرا سنبھل کر بیٹھ گئی اور دل کی رفتار جیسے خود بہ خود ہی اتھل پتھل ہوگئی' شارق دروازہ لاک کر کے اس کے پاس آ کر بیٹھا اور پانچ منٹ تک تو اسے دیکھتا رہا' حریزہ شارق کی نظروں سے کنفیوز سی ہو رہی تھی۔

''تم واقعی میری ہوگئی ہو حریزہ''۔ شارق نے حریزہ کا نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے خمار آلود لہجے میں کہا تو حریزہ ایک پل کو چونکی کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہا ہے شادی تو ہر کسی کی ہوتی ہے۔

''تمہیں معلوم ہے حریزہ! میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں''۔ شارق کے ان الفاظوں نے اسے چونکا دیا' محبت کیا ہوتی ہے اس کا تو حریزہ کو کبھی احساس ہی نہیں ہوا تھا اور زندگی نے کبھی ایسا وقت ہی نہیں دکھایا تھا' بچپن سے لے کر اب تک اس کی زندگی محنت و مشقت اور مامی کی نفرت سے کٹی تھی ہاں البتہ ایک ماں اس کی ایسی تھی جس کی بانہوں میں سر رکھ کر محبت کا احساس ہوتا تھا۔

''شاید مجھے محبت تو تم سے اسی دن ہوگئی تھی جب میں نے تمہیں پہلی بار غور سے دیکھا' تھوڑی نٹ کھٹ سی سب سے محبت سے ملنے والی بچوں کے ساتھ بچہ بن جانے والی حریزہ میرے دل پر اس طرح قابض ہو جائے گی شاید میں نے کبھی سوچا نہیں تھا ایسا''۔ حریزہ کو اس وقت شارق بہت مدہوش سا لگا جانے وہ کس دھن میں اس کے بارے میں یہ سب کہہ رہا تھا البتہ وہ خاموش ہو کر اس کے دل کی کیفیت سن رہی تھی جس کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

''تمہیں معلوم ہے کوئی ایسا وقت نہیں گزرتا تھا جب تم میرے خیالوں میں نہ آتیں تم بھلے مجھ سے دور تھیں لیکن میں تمہیں اتنا ہی اپنے پاس محسوس کرتا تھا''۔ حریزہ کو شارق کی بات سن کر لگا وہ کسی خیال کی دنیا میں ہے اور وہ اچانک سے ٹوٹ جائے گا لیکن وہ خیال میں نہیں سچ مچ حقیقت میں تھی وہ پھولوں کی سیج پر سچی میں شارق کے ساتھ بیٹھی تھی اور اس کی محبت کا انکشاف اسے حیران کر رہا تھا۔

''اچھا خیر چلو تمہیں اپنی محبت کے بارے میں بتانے کے لئے تو ابھی ساری زندگی ہے میں تمہیں پہلے تمہارا تحفہ دے دوں''۔ شارق ایک دم کسی خیال سے نکل کر سیدھا ہوا اور بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی دراز میں سے سرخ مخملی ڈبیہ نکالی' حریزہ خاموشی سے شارق کو دیکھ رہی تھی جو اسے آج سچ مچ بہت حسین لگ رہا تھا' پھر شارق نے ڈبیہ کھولی اور اس میں سے ایک ڈائمنڈ کا لاکٹ نکالا۔

''کیسا لگا تمہیں.....؟'' شارق نے پرشوق نگاہوں سے حریزہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو واقعی اس کی پسند سے متاثر ہو رہی تھی۔

''بہت خوبصورت ہے تھینک یو''۔ حریزہ نے تعریف کے ساتھ شکریہ بھی ادا کیا۔

''ارے ایسے کیسے تھینک یو پہلے میں تمہیں یہ پہناؤں گا اس کے بعد تمہارا شکریہ کہنے کا حق بنتا ہے''۔ شارق نے

شوخ لہجے میں کہا اور لاکٹ کو حریزہ کے گلے میں پہنانے لگا جب وہ لاکٹ کا لاک بند کر رہا تھا تب اس کی انگلیاں حریزہ کی گردن سے ٹکرائیں تو حریزہ کے جسم میں ایک کرنٹ سا چھو گیا' پہلی مرتبہ وہ کسی کی رفاقت میں اس طرح مدہوش سی ہوئی تھی۔

''ویسے تو تمہارے اتنے بھاری زیور میں میرا لاکٹ تو بالکل معمولی سا لگ رہا ہے مگر تم پر اچھا لگ رہا ہے''۔ شارق نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی۔

☆

حریزہ صبح شیشے کے آگے کھڑی تیار ہو رہی تھی لپ اسٹک کا فائنل ٹچ دے کر ایک نظر خود پر ڈالی' ریڈ اور نج کو مینیشن کا سوٹ اس کی رنگت پر خوب جچ رہا تھا' وہ ابھی بالوں میں برش کر ہی رہی تھی کہ شارق نے پیچھے سے اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کر دیئے۔

''بہت خوبصورت لگ رہی ہو''۔ شارق ابھی نہا کر آیا تھا' حریزہ کو تیار ہوتے ہوئے دیکھا تو اس کی طرف بڑھا' حریزہ کو اس کے وجود سے بھینی بھینی سی خوشبو آئی اور شارق کے الفاظ پر مسکرا دی۔

''اچھا! اب مجھے چھوڑیں' سب باہر ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے''۔ حریزہ نے اس کی گرفت سے فرار چاہی مگر اس نے مضبوطی سے حریزہ کو اور بھی قریب کر لیا۔

''ایسا نہیں ہو سکتا' آج کا دن ہم تنہا گزاریں' میں تمہیں دیکھتا رہوں' دیکھتا رہوں اور وقت یونہی گزر جائے''۔ شارق نے مدہوشی کے عالم میں کہا تو حریزہ کو ہنسی آ گئی اسے اندازہ تو ایک ہی رات میں ہو گیا تھا وہ اس کے لئے کتنا دیوانہ ہے۔

''جی نہیں' ایسا کبھی نہیں ہو سکتا اس سے پہلے کوئی ہمیں خود بلائے' ہمیں خود جانا چاہئے''۔ حریزہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بن گئی نا تم جیسی عام بیویاں ہوتی ہیں' شوہر بے چارہ محبت جتلانا چاہتا ہے اور بیگم صاحبہ ہیں کہ انہیں سب کی فکر ستائے رہتی ہے''۔ ابھی شارق نے کہا ہی تھا کہ کمرے کا دروازہ بج گیا۔

''دیکھا میں نے کہا تھا نا''۔ حریزہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو شارق کو اسے آزاد کرنا ہی پڑا' پھر حریزہ نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو زینب آپی کھڑی ہوئی تھیں حریزہ کو دیکھ کر مسکرا دیں۔

''بھئی میں تو تم لوگوں کو کبھی ڈسٹرب نہیں کرتی پر تمہارے میکے والے ناشتہ لے کر آ گئے ہیں''۔ زینب آپی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا! امی آئی ہیں''۔ حریزہ فوراً خوش ہو گئی اور فوراً باہر بڑھی۔

''تم بھی آ جاؤ''۔ زینب آپی نے کمرے میں جھانکتے ہوئے شارق کو کہا جو کنگا کرنے میں مصروف تھا۔

''آ رہا ہوں''۔ ساتھ شارق نے جواب دیا۔ حریزہ نوشین کے گلے لگی تو آنکھیں خود بہ خود نمکین سی ہو گئیں نوشین نے حریزہ کا ماتھا چوما اور ایک نظر بیٹی کے پر رونق چہرے کو دیکھا جہاں شکر ہے خوشی ہی خوشی نظر آئی' اتنے میں شارق بھی آ گیا' اس نے بھی آگے بڑھ کر نوشین کو سلام کیا تو نوشین نے اس کے سر پر پیار دیا' ولیمہ ایک دن چھوڑ کر ہوا اور اکرام صاحب نے اپنے بیٹے کا ولیمہ بہت ہی شاندار کیا' شارق اور حریزہ دونوں کی جوڑی کو سب نے سراہا' لائبہ ان دونوں کو خاموشی سے تکے جا رہی تھی اس نے اپنے چہرے پر کوئی تاثر قائم نہیں کیا تھا۔

☆

پھر شارق اور حریزہ ہنی مون کے لئے اسلام آباد گئے' ایک دن وہیں ہوٹل میں ریسٹ کیا اور پھر شارق نے کار رینٹ پر لے لی تھی جسے وہ خود ڈرائیو کر کے مری ایبٹ آباد کی طرف روانہ ہوئے' شارق راستے بھر حریزہ کو اپنی پر لطف باتوں سے چھیڑ رہا تھا' اور وہ کبھی مسکراتی اور کبھی وہ اسے خاموشی سے تکے جاتی۔ پھر ڈھابے نما ہوٹل پر گاڑی روکی' کتنا سکون تھا یہاں' ہر طرف ہریالی' ہوٹل کے باہر سامنے اونچی نیچی سڑک جا رہی تھی' اس ہوٹل نما ڈھابے کا کوئی دروازہ نہ تھا بس ایک چھوٹی سی جگہ تھی ٹین کی چادریں ڈال کر چھت بنائی گئی تھی اور میز کرسیاں سجا دی گئی تھیں۔ اس نے دیکھا جہاں ان کا ٹیبل تھا اس کے بیک پر لکڑی کی کھڑکی بنی ہوئی تھی وہ وہاں سے اٹھ کر کھڑکی کی طرف آئی تو باہر کا منظر جنت کا گوشہ معلوم ہوا اونچے اونچے پہاڑ سبز لہراتے درخت دھوپ کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔

''باجی آپ اندر جا کر دیکھ سکتے ہو''۔ وہ دیکھنے میں کھوئی ہوئی تھی جب کسی چھوٹے بچے کی آواز پر چونکی' ڈارک گرین شلوار قمیض میں ملبوس وہ آٹھ یا دس سال کا معلوم ہوتا تھا' گال اس کے سرخ ہو رہے تھے' شاید وہ یہیں کام کرتا تھا' حریزہ نے دل میں سوچا۔

''کیسے.....؟'' پھر حریزہ نے اسی سے پوچھا۔

''ہمارے ساتھ آؤ آپ.....'' وہ بچہ اسے تھوڑے فاصلے پر بنے دروازے کی طرف لے کر بڑھا' اور وہ بھی ساتھ چل پڑی پھر اس بچے نے دروازہ کھولا جہاں دو تین سیڑھیاں نیچے اترنے کے لئے بنی ہوئی تھیں اور پھر جیسے ہی وہ سیڑھیاں اتری تو ہری ہری گھاس نے استقبال کیا وہ ایک پہاڑ کی چوٹی تھی جو باقی پہاڑوں کے مقابلے میں کافی چھوٹی تھی' حریزہ کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس چوٹی پر کوئی ہرا کارپٹ بچھا دیا گیا ہو وہاں پر کچھ لوگ کھڑے تصویریں بھی کھنچوا رہے تھے' حریزہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھی وہ بچہ واپس اندر کی طرف بھاگ گیا تھا۔ شارق جب واپس آیا تو اس نے دیکھا حریزہ وہاں پر نہیں تھی پھر اسی بچے نے بتایا کہ باجی اس طرف ہیں' شارق بھی فوراً اس کی طرف بڑھا۔

''کیا دیکھ رہی ہو.....؟'' شارق نے اس خوبصورت وادی میں حریزہ کو کھوئے دیکھا تو پوچھا۔

''یہاں کتنا سکون ہے' کتنی خاموشی ہے' اور یہاں کتنی خوبصورتی ہے' ایسا لگتا ہے جیسے ہم جنت کے کسی گوشے میں آ کر کھڑے ہو گئے ہیں' کتنا اچھا ہے نا یہ منظر''۔ حریزہ نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا وہ بالکل یہاں پر آ کر کھو سی گئی تھی۔

''ہاں یہ تو ہے''۔ شارق نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا تو حریزہ کو ایکدم ناگوار سا گزرا۔

''یہ آپ اتنی سگریٹ کیوں پیتے ہیں.....؟'' حریزہ نے ناگواری سے کہا۔

''کیوں تمہیں اچھا نہیں لگتا''۔ شارق نے مسکراتے ہوئے سگریٹ پیتے ہوئے کہا۔

''نہیں بالکل بھی نہیں' مجھے ہمیشہ سے ہی اس کی اسمیل سے کچھ ہوتا ہے''۔ حریزہ نے صاف کہا۔

''تو پھر ٹھیک ہے آج سے سگریٹ پینا بند''۔ شارق نے ایک بڑے پتھر پر سگریٹ کو مسلا اور اچھال کر نیچے کھائی کی طرف پھینک دیا' حریزہ شارق کی اس حرکت پر حیران ہی رہ گئی اسے امید نہیں تھی کہ وہ اس کی بات اتنی آسانی سے مان جائے گا۔

''واقعی.....؟'' حریزہ نے کچھ حیرانی سے کہا۔

''کیوں.....؟ تمہیں مجھ پر یقین نہیں ہے.....؟'' شارق نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ کچھ

نروس سی ہوگئی۔

''نہیں ایسی بات نہیں ہے''۔حریزہ نے صفائی دی۔

''اچھا خیر چلو..... آؤ میں تمہاری تصویر کھینچوں کم از کم اس خوبصورت منظر کو قید تو کرلیں''۔شارق نے اپنی جیب سے کیمرے والا موبائل نکالا اور کہا۔

''نہیں میں اکیلے نہیں کھنچواؤں گی آپ بھی ساتھ آئیں''۔حریزہ نے مسکراتے ہوئے پیار سے کہا تو شارق بھی مسکرا دیا' اس نے پہلی بار تو اس سے فرمائش کی تھی ان دونوں نے کافی دیر وہاں ٹائم گزارا۔ پھر وہ لوگ ایبو کی طرف روانہ ہوگئے واپس آتے ہوئے انہیں رات ہوگئی اور مری کے ہی ہوٹل میں رکے' صبح ہوتے ہی وہ دونوں واپس اسلام آباد کی طرف روانہ ہوگئے' بیچ میں انہوں نے کئی جگہ شاپنگ کی' سب ہی کے لئے گفٹس لیے شارق نے اتنے دن کی رفاقت میں حریزہ کو سچ میں یقین دلا دیا کہ وہ اسے کتنا چاہتا ہے اور حریزہ بھی خود پر رشک کرتی کم تھا' وہ تو خود شارق کے حصار میں کھونے سی لگی تھی' زندگی اتنی خوبصورت بھی ہے وہ اس کا قطعی تصور نہیں کرسکتی تھی۔

☆

جس دن وہ دونوں کراچی واپس آئے تو شارق کی بہنیں بھی آئی ہوئی تھیں۔

''شکر ہے بھئی' تم دونوں آگئے تم دونوں کے بغیر تو گھر بالکل سونا سونا لگ رہا تھا''۔جب وہ لوگ سب لاؤنج میں موجود تھے تب ناہید آپی نے کہا۔

پھر حریزہ نے سب کو گفٹس نکال کر دیئے سوٹ' ہینڈ بیگ' شال' سویٹر' شوز اور نجانے کیا کیا' نسیمہ بیگم خوش تھیں کہ انہیں اتنی اچھی بہو ملی' گھر میں خوب ہلا گلا سا ہوگیا تھا' البتہ لائبہ ان سے ملنے نیچے نہیں آئی وہ اپنے اندر اتنا حوصلہ نہیں پا رہی تھی کہ یہ سب دیکھے۔

☆

''میں سوچ رہی ہوں' امی کی طرف ہو آؤں''۔شارق صبح آفس کے لئے تیار ہو رہا تھا تب حریزہ نے کہا۔

''ہاں تو ٹھیک ہے ہو آؤ' میں آفس جاتے ہوئے تمہیں چھوڑ دیتا ہوں اور واپسی پر لے لوں گا''۔شارق نے شیشے میں ٹائی کو سیٹ کرتے ہوئے کہا۔

''ایکچولی امی مجھے روکنے کا کہہ رہی تھیں' کل ان کی کال آئی تھی''۔حریزہ نے اصل بات بتائی تو شارق فوراً اس کی طرف بڑھا۔

''یہ رکنے کا چکر مت رکھو' ایسے جانا ہے تو ٹھیک ہے' میں لے جاؤں گا''۔شارق نے فوراً صاف کہہ دیا' تو حریزہ تو ایک ٹک دیکھے گئی۔

''کیا ہوگیا ہے شارق آپ کو.....؟ ایسے تو مت کہیں' میں شادی کے بعد ایک بھی مرتبہ نہیں رکنے گئی''۔حریزہ نے کہا۔

''تم نہیں سمجھ سکتیں اگر میں تمہیں ایک پل نہ دیکھوں تو قسم سے کچھ عجیب سا ہونے لگتا ہے''۔شارق' حریزہ کے پاس بیڈ پر بیٹھا' اسے کندھوں سے تھامتے ہوئے کہا' اسے ایک پل کو دل میں ہنسی سی آئی۔

''کیا ہوگیا ہے آپ کو.....؟ آپ تو بالکل بچوں کی طرح ری ایکٹ کررہے ہیں''۔حریزہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''صرف ایک دن کی بات ہے شارق! امی سچ مچ مجھے یاد کررہی ہیں''۔حریزہ نے سمجھاتے ہوئے کہا تو شارق کو اس کی بات ماننا پڑی' وہ کس طرح شارق نے رات کاٹی یہ وہی جانتا تھا' ساری رات حریزہ کو میسج کرکے تنگ کرتا رہا' حریزہ بھی اس کی تڑپ پر خوش ہو رہی تھی۔شارق حریزہ کو اگلے دن ہی آفس سے واپسی پر لیتا ہوا آیا' نوشین نے تو شارق کو بھی بہت روکنا چاہا' لیکن اس نے معذرت کرلی' شارق نے حریزہ کو پہلے ہی کہہ دیا تھا' آج وہ ڈنر باہر کریں گے اس لئے وہ تیار رہے' حریزہ نے ٹی پنک کلر کا سوٹ پہنا ہوا تھا اور ہلکی پھلکی تیاری سے وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔

''تمہیں بہت مزہ آتا ہے نا مجھے تنگ کرنے میں''۔وہ دونوں ریسٹورنٹ میں بیٹھے تھے جہاں کا ماحول اور بھی خوبصورت لگ رہا تھا بہت ہی اچھی لائٹنگ تھی اور جدید انداز میں بنا ریسٹورنٹ تھا' وہاں پر موجود لوگ اتنی خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے اور باتیں ایسے کررہے تھے جیسے وہاں پر کوئی موجود ہی نہ ہو' شارق نے جب مینو کارڈ پر نظر ڈالتے ہوئے حریزہ کو کہا تو وہ مسکرا دی۔

''شارق! آپ بھی تو بچوں کی طرح ری ایکٹ کرتے ہیں''۔حریزہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو میں اب تمہیں بچہ لگنے لگا ہوں''۔شارق نے نروٹھے انداز میں کہا۔

''میں نے یہ تو نہیں کہا' آپ میری بات کا غلط مطلب کیوں لے رہے ہیں''۔حریزہ نے وضاحت دی۔

''اچھا خیر' جانے دو آئندہ کے لئے میں تمہیں پہلے ہی بتا دوں' اس طرح رہنے کے لئے جانے کی ضرورت نہیں ہے''۔شارق نے اس کچھ ایسے کہا جیسے وارن کررہا ہو۔

''اوکے مائی باس! نہیں جاؤں گی رکنے''۔حریزہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو شارق بھی مسکرا دیا' حریزہ کو بہت اچھا لگتا' جب وہ اس کے لئے اتنا حساس ہوتا یہ خیال ہی اسے کسی اور دنیا میں لے جاتا کہ واقعی وہ اتنی خوش نصیب ہے' پھر کھانے کے دوران بھی وہ دونوں مسکراتے باتیں کرتے رہے۔

☆

آج شارق نے اسے اسپیشل کال کرکے کہا تھا وہ رات کے کھانے میں چائنیز بنائے' ویسے تو شارق نسیمہ بیگم کے ہاتھ کا کھانا بھی بہت پسند کرتا تھا' لیکن حریزہ کے ہاتھ کا بھی ذائقہ اسے بہت پسند آیا تھا' خاص طور پر اسے حریزہ کے ہاتھ کے چائنیز کھانے تو بہت ہی پسند آئے تھے' حریزہ کچن میں چائنیز بنا رہی تھی جب کچن میں لائبہ ہاتھ میں باؤل تھامے داخل ہوئی۔

''ارے لائبہ! تم آج کیسے آگئیں''۔حریزہ نے مڑ کر دیکھا لائبہ کو اور کہا۔

''بس ایسے ہی اچھا یہ سالن لے لو''۔لائبہ نے نارمل انداز میں کہا اور پیالا حریزہ کی طرف بڑھا دیا جسے حریزہ نے فوراً مسکراتے ہوئے تھام لیا۔

''بیٹھو نا لائبہ کھڑی کیوں ہو.....؟''حریزہ نے لائبہ کو کہا تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کچن میں موجود چھوٹی ڈائننگ ٹیبل کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گئی' پھر حریزہ بھی وہیں پر بیٹھ گئی اور سبزیوں کی کٹنگ کرنے لگی۔

''لگتا ہے چائنیز بنا رہی ہو''۔لائبہ نے سبزیوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں شارق نے آج اسپیشلی فرمائش کی ہے''۔حریزہ نے مصروف انداز میں مسکراتے ہوئے کہا تو لائبہ ایک پل کو خاموش ہوگئی۔

''جب سے شارق نے میرے ہاتھ کے چائنیز کھائے ہیں بس تب سے ہر نئے روز اسی کی فرمائش کرتے ہیں''۔

حریزہ نے خوشی سے بتاتے ہوئے کہا اور لائبہ بنا تاثر کے سن رہی تھی۔

''ہاں..... شارق کی یہ بات تو ہے جو چیز اسے پسند آجائے تو وہ اس کا اتنی آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑتا''۔ لائبہ نے بے اختیار کہا تو حریزہ ایک پل کو چونکی۔

''بہت اچھے سے جانتی ہو شارق کو''۔ حریزہ نے نارمل کہا۔

''ہاں! شاید''۔ لائبہ نے بس اتنا کہا۔

''اب تم یہیں سے اندازہ لگالو شارق کو چائے اور اسموکنگ کی ایسی گندی عادت ہے لیکن دیکھو وہ چھوڑتا ہی نہیں ہے''۔ لائبہ نے بات کو فوراً بدلا اور کہا۔

''لیکن شارق نے اسموکنگ تو چھوڑ دی''۔ حریزہ نے لائبہ کو چونکا دیا۔

''واقعی.....؟'' لائبہ نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

''پر کب.....؟ کیسے.....؟'' لائبہ نے فوراً پوچھا۔

''میں نے شارق سے کہا تھا' مجھے اسموکنگ کرنے والے لوگ قطعی اچھے نہیں لگتے' حیرت کی بات ہے شارق نے میری بات مان لی اور سچ میں اسموکنگ چھوڑ دی حالانکہ مجھے امید نہیں تھی''۔ حریزہ نے بڑے نارمل انداز میں کہا اور لائبہ کو حیرت کا جھٹکا لگا' اسے ایکدم خیال آیا' کہ وہ بھی اکثر اسے اسموکنگ کرنے سے منع کرتی تھی' لیکن شارق نے کبھی اس کی نہیں سنی اور حریزہ کے ذرا سے کہنے پر اس نے چھوڑ دی' لائبہ کو پتا نہیں کیوں حریزہ سے جلن سی محسوس ہونے لگی حالانکہ وہ ایسی تھی نہیں' وہ یہاں سے جانا چاہتی تھی لیکن اسی پل شارق کچن میں داخل ہوا وہ آفس سے آیا تھا' جبھی وہ کوٹ پینٹ میں تھا۔

''ارے لائبہ! تم کب آئیں لندن سے.....؟'' شارق نے جب کچن میں موجود لائبہ کو دیکھا تو اسے مذاق سے چھیڑا' لیکن لائبہ خاموش رہی' اسی پل حریزہ نے نظریں اٹھا کر شارق کو دیکھا تو مسکرا دی' حریزہ اٹھ کر چولہے کے پاس آگئی تو شارق اسی کی چیئر پر بیٹھ گیا۔

''بکواس کرنے کی ضرورت نہیں تمہیں''۔ لائبہ نے تھوڑا سخت ہو کر کہا تو وہ مسکرانے لگا ساتھ ہی کچی گاجر اٹھا کر کھانے لگا۔

''بھئی آپ کو اتنے دنوں بعد اپنے غریب خانے میں دیکھا ہے نا اس لئے''۔ شارق نے مسکراتے ہوئے کہا' جس پر وہ خاموش رہی۔

''بائی داوے' کیا کرتی رہتی ہو تم.....؟ جو نظر ہی نہیں آتیں''۔ شارق نے کہا۔

''اپنی اپنی نظر کی بات ہے' اگر تم غور کرو تو میں بھی اسی گھر میں رہتی ہوں' جس میں تم رہتے ہو''۔ لائبہ نے کچھ طنزیہ انداز میں کہا' حریزہ خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

''ایک تو بھئی پتا نہیں' کیا کیا بولتی ہو تم' میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا''۔ شارق نے لاپرواہ انداز میں کہا۔

''اسی کا تو افسوس ہے کہ تم کبھی بھی کچھ نہ سمجھ سکے''۔ لائبہ نے دل میں کہا۔

''بھئی ہماری بیگم کیا کر رہی ہیں.....؟'' شارق اٹھ کر حریزہ کے پاس آگیا اور اس کے بے حد قریب ہو کر کہا' جسے لائبہ نے شدت سے محسوس کیا۔

''آپ کے لئے کھانا بنا رہی ہوں اور کیا''۔ حریزہ نے شارق کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ارے یار! کیوں اتنی محنت کرتی ہو ہمارے لئے''۔ شارق نے اس کی کمر میں بازو ڈالتے ہوئے کہا' لائبہ سے برداشت نہ ہوا اب کے اسے اپنا آپ بڑا حقیر سا لگا اور وہ فوراً خاموشی سے اٹھ کر وہاں سے آگئی۔

''کیا ہو گیا ہے شارق! چھوڑیں' لائبہ بیٹھی ہوئی ہے''۔ حریزہ نے آہستہ سے کہا اور شارق کو فوراً پیچھے ہٹایا جب وہ مڑی تو لائبہ موجود نہ تھی۔

''ارے..... یہ کہاں گئی.....؟'' حریزہ نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

''جناب! میری کزن ہے' سمجھدار ہے سوچا ہوگا' کیوں میں ان میاں بیوی کے بیچ میں کباب کی ہڈی بنوں' اس لئے چلی گئی''۔ شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''فضول مت بولیں اور آپ اندر جائیں تاکہ میں سکون سے کھانا بنا سکوں''۔ حریزہ نے تھوڑا سختی سے کہا تو شارق مسکراتے ہوئے چلا گیا۔

☆

وقت کو ایسے پہیے بندھے کب شارق اور حریزہ کی شادی کو ایک سال ہو گیا' پتا بھی نہیں چلا لیکن شارق کی محبت میں آج بھی کوئی کمی نہ ہوئی' وہ حریزہ کو اتنا ہی چاہتا تھا' جتنا پہلے چاہتا تھا' لائبہ اور تعلیم حاصل کرنے میں لگ گئی تھی' اس نے سب قسمت پر چھوڑ دیا تھا جو اللہ نے اس کے لئے بہتر سمجھا تھا وہی ہوا اس کے ساتھ۔

آج سنڈے کا دن تھا' شارق اپنے چھوٹے کزنز میں گھرا تھا' نور' علی' اقراء یہ سب اس کے چھوٹے چاچو کے بچے تھے وہ لوگ گھر کے گارڈن میں کرکٹ کھیل رہے تھے شارق بھی ان کے بیچ میں بالکل بچہ سا بنا تھا' حریزہ ان لوگوں کو خاموشی سے مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھی اور اوپر ٹیرس سے لائبہ ان لوگوں کو دیکھ رہی تھی' حریزہ پہلے ان لوگوں کو دیکھتی رہی' پھر پتا نہیں اسے اچانک کیا سوجھی' وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ کھیلنے لگ گئی پھر کافی دیر ہنگامہ خیز کرکٹ میچ ہوا اچانک ہی شارق اور حریزہ کی بحث شروع ہو گئی' حریزہ کہنے لگی' اس نے آؤٹ کر دیا ہے شارق کو اور شارق کہنے لگا وہ آؤٹ نہیں ہوا ہے' حریزہ نے تو بلا چھینا اور تیز قدموں کے ساتھ بھاگنے لگی کہ اب دیکھو کیسے ہوتی ہے کرکٹ' شارق بھی اس کے پیچھے بھاگا' گارڈن میں پکڑم پکڑائی جیسا کھیل شروع ہو گیا' لائبہ ان لوگوں کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی' شارق اور حریزہ دونوں ہی کی سانس پھولنے لگی تھی بھاگ بھاگ کر شارق چیئر پر بیٹھ گیا جو گارڈن میں ہی رکھی تھی اور گہری گہری سانس لینے لگا حریزہ کا بھی یہی حال تھا البتہ وہ کھڑی تھی۔

''بڑی چیز ہو تم''۔ شارق نے پھولی ہوئی سانسوں سے کہا۔

''تو تم مان کیوں نہیں لیتے کہ تم آؤٹ ہو گئے ہو''۔ حریزہ کی سانس بہت پھولی ہوئی تھی اور پھر سانس اس کی مزید پھولتی گئی اسے ایسا لگنے لگا جیسے اس کی سانس اکھڑ رہی ہو' شارق پہلے سمجھا وہ شاید مذاق کر رہی ہے لیکن گھبرایا تب جب حریزہ نے خون کی الٹی کر دی۔

''حریزہ''۔ شارق ایکدم چیخا وہیں پر لائبہ بھی ساکت ہو گئی' حریزہ کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں' شارق نے فوراً آگے بڑھ کر حریزہ کو اپنی بانہوں میں تھاما۔

دس منٹ لگے تھے ان لوگوں کو ہاسپٹل پہنچنے میں' حریزہ کو آئی سی یو میں لے جایا گیا تھا' اس کی کنڈیشن بہت خراب تھی' لیکن اسے ہوا کیا تھا یہ سمجھ نہیں آرہا تھا' شارق گردن جھکائے آئی سی یو کے باہر چیئر پر بیٹھا تھا' اس کا دماغ سن سا ہو گیا تھا' کوئی کیفیت اس کے اندر نمودار نہیں ہو رہی تھی' زندگی نجانے اس سے کونسا امتحان لینے جا رہی تھی' سب

پریشان بیٹھے تھے تھوڑی ہی دیر میں شارق کی تینوں بہنیں بھی آ گئیں اور نوشین بھی' نوشین کی حالت بھی شارق سے کچھ کم نہ تھی' وہ تو خود جیسے سکتے کی سی کیفیت میں تھیں' یہ اچانک ان کی جوان بیٹی کے ساتھ کیا ہو گیا تھا' اگر خدا کو کوئی آزمائش لینی ہی تھی تو وہ اس سے لے لیتا' نوشین سوچ رہی تھیں نسیمہ بیگم انہیں کافی حوصلہ دے رہی تھیں' اکرام صاحب بھی نجانے شارق کو کیا کیا سمجھا رہے تھے اور وہ ایسے بیٹھا تھا جیسے کچھ سنائی ہی نہ دے رہا ہو' پھر چند گھنٹوں بعد آئی سی یو میں سے ڈاکٹرز نکلے تو شارق فوراً چونکا اور ڈاکٹر کی طرف بڑھا۔

''دیکھئے پیشنٹ کی رپورٹ آ چکی ہے اور مجھے آپ لوگوں سے بے حد افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ انہیں بلڈ کینسر ہے اور وہ بھی لاسٹ اسٹیج پر پیشنٹ کے پاس وقت بہت کم ہے آئی ایم سوری''۔ ڈاکٹر بول کر آگے بڑھ گیا' لیکن جو قیامت وہاں پر موجود سب پر ٹوٹی' وہ بیان سے باہر تھی' شارق مرے مرے قدموں سے آئی سی یو کے دروازے پر آیا' شیشے کے اس پار حریزہ کا وجود نظر آیا' چہرے پر اس کے آکسیجن ماسک لگا تھا اور کئی مشینوں کی تاریں اس کے جسم سے جوائنڈ تھیں' شارق کے اندر ایک تکلیف سی اٹھی اور کھو دینے کا تصور اس کے دماغ کو مفلوج کر رہا تھا' وہیں نوشین کا رو رو کر برا حال تھا' اکرام صاحب نے ہی کہا کہ انہیں فوراً یہاں سے لے جائیں' پھر اکرام ڈاکٹر سے حریزہ کے بارے میں ڈسکس کرنے چلے گئے' لائبہ بے جان وجود کی طرح شارق کو دیکھ رہی تھی اس کی اتنی ہمت نہیں ہو رہی تھی وہ شارق کو جا کر حوصلہ دے جو کتنی دیر سے روم کے اندر حریزہ کو دیکھ رہا تھا۔

اکرام صاحب نے بڑی کوشش کی کہ ڈاکٹرز کوئی زندگی کی نئی نوید سنا دیں لیکن ڈاکٹرز اپنی تمام تر کوششیں کر چکے تھے' چار دن ہو گئے تھے شارق گھر نہیں گیا تھا' اکرام صاحب اسے بہت سمجھا رہے تھے لیکن وہ تو کچھ سمجھنے سے قاصر بیٹھا تھا اب اس نے نئی ضد پکڑ لی تھی کہ وہ حریزہ کو باہر کے ملک علاج کروانے لے کر جائے گا' اکرام صاحب نے اسے سمجھایا کہ ڈاکٹرز کبھی اس کی اجازت نہیں دیں گے کیونکہ حریزہ کی کنڈیشن بہت نازک ہے' لیکن شارق نے بھی ٹھان لیا تھا' جو اس نے سوچ لیا ہے وہ کر کے رہے گا' اس نے باہر جانے کی تیاریاں شروع کر دیں' پندرہ دن اور گزر گئے آج ڈاکٹرز نے حریزہ سے ملنے کی اجازت دے دی تھی کیونکہ اب وہ ہوش میں تھی لیکن بیماری نے اسے توڑ دیا تھا' ڈاکٹرز نے کسی ایک بندے سے ملنے کی اجازت دی تھی اور شارق نے ہی تڑپ کر کہا کہ وہ اس سے ملے گا' جس پر کسی نے اسے منع نہیں کیا تھا' شارق روم میں داخل ہوا اور حریزہ کی طرف دیکھا جو آنکھیں بند کئے لیٹی تھی' پیلاہٹ اس کے چہرے پر واضح تھی' خون کی ڈرپ مسلسل چل رہی تھی' شارق حریزہ کے قریب جا کر بیٹھا' دل عجیب ہول سا رہا تھا کاش کہ وہ پل میں سب کچھ ٹھیک کر پاتا' حریزہ کو اس کا لمس محسوس ہوا تو اس نے فوراً نقاہت سے آنکھیں کھولیں' شارق کو اس کی آنکھیں بہت عجیب سی لگیں' زندگی سے بے حد دور' جن میں یہ احساس موجود ہو کہ موت کسی بھی پل آ سکتی ہے۔

''تم آ گئے شارق! بہت پریشان کر دیا نا میں نے''۔ حریزہ نے بہت ہی ٹھہر ٹھہر کر اور نقاہت بھرے لہجے میں کہا۔

''کچھ مت کہو حریزہ پلیز! خاموش رہو''۔ شارق نے اسے کسی خوف سے سمجھایا تھا۔

''میں انجان نہیں ہوں شارق! مجھے معلوم ہے میرے پاس وقت بہت کم ہے''۔ حریزہ نے ٹوٹے لہجے میں کہا تو شارق کا دل ڈوبنے سا لگا۔

''نہیں..... کس نے کہا تم سے' تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی''۔ شارق نے جھوٹی تسلی دی۔

''کیوں جھوٹ بول رہے ہو' میں سب جانتی ہوں میرا اور تمہارا ساتھ اتنا ہی تھا بس لیکن شارق میں ابھی مرنا

نہیں چاہتی تھی پھر موت مجھے اتنی جلدی کیوں لینے آ گئی' کیوں شارق.....؟'' حریزہ کی آنکھوں سے دو آنسو نکل کر گالوں پر بہہ گئے' شارق حریزہ کی بات سن کر تڑپ سا رہا تھا۔

''کچھ نہیں کچھ نہیں ہو گا حریزہ! میں یقین کرو' میں تمہیں اس طرح نہیں جانے دوں گا' میں نے تمہارے ساتھ وعدہ کیا تھا پوری زندگی گزارنے کا' تمہیں ہر خوشی دینے کا''۔ شارق نے تڑپ کر کہا تو حریزہ پھیکی ہنسی مسکرا دی۔

''یہ ناممکن ہے''۔ اور پھر جیسے حریزہ کی سانسیں اٹکنے سی لگیں' شارق فوراً بے چین ہو کر کھڑا ہو گیا اور ڈاکٹرز کو بلانے کے لئے بھاگا' ڈاکٹرز پھر سے اسے بچانے کی کوشش کرنے لگ گئے' اب کے ڈاکٹرز نے کسی سے بھی ملنے سے منع کر دیا تھا' شارق بھی اپنی طرف سے کوشش میں لگ گیا تھا' لیکن وقت اور زندگی نے حریزہ کو مہلت ہی نہ دی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سب کے بیچ میں سے چلی گئی' حریزہ کی موت شارق اور نوشین کے لئے کسی دھچکے سے کم نہ تھی' نوشین پر کتنی ہی بار بے ہوشی کے دورے پڑے' شارق اپنے کمرے میں قید سا ہو کر رہ گیا' کس حالت میں اس نے حریزہ کو دفنایا یہ وہی جانتا تھا' لیکن اس کا دماغ اور وجود دونوں ہی مردہ ہو گئے تھے' شارق گھنٹوں کمرے میں بند رہتا اور نجانے خالی ذہن کیا سوچے جاتا۔ حریزہ کی ڈیتھ کے دو مہینے بعد ہی نوشین بھی چل بسیں' نوشین کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا' انہیں اس بات کا قرار ہی نہیں آ رہا تھا کہ ان کی بیٹی کیسے جدا ہو گئی یہ خبر سب کے لئے حیرت کی خبر تھی' شارق بالکل خاموش سا ہو گیا تھا' سب اس سے بات کرتے مگر وہ ہوں' ہاں..... میں جواب دے دیتا' اس کی صحت بھی دن بہ دن متاثر ہوتی جا رہی تھی نسیمہ بیگم کو بہت فکر سی ہونے لگی تھی۔

''شارق بیٹا! سب کے بیچ میں باہر آ کر بیٹھو''۔ شارق کی آج تینوں بہنیں بھی آئی تھیں لیکن وہ اپنے کمرے میں بس ایک ہی ٹک سوچے جاتا' پھر نسیمہ بیگم اس کے پاس آئیں اور بڑے بے بسی والے لہجے میں کہا۔

''کچھ بولو تو بیٹا''۔ نسیمہ بیگم نے تڑپ کر کہا' مگر پھر وہی ادھر سے کوئی جواب نہیں۔

''بیٹا! ہم جانتے ہیں یہ جو کچھ ہوا ہے بھلایا نہیں جا سکتا' لیکن بیٹا اس کا مطلب یہ تو نہیں تم سب سے قطع تعلق ہو جاؤ' بیٹا ہم تمہارے ماں باپ ہیں' تمہیں اس طرح دیکھ کر ہمیں بھی تو اذیت پہنچ رہی ہے' ایسا مت کرو شارق''۔ نسیمہ بیگم نے بڑے عاجزانہ لہجے میں کہا' لیکن اس کے باوجود شارق نے کوئی جواب نہ دیا' وہ نہ کچھ کہتا تھا نہ آنسو بہاتا تھا' نہ شکوہ کرتا تھا' سب اس سے بات کرنے کی کوشش کرتے' مگر وہ خاموش بس ایک ٹک سوچے جاتا' نسیمہ بیگم کو اس کی اس حالت پر بہت پریشانی ہو رہی تھی' ان کا گھر ویران سا ہو گیا تھا' نہ وہاں کسی کے قہقہے کی آواز گونجتی تھی نہ باتوں کا شور ہوتا تھا' نہ ہنسی مذاق' لائبہ البتہ نسیمہ بیگم کا بہت خیال کرتی تھی انہیں حوصلہ دیتی' ان سے باتیں کرتی' لائبہ نے ایک دو بار شارق سے بھی بات کرنے کی کوشش کی لیکن سامنے وہی خاموشی' وہ کچھ نہ بولتا' حریزہ کی ڈیتھ کو سات ماہ اور گزر گئے' جب سے حریزہ کی ڈیتھ ہوئی تھی' شارق آفس بھی نہیں گیا تھا' پہلے پہل تو اکرام صاحب نے یہ سمجھ کر شارق کو اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا کہ چلو وقت کے ساتھ ساتھ سنبھل جائے گا' لیکن اکرام صاحب کو شارق وہیں کا وہیں کھڑا نظر آیا اب کے انہوں نے اس سے پرو پر بات کرنے کا سوچ لیا۔

''شارق! بیٹا کب تک تم ایسے کرتے رہو گے''۔ شارق جو اپنے کمرے میں موجود کمپیوٹر آن کر کے بیٹھا تھا' لیکن کمپیوٹر صرف آن تھا' وہ اس پر کوئی کام نہیں کر رہا تھا' بس وہ کمپیوٹر کی اسکرین کو گھور رہا تھا اور دماغ کسی سوچ کی گردش میں تھا' البتہ اکرام صاحب کی بات پر وہ سوچ میں سے نکل آیا اور پھر ایک نظر اکرام صاحب کو دیکھا مگر کچھ

بولا نہیں۔

''بیٹا! دس مہینے سے اوپر گزر گئے ہیں اور اس عرصے میں تم نے آفس کا ایک چکر تک نہیں لگایا' دیکھو بیٹا! یہ جو کچھ ہوا ہے اس میں ضرور خدا کی کچھ مصلحت شامل ہوگی' لیکن تم اس طرح کر کے خود بھی اذیت کا شکار ہو رہے ہو اور ہمیں بھی اذیت دے رہے ہو''۔ اکرام صاحب نے سنجیدگی سے سمجھایا۔

''آپ کیا چاہتے ہیں.....؟'' شارق نے مختصر اور بہت ہی ٹھہرے لہجے میں کہا۔

''میں چاہتا ہوں تم زیادہ نہیں تو خود کو تھوڑا سا تبدیل کرو اور واپس آفس جانا شروع کر دو''۔ اکرام صاحب نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔

''ٹھیک ہے میں کل سے چلا جاؤں گا''۔ شارق کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا ایک عجیب ویرانی تھی' لہجہ اس کا ٹھہرا اور پھیکا سا تھا' اکرام صاحب اس کی بات پر حیران بھی ہوئے اور خوش بھی اور اس کا ماتھا چوم کر باہر چلے گئے۔

☆

آج وہ آفس پورے دس مہینے بعد آیا تھا' لیکن اسے کچھ عجیب فیل نہیں ہو رہا تھا وہ بالکل ایک قسم کا مردہ سا بن گیا تھا' جب وہ آفس میں انٹر ہوا تو کئی گردنیں اسے دیکھ کر چونکیں اور کئی لوگ اسے دیکھ کر حیران ہوئے کئی کو تو یقین ہی نہ آیا کہ یہ وہی شارق ہے جو ہینڈسم اسمارٹ ویل ڈریس ہو کر اپنی مردانہ وجاہت سے سب کو متاثر کرتا تھا اور اب نہ ہی تو اس کی چال میں کوئی وجاہت تھی اور نہ باڈی میں' جسم پہلے کی نسبت کافی دبلا ہو گیا اور چہرہ زردی مائل سا' ڈپریشن سے وہ آہستہ آہستہ ختم سا ہو رہا تھا' کئی لوگوں نے اسے گڈ مارننگ سر گڈ مارننگ سر کہہ کر ویلکم کیا' لیکن اس نے نا ہی چہرے پر کوئی تاثر دیا اور نہ ہی جواب دیا بس سیدھا اپنے روم میں چلا گیا جس پر سب کو کافی حیرت ہوئی ورنہ پہلے وہ سب کو مسکرا مسکرا کر جواب دیتا اور کافی فرینک ہو کر بات کرتا' اکرام صاحب کافی مطمئن ہو گئے کہ چلو شارق نے آفس جانا شروع تو کر دیا اب وہ شاید کچھ بہتری کی طرف مائل ہو جائے گا۔

☆

''آپی! شارق بھائی کو دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے''۔ لائبہ جو اپنے نوٹس بنانے میں لگی ہوئی تھی تب زویا چائے کا مگ تھام کر بیڈ پر لائبہ کے پاس بیٹھ کر بولی۔

''لیکن میں اب شارق کو مزید دکھ میں نہیں جلنے دوں گی''۔ لائبہ نے پر اعتماد اور کھرے لہجے میں کہا' تب زویا چائے پیتے ہوئے چونکی۔

''کیا مطلب.....؟'' زویا نے حیرانگی سے پوچھا۔

''مطلب یہ کہ پہلے تو میں خاموش رہی تھی لیکن اب حالات کچھ اور ہو گئے ہیں شارق کو محبت کی بہت ضرورت ہے اور میں اسے اپنی محبت سے پھر ویسا ہی کر دوں گی''۔ لائبہ نے بڑے پر اعتماد ہو کر کہا۔

''یہ آپ کی بھول ہے ایسا کبھی نہیں ہوگا''۔ زویا نے صاف کہا تو لائبہ چونکی۔

''کیوں.....؟ تم ہی تو کہتی تھیں کہ مجھے شارق کو اپنی محبت کے بارے میں بتانا چاہئے اسے احساس دلانا چاہئے''۔ لائبہ نے چونک کر کہا۔

''ہاں میں کہتی تھی مگر تب کی بات اور تھی اور اب حالات بالکل الگ ہیں' اس وقت کے مقابلے میں''۔ زویا نے دوٹوک کہا۔

''تم کہنا کیا چاہتی ہو' مجھے سمجھ نہیں آ رہا''۔ لائبہ نے نہ سمجھنے والے انداز میں کہا۔

''میں بس اتنا کہنا چاہتی ہوں آپ سے' آپ اب شارق بھائی کا خیال دل سے نکال دیں کیونکہ وہ پہلے جیسے نہیں رہے''۔ زویا بول کر وہاں سے چلی گئی اور لائبہ اس کی بات سن کر حیرانی سے سوچتی رہ گئی' لیکن وہ تو دل میں فیصلہ کیے بیٹھی تھی وہ شادی صرف اب شارق سے کرے گی اور ایک نہ ایک دن اسے اپنی محبت سے پھر ویسا ہی بنا دے گی۔

☆

آج حریزہ کی برسی تھی وقت اتنی تیز رفتاری سے گزر رہا تھا پتا ہی نہیں چلا' برسی ختم ہونے کے بعد شارق اپنے کمرے میں آ گیا تھا' اور آ کر بیڈ پر لیٹ گیا وہ اپنے آپ کو بڑا تھکا ہوا محسوس کر رہا تھا' کتنا وقت گزر گیا تھا اسے حریزہ سے جدا ہوئے لیکن اس کا غم آج بھی ویسا تھا جیسے پہلے تھا' شارق نے کروٹ بدلی تو بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پر پڑے فریم پر اس کی نظر پڑی تو وہ اسے گھورتا رہا فریم میں حریزہ اور شارق کی شادی کی تصویر تھی' اس فریم کو حریزہ نے اپنے ہاتھوں سے سجا کر رکھا تھا' شارق نے اس کمرے میں کچھ بھی تو نہیں بدلا تھا' سب اس نے ویسا ہی رکھا تھا' جیسے حریزہ نے سجایا تھا' حتیٰ کہ حریزہ کے کپڑے تک الماری میں اسی طرح ٹنگے تھے جیسے اس نے خود رکھے تھے حالانکہ نسیمہ بیگم نے ایک مرتبہ شارق کو کہا کہ وہ کپڑے اٹھا کر کسی غریب کو دے دیتی ہیں لیکن اس نے پہلی مرتبہ سختی سے منع کر دیا پھر نسیمہ بیگم کی دوبارہ ہمت بھی نہیں ہوئی کہ وہ اسے کچھ کہیں' شارق حریزہ کے تصور میں کھویا ہوا تھا' آج اسے اتنے عرصے بعد سب پرانا یاد آ رہا تھا' جب اس نے حریزہ کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا' کتنی مگن معصوم ہنستی مسکراتی' پھر اسے ایکدم خیال آیا جب اس کے پاؤں میں موچ آئی تھی تو کتنی تکلیف نمودار ہو گئی تھی اس کے چہرے پر شارق کو حریزہ کے ساتھ گزرا ہر ایک لمحہ یاد آ رہا تھا' اور پھر اچانک سے اسے خیال آیا کتنا تڑپ تڑپ کر مری تھی وہ اور وہ کچھ بھی نہیں کر پایا تھا' جو اس کے بغیر جینے کا تصور نہیں کرتا تھا آج وہ اکیلا رہ گیا تھا' کتنا وقت بیت رہا تھا' اور وہ ہر پل سلگ رہا تھا' تڑپ رہا تھا لیکن زندگی اسے ایسی لگ رہی تھی جیسے سب کچھ تھم گیا ہو۔

☆

لائبہ نے اب مہر والنساء سے ایک ہی ضد پکڑ لی تھی کہ وہ شارق کے لئے بڑی امی سے بات کریں مہر والنساء تو پہلے اس کی بات پر چونکیں اور دن بہ دن بڑھتی اس کی دیوانگی پر پریشان ہو رہی تھیں۔

''امی پلیز! آپ ایک مرتبہ تو بڑی امی سے بات کریں''۔ لائبہ نے مہر والنساء کے آگے بے بسی سے کہا۔

''تم پاگل ہو گئی ہو لائبہ! یہ ناممکن ہے''۔ مہر والنساء نے صاف منع کیا۔

''امی اگر آپ بڑی امی کو سمجھائیں گی تو وہ ضرور مان جائیں گی''۔ لائبہ نے مشورہ دیا۔

''کیا ہو گیا ہے لائبہ! تمہیں؟ پہلے تو تم نے کبھی اس طرح ضد نہیں کی تھی تو اب کیا ہو گیا ہے''۔ مہر والنساء نے اسے ڈپٹا۔

''امی پہلے کی بات اور تھی''۔ لائبہ نے وضاحت دی۔

''کیوں پہلے کی بات اور کیا تھی.....؟'' مہر والنساء نے پوچھا۔

''امی! آپ سمجھ کیوں نہیں رہی ہیں''۔ لائبہ نے تنگ آ کر کہا۔

''تو تم سمجھا دو''۔ مہر والنساء نے بھی دوٹوک کہا۔

''اگر آپ میری بات نہیں مانیں گی نا تو میری بات بھی کان کھول کر سن لیں' میں بھی شارق کے علاوہ کسی اور سے

شادی نہیں کروں گی' چاہے اس کے لئے مجھے ساری عمر ایسے ہی کیوں نہ بیٹھنا پڑے''۔ لائبہ وارن کرتے ہوئے چلی گئی اور مہروالنساء ہکا بکا رہ گئیں' وہ پہلے تو ایسی نہ تھی تو پھر اب کیا ہو گیا تھا' پانچ چھ مہینے اسی کشمکش میں گزر گئے اور مہروالنساء کو لائبہ کے آگے ہار ماننا پڑی' انہوں نے بڑی ہمت باندھ کر نسیمہ بیگم سے بات کرنے کا فیصلہ کیا اور جب نسیمہ بیگم سے انہوں نے کہا تو وہ حیران رہ گئیں۔

''کیا تم سچ کہہ رہی ہو مہروالنساء''۔ نسیمہ بیگم نے تھوڑی خوشی اور تھوڑی حیرانگی سے کہا۔ خواہش تو ان کی پہلے بھی تھی' لیکن جو قسمت نے چاہا وہی ہوا اور اب تو نسیمہ بیگم شدت سے چاہ رہی تھیں کہ شارق کی زندگی پہلے جیسی خوشیوں سے ہو جائے' جس کا حل وہ بھی شادی ہی سوچ رہی تھیں' مگر لائبہ کا تو وہ خود شرم کے مارے نہیں سوچ رہی تھیں۔

''مہروالنساء! میں تو شروع سے چاہتی تھی لائبہ میری بہو بنے' لیکن جو قسمت کو منظور ہو' مجھے کبھی اندازہ نہ تھا میرے بیٹے کی زندگی یوں اجڑے گی' شادی کا تو میں شارق کا سوچ رہی تھی' لیکن لائبہ کا تو میں نے خود شرم کے مارے نہیں سوچا تم کیا سوچو گی پہلے تو بھابی کو میری بیٹی نظر نہ آئی اور اب کس منہ سے کہہ رہی ہیں''۔ نسیمہ بیگم نے سنجیدگی سے کہا۔

''کیسی باتیں کر رہی ہیں بھابی! میں بھلا کیوں کہوں گی میں تو بس یہ چاہتی ہوں اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے''۔ مہروالنساء نے وضاحت سے کہا۔

''تم فکر مت کرو مہروالنساء! میں پوری کوشش کروں گی''۔ نسیمہ بیگم نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ اور انہوں نے سب سے پہلے اکرام صاحب سے بات کی انہیں اس رشتے میں برائی تو پہلے بھی نظر نہیں آئی تھی لیکن انہیں شارق کی طرف سے فکر تھی پتہ نہیں اس کا کیا ردعمل ہوگا' لیکن نسیمہ بیگم نے ہی تسلی دی کہ وہ دونوں مل کر سمجھائیں گے تو وہ مان جائے گا اور ویسے بھی کب تک وہ یوں اکیلے زندگی گزارے گا' اکرام صاحب نے بھی پھر حامی بھر لی سمجھانے کی۔

☆

''بیٹا! کب تک یوں زندگی گزارو گے' ہم لوگ آج ہیں' کل نہیں ہوں گے' لائبہ بہت اچھی لڑکی ہے بیٹا! تم اس کے ساتھ خوش رہو گے''۔ اکرام صاحب نے بڑے سادہ انداز میں سنجیدگی سے شارق کو کہا نسیمہ بیگم بھی اسے التجائی انداز میں دیکھ رہی تھیں' شارق نے اکرام صاحب کی بات پر کوئی تاثر پیش نہیں کیا' پہلے اکرام صاحب کو دیکھا ایک نظر اور پھر نسیمہ بیگم کو۔

''آپ لوگ میرا امتحان لینا چاہتے ہیں''۔ شارق نے بناء تاثر کے صاف کہا تو وہ دونوں چونکے۔

''کیسی باتیں کر رہے ہو شارق! اس میں بھلا امتحان لینے کی کیا بات ہے' ہم تو تمہاری خوشی چاہتے ہیں صرف''۔ نسیمہ بیگم نے سادگی سے کہا تو شارق بے جان اور پھیکی ہنسی ہنس دیا۔

''خوشی..... میری''۔ شارق نے بے یقین انداز میں کہا تو نسیمہ بیگم اور اکرام صاحب کو بیٹے کی باتیں بڑی عجیب لگیں۔

''کیا..... آپ لوگوں کو لگتا ہے میں لائبہ کو خوش رکھ سکتا ہوں.....؟'' شارق نے ان دونوں کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیوں.....؟ کیوں نہیں رکھ سکتے' تم میں کس چیز کی کمی ہے''۔ اکرام صاحب نے اس کی بات کا جواب دیا۔

''بابا! مجھے سمجھ نہیں آ رہا میں آپ لوگوں کی بات پر ہنسوں یا حیران ہوں کیا کروں بابا میں آپ دونوں کو ذرا

بھی احساس نہ ہوا کہ آپ دونوں مجھ سے کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا آپ لوگ حریزہ کو بھول گئے اتنی جلدی ہاں آپ لوگ بھول گئے ہیں' لیکن میں نہیں بھولا' وہ میرے پاس اب بھی موجود ہے وہ ہر پل میرے ساتھ رہتی ہے بابا''۔ شارق نے دیوانگی بھرے انداز میں کہا اکرام صاحب اور نسیمہ بیگم کو اس کی حالت کچھ عجیب لگی اس کی آنکھوں میں دیوانگی تھی۔

''ہوش میں آؤ شارق! حریزہ مر چکی ہے اور اب وہ ہم لوگوں کے بیچ میں موجود نہیں ہے''۔ اکرام صاحب نے سختی سے چیخ کر کہا۔

''جھوٹ بول رہے ہیں آپ! آپ کو نہیں معلوم وہ میرے ساتھ موجود ہے دیکھیں کیا آپ کو اس کمرے میں محسوس نہیں ہوتی' پر آپ کو کیسے ہوگی آپ تو بے حس ہو چکے ہیں' جبھی تو مجھ سے کہہ رہے ہیں لیکن شاید آپ کو نہیں معلوم بابا حریزہ کو آپ کی بات سے کتنی تکلیف ہوئی ہے' وہ آپ سے تو کچھ نہیں کہے گی پر مجھ سے تو پوچھے گی نا' میں نے اسے کیسے دھوکا دے دیا' اس کے ہوتے ہوئے کسی اور سے کیسے شادی کر لی' بولیں بابا کیا جواب دوں گا میں اسے بولیں''۔ شارق دیوانہ ہو رہا تھا' نسیمہ بیگم کو اس کی باتوں سے خوف آ رہا تھا۔

''شارق.....'' اکرام صاحب نے اسے غصے میں چیختے ہوئے تھپڑ لگایا۔

''ہوش میں آؤ' مر چکی ہے حریزہ سمجھے''۔ اکرام صاحب غصے میں بول کر وہاں سے آ گئے۔ نسیمہ بیگم بھی آنسو پونچھتی ہوئیں باہر آ گئیں۔

''آپ جھوٹ بول رہے ہیں حریزہ میرے ساتھ ہے بابا میرے ساتھ ہے''۔ شارق پیچھے سے چلایا آج حریزہ کی ڈیتھ کے بعد پہلی مرتبہ اس نے ایسا ری ایکٹ کیا تھا۔

''اب کیا ہوگا.....؟ شارق نے پہلی بار ایسا ری ایکٹ کیا ہے مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے نجانے میرے بیٹے کو کس کی نظر لگ گئی''۔ نسیمہ بیگم نے روتے ہوئے پریشانی سے کہا۔

''نہیں' میں اس کی مزید حالت نہیں بگڑنے دوں گا''۔ اکرام صاحب نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''کیا کریں گے آپ.....؟'' نسیمہ بیگم حیران ہوئیں۔

''میں اس کی شادی کروا کر رہوں گا''۔ اکرام صاحب نے حکمانہ انداز میں کہا۔

''لیکن وہ مانے گا نہیں''۔ نسیمہ بیگم نے فکر سے کہا۔

''نہیں ایسا نہیں ہوگا چاہے مجھے کچھ بھی کیوں نہ کرنا پڑے''۔ اکرام صاحب نے دوٹوک کہہ دیا۔

☆

اکرام صاحب اب شارق کے پیچھے پڑ گئے تھے' شارق اس دن کے بعد سے اب اکرام صاحب کی بات کا جواب نہ دیتا تھا' لیکن اکرام صاحب نے ضد پکڑ لی تھی اور وہ اس میں کامیاب ہو گئے تھے' شارق کی ہاں نے اکرام صاحب کو بہت حیران کیا تھا' بہر حال وہ اپنی کامیابی پر خوش تھے' گھر میں ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی' لائبہ کو تو اپنی خوش نصیبی پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا' اب وہ دل میں تہیہ کر کے بیٹھی تھی کہ بس ایک مرتبہ اس کی شادی ہو جائے شارق سے' پھر وہ سب کچھ ٹھیک کر لے گی۔

''آپی! ایک بار پھر سوچ لیں' کیا جو آپ نے فیصلہ لیا ہے وہ درست ہے؟'' لائبہ جو کمرے میں سجی سنوری سرخ شرارے میں بیٹھی تھی تب زویا اس کے پاس آئی اور بولی' شارق اور لائبہ کا نکاح گھر میں ہی ہونا تھا اکرام صاحب نے چند ملنے والوں کو مدعو کیا تھا اور بیٹھنے کا انتظام گھر کے گارڈن میں کیا تھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟ تم کیوں ایسا کہتی ہو زویا؟'' لائبہ زویا کی بات پر چونکی تھی۔

''آپ کو نہیں معلوم آپی! شاید جو میں نے شارق بھائی کی آنکھوں میں دیکھا ہے وہ آپ نے نہیں دیکھا''۔ زویا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''کیا دیکھا ہے تم نے.....؟'' لائبہ حیران ہوئی اور تجسس سے پوچھا۔

''حریزہ بھابی کی محبت وہ بھی دیوانگی کی حد تک' مجھے ڈر ہے آپی! کہیں شارق بھائی اس محبت میں گم نہ ہو جائیں' پتا نہیں آپ کو وہ سب ملے بھی یا نہیں''۔ زویا نے فکر سے کہا۔

''نہیں ایسا کبھی نہیں ہوگا' مجھے یقین ہے خود پر' اپنی محبت پر' کہ ایک وقت آئے گا میں شارق کو جیت لوں گی''۔ لائبہ نے اپنی خوشی میں جھومتے ہوئے کہا۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو''۔ زویا نے پھیکے لہجے میں کہا۔

''ایسا ہی ہوگا''۔ لائبہ نے بھی یقین سے کہا پھر اتنے میں نکاح کے لئے قاضی صاحب اور ان کے ساتھ گھر کے لوگ آ گئے تو زویا بھی سائیڈ پر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

شارق آج کے دن بھی تیار نہ ہوا جیسے حلئے میں تھا اسی میں نکاح ہوا' اکرام صاحب نے بھی زیادہ زور زبردستی نہ کی' انہیں اس بات کا یقین تھا اب شارق کی زندگی بہتر ہو جائے گی سادی سی تقریب خیریت و عافیت کے ساتھ نمٹ گئی۔

لائبہ کمرے میں موجود ہر چیز کا جائزہ لے رہی تھی' اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ شارق کی منکوحہ بن گئی ہے' جس کا وہ خواب کتنے عرصے سے دیکھ رہی تھی' پھر اس کی نظر سائیڈ ٹیبل پر فریم پر پڑی جس میں بہت ہی خوبصورت شارق اور حریزہ کی تصویر تھی کتنی خوبصورت مسکراہٹ سجی تھی شارق کے چہرے پر' کتنا حسین لگ رہا تھا وہ اور اب کتنا بجھ سا گیا تھا' پھر کمرے کا دروازہ کھلا تو وہ چونکی' لائبہ اندر ہی اندر کنفیوژ ہو رہی تھی' شارق نے لائٹ آف کی' لیکن نائٹ بلب جل رہا تھا' شارق لائبہ سے بناء کچھ کہے' بناء اس کی طرف دیکھے بیڈ پر آ کر لیٹا اور دوسری طرف کروٹ لے کر سو گیا' لائبہ حقا بکا رہ گئی' آخر اس رات کے لئے لڑکیوں کے دلوں میں کتنے ارمان ہوتے ہیں۔

''آپی! ایک بار پھر سوچ لیں کیا آپ نے یہ فیصلہ سوچ سمجھ کر کیا ہے''۔ زویا کے کہے الفاظ فوراً اس کے کانوں میں گونجے' لیکن اس نے فوراً سر جھٹک دیا۔

''مجھے یقین ہے شارق! میں تمہیں ایک نہ ایک دن جیت لوں گی اپنی محبت سے''۔ لائبہ نے دل ہی دل میں کہا اور اپنا شرارہ سنبھالتی ہوئی کھڑی ہوئی اور کپڑے چینج کر کے آ کر خود بھی لیٹ گئی' ایک اداسی سی اتر گئی تھی اس کے اندر' نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی' پر زبردستی آنکھیں بند کر لیں۔

☆

صبح اس کی آنکھ کافی دیر سے کھلی اور جب اس نے کروٹ لے کر دوسری طرف دیکھا تو شارق وہاں موجود نہ تھا اور جب اس نے گھڑی کی طرف دیکھا تو ساڑھے سات ہو رہے تھے پھر وہ جلدی سے کھڑی ہوئی اور فریش ہو کر باہر آ گئی' باہر لاؤنج میں سب ہی موجود تھے' مہر والنساء ناشتہ لے کر آئی تھیں روایت کے مطابق۔

''ارے اٹھ گئی میری بیٹی! چلو زینب جلدی سے ناشتہ لگواؤ''۔ نسیمہ بیگم نے لائبہ کو اپنی بانہوں میں پیار سے بھرتے ہوئے کہا تو مہر والنساء بھی مسکرا دیں۔ زویا بھی اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ ناشتے کے بعد زینب آپی' ماریہ آپی دونوں چلی گئیں ناہید آپی تو کل رات ہی چلی گئیں' گھر میں پھر ایکدم سناٹا چھا گیا' لائبہ کمرے میں آئی

تو اس کے پیچھے زویا بھی آ گئی' لائبہ بڑے مصروف انداز میں کمرے کی صفائی کرنے لگی زویا اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو.....؟'' لائبہ نے پوچھ ہی لیا زویا سے۔

''شارق بھائی جلدی آفس چلے گئے تھے''۔ زویا نے لائبہ کو جانچتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''معلوم ہے مجھے''۔ لائبہ نے بیڈ کی چادر ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

''چلو اچھی بات ہے' خوش ہیں آپ''۔ زویا نے ایسے ہی پوچھ لیا تو لائبہ نظریں جھکا گئی۔

''ہاں بہت''۔ لائبہ نے نظر بچاتے ہوئے کہا۔ زویا پھر کافی دیر بیٹھی باتیں کرتی رہی اور پھر چلی گئی۔

لائبہ نے اپنے کپڑوں کا سوٹ کیس کھولا اور جب کپڑے رکھنے کے لئے الماری کھولی تو شارق کے کپڑوں کے ساتھ حریزہ کے کپڑے لٹک رہے تھے' اسے بڑی حیرت ہوئی کہ کسی کو' اتنی زحمت بھی نہیں ہوئی کہ کوئی یہاں سے کپڑے ہٹا دے کیونکہ اسے نہیں معلوم تھا کہ یہ کپڑے شارق نے نہیں ہٹانے دیئے' لائبہ نے حریزہ کے سارے کپڑے نکالے تو اسے بھی ایک پل کو حریزہ کی یاد آئی کتنا بے یقینی کا احساس ہوتا تھا کہ وہ اتنی جلدی سب کے بیچ میں سے چلی گئی' پھر اس نے چیئر رکھی الماری کا سب سے اوپر والا کیبنٹ کھولا وہ کیبنٹ اتنا اونچا تھا کہ اسے چیئر رکھنی پڑی تھی' پھر اس نے کپڑوں کی تہہ لگا کر اوپر رکھ دیئے اور اپنے کپڑے شارق کی الماری میں رکھ دیئے' کافی دیر لگ گئی اسے یہ کام کرنے میں' پھر نہا دھو کر فریش ہو کر وہ نسیمہ بیگم کے پاس بیٹھی کافی دیر باتیں کرتی رہی' شام اس نے ریڈ شیفون کا سوٹ نکالا اور ہلکا پھلکا تیار ہو کر شارق کا انتظار کر رہی تھی' شارق جب آفس سے آیا تو وہ لاؤنج میں موجود تھی' لیکن شارق نے اس پر نظر نہیں ڈالی وہ نسیمہ بیگم کو سلام کر کے اپنے کمرے میں چلا گیا' لائبہ بھی پھر اس کے پیچھے گئی جب وہ کمرے میں آئی تو وہ اپنی فائلز اور لیپ ٹاپ والا بیگ رکھ رہا تھا اور اپنی الماری کی طرف بڑھا۔

''میں نے کپڑے واش روم میں لٹکائے ہیں''۔ لائبہ نے سوچا شاید وہ کپڑے نکالنے کے لئے ہی الماری کھول رہا ہے' جبھی اس نے کہا لیکن شارق نے کوئی جواب نہ دیا اور اس نے پٹ سے الماری کھولی تو ہقا بقا سا رہ گیا' وہاں حریزہ کے کپڑوں کے بجائے کسی اور کے کپڑے لٹک رہے تھے' کیونکہ اسے اچھی طرح معلوم تھا حریزہ کے کپڑے کیسے تھے اس کے اندر ایکدم غصہ نمودار ہوا' لیکن لائبہ کو نہیں معلوم تھا اس کے چہرے پر کیا تاثرات نمودار ہو رہے ہیں وہ ڈری تو تب جب شارق غصے میں اس کی طرف بڑھا۔

''حریزہ کے کپڑے کہاں ہیں.....؟'' شارق کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں' ماتھے پر بل واضح تھے' شارق نے لائبہ کا بازو زور سے پکڑتے ہوئے کہا۔

''وہ میں نے.....'' لائبہ اس کے غصے سے فوراً سہم سی گئی۔

''وہ' میں' کہاں.....؟ کس سے پوچھ کر ہٹائے تم نے بولو''۔ شارق گرجا۔

''وہ مجھے اپنے کپڑے رکھنے تھے اس لئے میں نے ہٹائے''۔ لائبہ نے سہم کر کہا۔

''اگر اپنے کپڑے رکھنے تھے تو مجھ پر احسان کر رہی تھیں کہیں اور رکھتیں حریزہ کے کپڑے کیوں ہٹائے بولو کہاں رکھے ہیں''۔ شارق نے چیختے ہوئے کہا۔

''وہ میں نے سب سے اوپر والے خانے میں رکھ دیئے ہیں''۔ شارق تو اس کی بات سن کر ہی غصے سے جیسے پاگل سا ہونے لگا تھا۔ اس نے فوراً سب سے اوپر والا خانہ کھولا۔ حریزہ کے سارے سوٹ نکالے اور اپنی الماری کھول

کر لائبہ کے سارے کپڑے نکال کر پھینکے اور حریزہ کے رکھے۔

''آئندہ سے یاد رکھنا' اگر اس کمرے میں سے ایک بھی چیز ادھر سے ادھر ہوئی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا انڈر اسٹینڈ''۔ شارق اسے وارن کرتے ہوئے واش روم میں چینج کرنے کے لئے چلا گیا لائبہ نیچے کارپٹ پر گرنے والے انداز سے بیٹھ گئی' آنسو آنکھوں سے نکل کر گالوں پر بہہ گئے' کب شارق روم سے باہر نکل گیا' اسے خبر بھی نہ ہوئی اس نے پھر اٹھ کر اپنے کپڑے سمیٹے اور دوسری الماری میں رکھے' دل اس قدر بوجھل ہو رہا تھا' عجیب بے چینی سی چھا گئی تھی' شارق ساری رات گزر گئی کمرے میں نہیں آیا' لائبہ بھی بناء کھائے لیٹ گئی' لیکن نیند آنکھوں سے دور تھی' نسیمہ بیگم اس کے پاس آئیں تھیں کہ کھانا کھالے' لیکن اس نے سر درد کا بہانا کر دیا انہیں حیرت ہوئی کچھ دیر پہلے بالکل صحیح تھی انہیں کسی چیز کا کھٹکا ہوا کیونکہ انہوں نے دیکھا تھا' شارق اسٹڈی روم میں تھا' لیکن انہوں نے پوچھا نہیں پھر انہوں نے زبردستی لائبہ کو دودھ کا گلاس دیا جسے اسے نہ چاہتے ہوئے بھی پینا پڑا پھر وہ لائٹ آف کر کے چلی گئیں' ٹینشن تو انہیں بھی ہو رہی تھی مگر شارق کی وجہ سے مجبور تھیں اس لئے کچھ نہ کہا۔

پھر کتنے ہی سارے دن اسی طرح گزر گئے لیکن شارق کے رویئے میں کوئی کمی نہ آئی نہ ہی وہ لائبہ کی باتوں کا جواب دیتا تھا اور نہ ہی اس سے بات کرتا تھا۔

نسیمہ بیگم نے بھی اسے کئی دفعہ سمجھایا' لیکن اس کی طرف سے ایسا رسپانس ہوتا جیسے کسی بہرے سے بات کر رہے ہوں' اکرام صاحب نے بھی ٹوکا' لیکن پھر وہی حال لائبہ اور شارق کی شادی کو چھ مہینے سے اوپر ہو رہے تھے لیکن سچویشن جوں کی توں تھی لائبہ اپنی طرف سے پوری کوشش کرتی تھکنے لگتی' لیکن پھر اسی امید کے ساتھ دوبارہ کھڑی ہو جاتی شاید کبھی تو بہتر ہوں گے' شارق کو کبھی تو احساس ہوگا۔

☆

آج اکرام صاحب اور نسیمہ بیگم کسی جاننے والے کی شادی میں گئے تھے اس لئے آج گھر میں صرف لائبہ اور شارق تھے' لائبہ نے شارق کے لئے بہت دل سے چائنیز بنایا کیونکہ اسے یاد تھا ایک دفعہ حریزہ نے بتایا تھا شارق کتنے شوق سے چائنیز کھاتا ہے' لائبہ نے ڈائننگ ٹیبل سیٹ کی اور شارق کو کھانے کا بولا' شارق خاموشی سے آ کر بیٹھ گیا اور جب لائبہ نے پیالوں کے ڈھکن کھولے تو شارق کے چہرے کے زاویئے بدل گئے جسے لائبہ نے فیل کیا۔

''یہ کیا ہے.....؟'' شارق نے سخت لہجے میں کہا۔

''چائنیز بنایا ہے میں نے تمہیں بہت پسند ہے نا''۔ لائبہ نے نرمی سے کہا۔

''ہاں پسند تو ہے پر صرف حریزہ کے ہاتھ کا''۔ شارق نے دوٹوک کہا تو لائبہ کا چہرہ بجھ سا گیا۔

''لیکن اب میں نے چائنیز کھانا چھوڑ دیا ہے اس لئے آئندہ سے بنانے کی بھی زحمت مت کرنا''۔ شارق بول کر کھڑا ہو گیا اور وہاں سے چلا گیا لائبہ کو اپنی قسمت پر بہت رونا آ رہا تھا اسے آج زویا کی بات صحیح معنوں میں سمجھ آ رہی تھی اس کی تھکن دن بہ دن بڑھتی جا رہی تھی اور راستہ کوئی دیکھائی نہیں دے رہا تھا۔

☆

ماریہ آپی نے پورے گھر کو اپنے بیٹے کی سالگرہ پر بلایا تھا سنڈے کو۔ لائبہ سالگرہ پر جانے کے لئے کپڑے نکال رہی تھی' شارق کمپیوٹر پر مصروف تھا' جب وہ اس کی طرف بڑھی۔

''شارق آپ چل رہے ہیں برتھ ڈے میں؟'' لائبہ نے پوچھا۔

''نہیں''۔ شارق نے کمپیوٹر پر تیزی سے انگلیاں چلاتے ہوئے کہا۔

''کیوں.....؟'' لائبہ نے بھی پوچھا۔

''کیوں کیا مطلب منع کر دیا میں نے تو کر دیا''۔ شارق نے روکھے لہجے میں کہا۔

''کیوں شارق! تم کیوں کرتے ہو میرے ساتھ ایسا' کیا قصور ہے میرا؟'' لائبہ نے بے بسی سے کہا اب کہ شارق نے کوئی جواب نہیں دیا' مصروف رہا وہ' لائبہ نے بھی نہیں کہا دوبارہ' اسے یقین تھا اب چاہے وہ کتنا بول لے

''تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی''۔ لائبہ نے صاف کہا۔

''تو پھر جلتی رہیں آگ بھری زندگی میں' اور ایک بات یاد رکھئے گا آپی! آپ کی یہ آگ کوئی نہیں بجھائے گا' زویا بول کر وہاں سے چلی گئی اور لائبہ بے بسی سے اپنی قسمت کے بارے میں سوچتی رہ گئی' کتنی اذیت سے دوچار ہو رہی تھی وہ' کیا سوچا تھا اس نے اور کیا ہو رہا تھا۔

☆

آج سنڈے تھا اس لئے شارق گھر پر ہی تھا' پر اپنے کمرے میں بند۔ شارق کی اس حالت پر اکرام صاحب بہت پریشانی ہو رہی تھی' ان کی یہ کوشش بھی ناکام رہی' انہیں یہ لگتا تھا شادی شارق کو بدل دے گی' لیکن وہ اور ناکام رہے' اب اکرام صاحب کو صحیح معنوں میں شارق کی باتیں سمجھ آئیں' بلکہ الٹا انہوں نے لائبہ کی بھی زندگی برباد کردی ایسا انہیں لگتا تھا' نسیمہ بیگم جب لائبہ کا بجھا بجھا سا چہرہ دیکھتیں تو انہیں بڑی شرمندگی سی محسوس ہوتی حالانکہ لائبہ ان سے کچھ نہیں کہتی تھی بس وہ خاموش سی ہو کر رہ گئی تھی' مگر کب تک وہ خاموش رہتی اب کہ اس نے فائنل فیصلہ کرلیا تھا شارق سے بات کرنے کا' آخر کب تک وہ برداشت کرتی ان دونوں کی شادی کو سال ہونے کے قریب آ گیا تھا' لیکن شارق کا رویہ اسے توڑ رہا تھا اور وہ اب مزید ٹوٹنا نہیں چاہتی تھی' جبھی اس نے آج بات کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا' لائبہ جب کمرے میں آئی تو شارق لیپ ٹاپ پر مصروف تھا' اب شارق نے اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ کام میں الجھا لیا تھا۔

''شارق! تم کیوں کر رہے ہو میرے ساتھ ایسا.....؟'' لائبہ نے شارق کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا' مگر اس نے اس کی بات پر کوئی خاص توجہ نہ دی۔

''کیا قصور ہے میرا.....؟ صرف اتنا کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں بس اور تم..... تم مجھ سے محبت کیا مجھ سے بات تک کرنا گوارہ نہیں سمجھتے' کیوں شارق کیوں کر رہے ہو ایسا؟'' لائبہ بولی مگر شارق اب بھی کچھ نہ بولا لیکن لائبہ نے بھی ٹھان لی تھی آج وہ اسے بولنے پر اکسا کر رہے گی۔

''میں تم سے یہ نہیں کہتی کہ تم حریزہ کو بھول جاؤ' کم سے کم اتنا تو کر سکتے ہو مجھ سے اپنا رویہ تو درست رکھو' بیوی ہوں میں تمہاری''۔

''نہیں ہو تم میری بیوی نہیں ہو''۔ شارق غصے سے کھڑا ہوا اور لائبہ کے کندھوں کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

''میری بیوی صرف حریزہ ہے صرف حریزہ..... تم میرے اوپر زبردستی مسلط کی گئی ہو' نفرت ہوتی ہے مجھے تم سب سے' بابا سے' امی سے' تم سے' تم سب لوگ زبردستی میرے پیچھے پڑ گئے ہو' تم لوگ مجھ سے ان چیزوں کی توقعات رکھتے ہو جو میں نہیں کر سکتا کیونکہ میری حسیات کب کی مر چکی ہیں تمہارے سامنے میں صرف زندہ لاش ہوں' زندہ لاش اور تم کہتی ہو میں ایسا کیوں کرتا ہوں دیکھو اس کمرے کو کیا تمہیں یہاں حریزہ کے وجود کا احساس نہیں ہوتا دیکھو''۔ شارق پر اب دیوانگی کا دورہ سا پڑنے لگا تھا۔

''ہونہہ..... پر تمہیں کیسے محسوس ہوگا' تم تو بے حس ہو' تم سب لوگ بے حس ہو' لیکن میں بے حس نہیں ہوں' حریزہ ہر پل میرے ساتھ رہتی ہے' وہ ابھی بھی یہاں موجود ہے وہ روز مجھے لینے آتی ہے پر پتا نہیں کیوں واپس اکیلی کیوں چلی جاتی ہے لیکن تم دیکھنا میں بہت جلد اس کے ساتھ چلا جاؤں گا' چلا جاؤں گا میں''۔ شارق نے دیوانگی میں کہہ دیا تھا اسے خود بھی نہیں معلوم تھا وہ کیا کہہ رہا ہے' لائبہ کو اس کی باتوں سے خوف سا محسوس ہونے لگا اسے حیرت ہوئی کیونکہ آج سے پہلے شارق نے اس کے سامنے ایسا ری ایکٹ نہیں کیا تھا۔

''لیکن میں یہ سب تمہیں کیوں بتا رہا ہوں''۔ وہ ایکدم جیسے ہوش میں آیا اور اس نے جھٹکے سے اسے پیچھے کیا۔

''ایسا کیوں کہہ رہے ہو شارق تمہاری باتوں سے مجھے اذیت پہنچتی ہے میں مانتی ہوں تم حریزہ کو نہیں بھول پا رہے ہو' مگر تم میرا بھی تو احساس کرو' میں بھی تو تم سے بہت محبت کرتی ہوں''۔ لائبہ نے جب شارق کو نارمل ہوتے ہوئے دیکھا تو کہا۔

''تمہاری سمجھ میں میری بات نہیں آتی کیا.....؟ بار بار دہراؤں ایک بات کان کھول کر سن لو آئندہ مجھ سے اس موضوع پر بات مت کرنا اور ہاں اگر تم مجھ سے تنگ آ گئی ہو تو مجھے صاف بتا دو' میں تمہیں آزاد کر دوں گا' جب تم چاہو گی' مگر تم یہ سوچو کہ میں تمہاری سوچ کے مطابق بن جاؤں تو تم غلط سوچ رہی ہو' ایسا کبھی نہیں ہوگا' انڈر اسٹینڈ''۔ شارق اسے انگلی سے وارن کرتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا اور وہ تھک ہار کر بیڈ پر بیٹھ گئی اور کمرے کو دیکھنے لگی' سچ ہی تو کہہ رہا تھا شارق اس کمرے میں صرف حریزہ کے وجود کا احساس ہوتا تھا اسی کی تصویریں یہاں پر لگی تھیں' شارق کا کی الماری بھی تو اس کے ساتھ شیئر تھی' اسے ایسا محسوس ہونے لگا تھا حریزہ کی روح بھی اس کمرے میں گھومتی رہتی ہے اور وہ بھی اس کی بدنصیبی پر ہنستی ہوگی' کہاں تھی وہ کیا ملا اسے شارق سے محبت کر کے' کیا حاصل کیا اس نے کاش کے وہ زویا کی بات مان لیتی' لیکن اب کیا فائدہ تھا' ان باتوں کا سوچ کر شارق کے ساتھ ساتھ وہ بھی زندہ لاش بنتی جا رہی تھی' بس فرق صرف اتنا تھا وہ حریزہ کی محبت میں تڑپ رہا تھا اور وہ شارق کی۔ لائبہ بنا آواز کے آنسوؤں کو اپنے اندر اتار رہی تھی' آج اسے اپنی بربادی پر بے تحاشہ رونا آ رہا تھا' اسے آج یقین ہو گیا تھا مکمل یقین کہ شارق کبھی بھی اس کا نہیں ہو سکتا وہ صرف حریزہ کو چاہتا ہے صرف حریزہ کو تو پھر وہ یہاں کیا کر رہی ہے ان دونوں کے بیچ میں۔ کیوں موجود ہے''۔ لائبہ نے دل میں سوچا کیا صرف اس کے لئے جلنا رہ گیا تھا۔

''ایک بات یاد رکھئے گا آپی! اس آگ کو کوئی نہیں بجھائے گا''۔ لائبہ کو زویا کے الفاظ یاد آئے' ہاں وہ ٹھیک کہتی تھی مگر اب وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی سوائے رونے کے۔

''میں تم سے اب بھی اتنی ہی محبت کرتا ہوں حریزہ جتنی پہلے کرتا تھا' تم آج بھی میرے ساتھ ہو' میں تمہیں ہر پل محسوس کرتا ہوں' تم مجھ سے کبھی جدا ہوئی ہی نہیں تھیں اور مجھے یقین ہے ہم بہت جلد ملیں گے بہت جلد یہ سب لوگ جھوٹ بولتے ہیں تم مر گئی ہو تم مر ہی نہیں سکتیں' کیونکہ تم میرے اندر زندہ ہو میرے وجود کے اندر''۔ شارق جب کمرے میں سے نکلا تو اوپر ٹیرس پر آ گیا اور آسمان کو دیکھتے ہوئے خود سے باتیں کر رہا تھا وہ دیوانہ سا ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی محبت میں دن بہ دن شدت بڑھتی جا رہی تھی' وہ ایک عام انسان لیکن اس کی دیوانگی اور اس کی محبت سچی تھی کسی نے نہ سوچا تھا وہ کبھی اس مقام پر آ کر کھڑا ہو جائے گا زندگی کی تلخ حقیقت اسے اتنا بدل ڈالے گی۔ اس کی دیوانگی سب پر ظاہر ہو گئی تھی نسیمہ بیگم اور اکرام صاحب تو لائبہ سے اپنے بیٹے کے رویئے کی معافی مانگتے اور وہ جواباً خود شرمندہ سی ہو کر انہیں تسلی دے دیتی' یہ سب اس کی قسمت میں پہلے سے لکھا تھا' اکرام صاحب کی بھی صحت دن بہ دن گرتی جا رہی تھی بیٹے کو دیکھ کر اور نسیمہ بیگم تو خود مرجھائی سی رہتی تھیں زندگی کی گاڑی بس ان لوگوں کی ایسی ہی چل رہی تھی' وقت کبھی تھمتا نہیں اس لئے وہ اپنی ہی رفتار سے گزر رہا تھا' مگر ان لوگوں کو لگ رہا تھا جیسے وقت رک سا گیا ہو اور زندگی کا مقصد ختم ہو گیا ہو۔

☆

اس بات کو پندرہ سال گزر چکے تھے۔

لائبہ کچن میں کھانا بنا رہی تھی فون کی گھنٹی مسلسل بجتی جا رہی تھی۔
''لائبہ بیٹا! فون دیکھ لو''۔ مہر والنساء نے آواز دے کر کہا وہ فجر کی نماز پڑھ رہی تھیں' لائبہ کو چولہا بند کر کے جانا پڑا۔
''ہیلو''۔ لائبہ نے فون اٹھاتے ہوئے کہا۔
''جی مسز شارق سے بات کروا دیں''۔ فون کے دوسری طرف کسی مردانہ آواز نے انگلش میں کہا۔
''جی بول رہی ہوں کہیے''۔ لائبہ نے بھی انگلش میں جواب دیا۔
''او ایکچولی میم! آپ کے لئے ایک بری خبر ہے''۔ وہ بندہ ابھی بھی انگلش میں ہی بات کر رہا تھا' لائبہ اس کی بات پر چونکی اچھی خبر کی خیر اسے کوئی امید بھی نہیں تھی۔
''میم! سر شارق کی ڈیتھ ہوگئی ہے کل رات انہیں ہارٹ اٹیک ہوا تھا' انہیں ہاسپٹل لے جایا گیا' مگر انہوں نے رستے میں ہی دم توڑ دیا میم! آپ کے گھر سے کوئی آ جائے اور ان کی باڈی لے جائے''۔ دوسری طرف کسی گورے نے اسے یہ خبر دی کیونکہ شارق پندرہ سال پہلے ہی انگلینڈ چلا گیا تھا' اکیلے اور اس نے اپنا بزنس وہیں سیٹ کر لیا تھا' وہ سب سے بہت دور جانا چاہتا تھا' اس لئے چلا گیا' اس عرصے میں اکرام صاحب اور نسیمہ بیگم کا بھی انتقال ہو گیا تھا' مہران ہاؤس اجڑ تو بہت پہلے ہی گیا تھا اور آج اس خبر نے اس گھر کو مکمل طور پر اجاڑ دیا' دوسری طرف فون بند ہو گیا تھا' مگر لائبہ اسی پوزیشن میں کھڑی سکتے کی سی کیفیت میں تھی' مہر والنساء لائبہ کے پاس آئیں اور اسے ایسے دیکھ کر کچھ حیران ہوئیں۔
''لائبہ! کیا ہوا ہے.....؟ کس کا فون تھا؟'' مہر والنساء نے پوچھا مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا وہ ابھی بھی ویسے ہی کھڑی تھی۔
''لائبہ! کیا ہوا کس کا فون تھا''۔ مہر والنساء نے لائبہ کو ہلا کر پوچھا تو اس کا ذہن کچھ بیدار ہوا۔
''شارق کی ڈیتھ ہوگئی ہے''۔ لائبہ نے سکتے کی کیفیت میں کہا تو مہر والنساء کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھسک گئی جو بھی جیسا بھی تھا' ان کی بیٹی کا سہاگ تھا۔
''کیا.....'' مہر والنساء حیران ہوئیں۔
پھر کب شارق کی باڈی کو واپس لایا گیا اسے خبر نہ ہوئی شارق کی باڈی لینے لائبہ کے ابو ہی گئے اور بعد میں سب سے چھوٹے چچا کا جانے کا ارادہ تھا بزنس سمیٹنا تھا اور واپس پاکستان میں اسٹیبلش کرنا تھا۔
شارق کا جنازہ سامنے رکھا تھا اور لائبہ اسے ٹکر ٹکر دیکھے جا رہی تھی اسے شارق کے چہرے پر بہت سکون دکھائی دے رہا تھا' لائبہ نہ کچھ بول رہی تھی نہ رو رہی تھی' بس ایک سکتہ سا طاری ہو گیا تھا' کتنا ٹوٹ کر چاہا تھا اسے لائبہ نے آج وہ تو اپنی محبت کے پاس واپس لوٹ رہا تھا' مگر وہ کل بھی تنہا تھی اور آج بھی اکیلی رہ گئی تھی۔
شارق کو دفنانے کے لئے لے کر چلے گئے اور وہ اسی پوزیشن میں بیٹھی تھی کب مہر والنساء اسے کمرے میں لے کر گئیں اسے خبر نہ ہوئی اس کے اعصاب منجمد ہو گئے تھے' لائبہ نے ایک نظر کمرے کو دیکھا آج اس کمرے میں حریزہ کے وجود کا احساس نہ تھا' کیونکہ شارق جب انگلینڈ واپس گیا تھا تو حریزہ کی ہر ایک چیز ساتھ لے گیا تھا' بس رہ گیا تھا تو صرف شارق کے وجود کا احساس' جس احساس کی وجہ سے لائبہ اتنے سال کاٹتی رہی تھی اور نجانے کب تک کاٹتے رہنا تھا۔

☆

شفق اقبال

ناولٹ

مجھے جنت کر دو

پنک کلر کی شارٹ شرٹ اور ٹراؤزر میں بالوں کو اوپر اٹھا کر پونی میں قید کیے کمرے کی رائٹنگ ٹیبل پر موجود وہ کبھی لکھنے اور کبھی لیپ ٹاپ پر کچھ سرچ کرنے میں معروف تھی، نیند آنکھوں میں اتر رہی تھی، لیکن پرسوں صبح سویرے پروفیسر نقوی کو اسپیچ جمع کروانی تھی، سو نیند کی پرواہ کیے بغیر وہ پورے دھیان سے اسپیچ تیار کر رہی تھی۔

''لوڈ شیڈنگ عوام کا اتنا بڑا مسئلہ ہے کہ جس پر قابو پانا بہت مشکل ہے، ہماری یوتھ کو چاہیے کہ اپنے ٹیلنٹ

اور ایجوکیشن کے ذریعے اس مسئلے کا حل نکالیں''۔ وہ لوڈ شیڈنگ پر خود کی لکھی گئی اسپیچ کو روانی سے پڑھ رہی تھی، گردن کو ہلکا سا جھکا کر لکھنے کی وجہ سے براؤن سلکی بال کاندھے پر جھول رہے تھے انہماک سے نگاہیں لیپ ٹاپ پر گاڑے وہ کچھ پڑھ رہی تھی، تب ہی دائیں ہاتھ کے سامنے رکھے موبائل پر میسج کی ٹون بجی تھی، چیک کیا تو مدحت کا میسج آیا تھا۔

''آئی ایم سوری یار! میں نے غلطی سے تمہیں لوڈ شیڈنگ پر اسپیچ لکھنے کا کہہ دیا، ایکچوئلی سر نے تمہیں بیروزگاری کا ٹاپک دیا تھا''۔ میسج پڑھ کر تو وانیہ کا دماغ ایک منٹ کے لیے ماؤف ہو گیا، ایک نظر سامنے رکھی ہوئی اسپیچ پر ڈالی اور مدحت کا نمبر ڈائل کیا، اس کے موبائل پر کانٹیکٹ نمبر نکالنے کے لیے بڑے پیچیدہ فنکشن تھے، اس لیے وہ زیادہ تر مدحت کا سیل نمبر ڈائل کر کے اسے کال کرتی تھی، تیز رفتاری سے نمبر ڈائل کر کے اس نے موبائل کان سے لگایا تھا، ٹون... ٹون.... کسی نے کال ریسیو نہ کی، دوسری بار بھی کوئی جواب نہ ملا، اس نے تیسری بار پھر ری ڈائل کیا، کافی دیر تک بیل جانے کے

بعد کال ریسیو کی گئی۔

''ہیلو....!'' آواز بھاری اور کسی مخالف صنف کی تھی۔

''ہیلو....!'' وانیہ نے بے ساختہ کہا تھا۔

''آپ کون؟'' مخالف صنف نے پہلا سوال داغا۔

''جی....وہ....آ....آپ کون ہیں؟'' اس نے کچھ گڑبڑاتے ہوئے پوچھا۔

''میم! آپ کون ہیں، اور آپ کو کس سے بات کرنی ہے؟'' لہجہ نارمل تھا، مگر توقعات کے برعکس آواز اور سیدھے سادھے سوال پر وہ کچھ کنفیوژ ہوگئی تھی، لیکن اب اسے کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگا تھا۔

''آ....آئی ایم سوری....میں اپنی فرینڈ کو کال کر رہی تھی، شاید ڈائلنگ میں مسٹیک ہوگئی ہے''۔ اس نے آواز میں خود اعتمادی ظاہر کی۔

''اوہ....آئی ایم سرپرائزڈ، رات کے دو ڈھائی بجے فرینڈ کو کال؟'' وہ استہزائیہ ہنسا تھا، جس پر وہ تلملا کر رہ گئی تھی۔ انگوٹھے کے زور سے لائن ڈسکنیکٹ کی اور اب وہ اسپیچ کے ٹاپک بدل جانے کا غصہ بھول کر اس رانگ نمبر کی باتوں پر جل بھن رہی تھی، دو تین منٹ وہ غصے میں یوں ہی ساکت بیٹھی رہی، پھر لیپ ٹاپ پر ایک نظر ڈال کر اسے بند کیا، سامنے رکھے رجسٹر کو اٹھا کر پٹختے ہوئے دوسری طرف رکھا اور اس انداز میں بیڈ پر آ کر لیٹ گئی کہ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

☆.....☆.....☆

مدحت اس کے کمرے میں موجود اسے منانے کی کوشش کر رہی تھی، مگر اس کی ناراضی اور خاموشی دونوں ہنوز برقرار تھیں۔

''وانی یار! پروفیسر صاحب نے مجھے کہا تھا کہ میں تمہیں بیروزگاری اور حمزہ کو لوڈشیڈنگ پر لکھنے کا ٹاپک بتادوں، اور مجھ سے یہ غلطی ہوگئی کہ میں نے تم دونوں ہی لوڈشیڈنگ کا ٹاپک بتا دیا''۔ مدحت منہ بناتے ہوئے شرمندگی سے بول رہی تھی۔

''مدحت! مجھے اس بات کا غصہ نہیں کہ تم سے غلطی ہوئی، بلکہ مجھے اس بات پر غصہ آ رہا ہے کہ تمہاری وجہ سے مجھے ایک رانگ نمبر سے فضول قسم کی باتیں سننی پڑیں''۔

''رانگ نمبر سے...؟'' مدحت نے آنکھیں بڑی کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ہاں! کل رات کو تمہارا میسج آیا، تو میں نے تمہیں فون کیا، مگر ڈائلنگ میں مسٹیک ہونے کی وجہ سے کال کہیں اور لگ گئی تھی''۔

''اچھا....تو پھر کیا بات ہوئی، اس رانگ نمبر سے؟'' مدحت نے اشتیاق سے پوچھا تھا۔

''بات کیا ہوئی، اس نے کچھ فضول قسم کی باتیں کیں اور میں نے لائن ڈسکنیکٹ کر دی''۔ وانیہ نے مختصراً بتا کر نگاہوں کا زاویہ بدلا تھا۔

''اچھا خیر چھوڑو، مجھے تم سے یہی امید تھی، یہ بتاؤ کہ اب تو تم مجھ سے ناراض نہیں ہو ناں؟ آئی نو...تم نے کتنی محنت سے اسپیچ تیار کی تھی''۔

''مدحت! میں تم سے ناراض نہیں ہوں، اوکے؟'' وانیہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''اوکے، اس کا مطلب تم سیکنڈ اسپیچ لکھ رہی ہو؟'' اس نے بڑے دوستانہ انداز میں کہا تھا۔

''کوشش کروں گی''۔ وانیہ کے ہلکے پھلکے انداز پر وہ چہکی تھی۔

''یعنی تم پکا لکھ رہی ہو؟''

''جی نہیں، میں نے کہا ہے کہ میں کوشش کروں گی''۔

''وہی تو میں بھی کہہ رہی ہوں کہ تم پکا لکھ رہی ہو،

اوہ تھینک یو سوچ! اچھا کل صبح کالج میں ملیں گے، اوکے بائے''۔ وانیہ کچھ کہنے کی کوشش کرتی رہ گئی، مگر اس نے اسے موقع ہی نہیں دیا، خود ہی سب کچھ کہتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی، اس کی تیز رفتاری پر وانیہ کو بھی ہنسی آ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

رائٹنگ ٹیبل پر موجود وہ لیپ ٹاپ میں کچھ سرچ کر رہی تھی، تب ہی موبائل کی رنگ بجی، لیپ ٹاپ پر سے بغیر نگاہیں ہٹائے اس نے کال ریسیو کی۔

''ہیلو....ہیلو!'' دوسری طرف اسی رانگ نمبر کی آواز تھی جسے سن کر وہ چونک گئی تھی۔

''آئی ہوپ آپ وہی ہیں جن سے کل رات بائی مسٹیک بات ہوئی تھی؟'' لہجہ خوبصورت اور آواز سحر انگیز تھی، لیکن وہ بھی مرغوب ہونے والی نہ تھی۔

''اوہ...تو آپ کو اب بات سمجھ میں آئی ہے کہ کل رات بائی مسٹیک بات ہوئی تھی، حالانکہ کل آپ کا خیال تھا کہ میں نے جان بوجھ کر آپ کو کال کی تھی''۔ وانیہ نے بڑے سخت لہجے میں دل کی بھڑاس نکالی تھی۔

''لگتا ہے آپ کچھ پریشان ہیں؟''

''میں کچھ نہیں بہت زیادہ پریشان ہوں''۔ رعب دکھانے کے چکر میں بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا تھا، اور بولنے کے بعد اس نے زبان دانتوں میں دبالی تھی، اس کی بے ساختگی پر اس رانگ نمبر کو بھی ہنسی آ گئی تھی، مگر ضبط کر لیا تھا۔

''کیا میں آپ کی پریشانی کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟''

''جی نہیں شکریہ!''

''سوچ لیں، ہوسکتا ہے میں آپ کی کوئی ہیلپ کر دوں؟''

''ایکچوئیلی کل رات کی بات پر میں شرمندہ ہوں، آپ کی ہیلپ کر کے شاید میری شرمندگی کچھ کم ہو جائے''۔ وانیہ کو اس کی آواز میں سنجیدگی محسوس ہو رہی تھی، اس لیے کچھ سوچتے ہوئے اس نے لب کشائی کی۔

''مجھے بیروزگاری پر ایک لمبی چوڑی اسپیچ تیار کرنی ہے کل تک، اور میں نے ابھی تک ایک لائن بھی نہیں لکھی ہے، کل رات اسی سلسلے میں اپنی فرینڈ کو کال کر رہی تھی، مگر غلط ڈائلنگ کی وجہ سے آپ کو کال لگ گئی''۔ اس نے مختصراً بتایا تھا۔

''بس اتنی سی بات؟ آپ کی پریشانی سے تو مجھے لگ رہا تھا کہ شاید کوئی بڑی پرابلم ہے''۔ اس نے ایزی لیتے ہوئے کہا تھا۔

''فی الحال تو یہی میرے لیے بڑی پرابلم ہے''۔ وانیہ نے جواب دیا تھا۔

''اوہ....کول ڈاؤن، میں نے اسکول اور کالج لائف میں بہت سی اسپیچ لکھی ہیں، بیروزگاری پر بھی، میرے پاس سیو بھی ہے، آپ اپنا ای میل ایڈریس دے دیں، تو میں ابھی آپ کو اسپیچ ای میل کر دیتا ہوں''۔ اس کی بات پر وانیہ اس سوچ میں پڑ گئی کہ ای میل ایڈریس دے یا نہیں، کہیں یہ بعد میں پریشان نہ کرے۔

''کیا ہوا....آپ خاموش ہوگئیں؟''

''اوہ....ہاں....وہ میں تھوڑی دیر میں ایڈریس ٹیکسٹ کرتی ہوں''۔ اس نے کچھ گڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''اوکے i am waiting''۔ کہہ کر اس نے لائن کاٹ دی، ادھر وانیہ پھر اسی سوچ میں پڑ گئی، لیکن اسے کل صبح کالج میں سب سے پہلے اسپیچ جمع کروانی تھی، اور ذہن میں ایسا کچھ نہیں تھا، جسے وہ کاغذ پر اتارتی، سو نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اپنا ای میل ایڈریس ٹیکسٹ کرنا پڑا۔

☆.....☆.....☆

''تھینک یو''۔ وانیہ نے میسج ٹیکسٹ کیا۔

''For What?'' فوراً ریپلائی آیا۔

''آج کالج میں فنکشن تھا، میری اسپیچ کی سب نے تعریف کی، بہت اچھے comments ملے، اس لیے''۔

''اوہ.... آئی ایم سوگلیڈ، اگر پھر کبھی کوئی پرابلم ہو، تو اس دوست کو ضرور یاد کریے گا''۔

''دوست....؟'' وانیہ نے میسج میں سوال پوچھا تھا۔

''ہاں.... کیوں ہم دوست نہیں بن سکتے؟'' وانیہ کو میسج پڑھ کر غصہ آیا تھا، اس نے فوراً ریپلائی کیا۔

''مجھے پتہ تھا، آپ ضرور مجھے اسی طرح دوستی کی آفر کریں گے، صرف اسی لیے میں اپنی پرابلم آپ کے ساتھ شیئر نہیں کر رہی تھی''۔ وانیہ نے میسج سینڈ کیا، رانگ نمبر کو میسج پڑھ کر کچھ حیرت ہوئی، اور پھر اس نے بھی میسج ٹائپ کرنا شروع کیا۔

''میرا نہیں خیال تھا میڈم! کہ آپ میرے بارے میں اس طرح بھی سوچیں گی، خیر اب تک کے لیے آئی ایم سوری، آئندہ آپ کو تنگ نہیں کروں گا''۔ میسج پڑھ کر ایک لمحے تک اس کی نگاہیں موبائل پر جمی رہیں، ایک ہفتے پہلے کا منظر اس کے دل و دماغ کے پردے پر رونما ہونے لگے۔ اسپیچ تیار کرتے وقت وہ کتنی پریشان تھی، اگر اس رانگ نمبر کی مدد اسے حاصل نہ ہوتی تو کیا وہ ایسی اسپیچ لکھ پاتی؟ کالج کے اتنے بڑے فنکشن میں کیا اس کی اسپیچ کو اتنی پذیرائی ملتی؟ وہ خود سے یہ سوال کرتی رہی۔

''مجھے اس طرح نہیں کہنا چاہیے تھا''۔ وانیہ اپنی شرمندگی کو مٹانے کے لیے پھر سے میسج ٹائپ کرنے لگی۔

''آئی ایم سوری، مجھے اس طرح نہیں کہنا چاہیے تھا''۔

''اٹس اوکے''۔ رانگ نمبر نے بھی فوراً ریپلائی کیا۔

وانیہ کی شرمندگی کچھ کم ہوئی، اور حیرت بھی ہوئی، اس کال کی۔ دو تین بیل کے بعد رانگ نمبر نے کال ریسیو کی۔

''ہیلو....!'' وانیہ نے بھی ہیلو کہا، اور بات شروع کی۔

''مجھے نہیں پتہ تھا کہ آپ اتنی جلدی میری سوری accept کر لیں گے''۔

''یہ میں نے آپ سے ہی سیکھا ہے، آپ نے بھی میری سوری کو اتنی ہی جلدی accept کر لیا تھا، پھر اپنی پرابلم بھی شیئر کی تھی''۔

''اوہ.... تھینک یو''۔ وانیہ نے کہا تھا۔

''کیا ہم دوست بن سکتے ہیں؟'' اس بار خود اس نے اسے دوستی کی آفر کی تھی۔

''یہ آپ کے شایان شان کے خلاف نہیں ہوگا؟'' دوسری طرف سے جواب ملا۔

''آپ طنز کر رہے ہیں؟''

''جی نہیں میں اپنی دوست سے مذاق کر رہا ہوں''۔ اس کے جواب پر وانیہ کو کھل کر ہنسی آئی تھی، البتہ رانگ نمبر اس کی ہنسی کو بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

وانیہ اور زایان کی فون پر دوستی کافی گہری ہو چکی تھی مگر انہوں نے ابھی تک ایک دوسرے کو اپنا نام نہیں بتایا تھا، اور نہ کبھی پوچھا تھا، یہاں تک کہ کبھی ایک دوسرے سے ملنے یا دیکھنے کی بھی خواہش ظاہر نہیں کی تھی، ان کی دوستی اتنی گہری ہو گئی تھی کہ وہ دونوں اپنی ہر پرابلم ایک دوسرے سے شیئر کرنے لگے تھے، اور پھر ان کی دوستی اس طرح محبت میں بدلتی چلی گئی، کہ انہیں خبر بھی نہ ہوئی، اگر کچھ پتہ تھا تو صرف اتنا کہ اب وہ ایک دوسرے کے بغیر رہ نہیں سکتے تھے، ایسا نہیں تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے

سے ملنے کے لیے بے چین تھے، مگر ایک دوسرے کی آواز سن کر ہی ان کے پورے دن کی تھکن اتر جاتی تھی۔

☆.....☆.....☆

فاروقی صاحب کے ایک گہرے دوست مسٹر شہود نے ایک پارٹی ارینج کی تھی، گو کہ صرف خاص لوگ ہی مدعو تھے، مگر پارٹی بارونق تھی، کچھ مسٹر فاروقی کے جاننے والے بھی تھے، جن سے وانیہ کو مل کر خوشی ہوئی تھی، وہ وہاں پر موجود خواتین کی نظروں کے حصار میں تھی، آخر وہ کسی پری سے کم نہیں لگ رہی تھی، ڈارک گرین کلر کی شہنیلی کی قمیض اور کھڑے پاجامے میں اس کی سفید رنگت نکھر رہی تھی، سلکی اور اسٹیپ کٹنگ بالوں کو کھلا ہی چھوڑا ہوا تھا، ہاف سلیوز میں دونوں بازوؤں کو بہت ہی اسٹائلش کڑوں سے آراستہ کیا ہوا تھا، ہلکا سا میک اپ آئی لائنر اور مسکارے کی مدد سے آنکھوں کو خوبصورت بنایا گیا تھا، ہلکی سی لپ اسٹک میں تراشے ہوئے ہونٹ مسکراتے ہوئے سب کی توجہ کا مرکز بن رہے تھے۔

''پاپا! اور کتنی دیر لگے گی؟ مجھے نیند آ رہی ہے''۔

''بس بیٹا! چلتے ہیں، ابھی تھوڑی دیر میں''۔

''اور آپ کو نیند کیوں آ رہی ہے، آپ بور ہو رہی ہو؟'' فاروقی صاحب نے بڑے والہانہ انداز میں کہا تھا۔

''بور تو نہیں ہو رہی ہوں، مدحت ہے میرے ساتھ، لیکن پاپا! اتنی رات ہو گئی ہے، صبح کالج بھی جانا ہے، اوکے شہود آ جائے، پھر اس سے مل کر چلتے ہیں''۔ فاروقی صاحب نے اپنے اردگرد شہود صاحب کو دیکھا تھا، جو مسز زین کے پاس کھڑے باتوں میں مصروف تھے، فاروقی صاحب بھی وہیں چلے گئے تھے، وانیہ نے ایک نظر اپنی گھڑی اور موبائل پر ڈالی۔

''اوہ گاڈ! پونے بارہ ہو رہے ہیں، موبائل کی بیٹری بھی ڈیڈ ہے، اس کی کال بھی آنی ہوگی''۔ اس نے کچھ پریشانی سے سوچا، جبکہ دور کھڑی مدحت جو اپنی فیملی اور سلمٰی بیگم کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی، وانیہ کو دیکھ کر اس کی پریشانی کچھ کچھ سمجھ چکی تھی، اس لیے کچھ منٹ بعد ہی وہ وانیہ کے پاس آ گئی۔

''کیا ہوا.... پریشان لگ رہی ہو؟'' مدحت نے پوچھا۔

''ہاں میرے موبائل کی بیٹری ڈیڈ ہو گئی ہے، رانگ نمبر کی کال آتی ہوگی، لیکن سیل آف ہے''۔

''اوہ.... تو تم ایسا کرو، میرے موبائل سے اسے میسج کر دو کہ آج تم بات نہیں کر سکو گی''۔ وانیہ اس کے موبائل سے میسج کرنے پر کترا رہی تھی۔

''لو.... میسج کرو اسے، ورنہ وہ پریشان رہے گا''۔ مدحت کے دوبارہ کہنے پر وہ اس کا موبائل لے کر اسے میسج کرنے لگی۔

☆.....☆.....☆

اپنے احساس سے چھو کر مجھے صندل کر دو
میں صدیوں سے ادھورا ہوں مکمل کر دو
نہ تمہیں ہوش رہے اور نہ مجھے
اس قدر ٹوٹ کے چاہو مجھے پاگل کر دو

میسج پر یہ غزل پڑھ کر اس کے لبوں پہ ایک بہت ہی خوبصورت سی مسکراہٹ ٹھہر گئی تھی، وہ بیڈ پر لیٹ کر ایک بار پھر یہ غزل پڑھنے لگی، غزل پڑھنے کے بعد اسے شرارت سوجھی، اس نے فوراً میسج ٹائپ کیا۔

''کتنی خوبصورت غزل ہے، جس نے لکھا ہے اس کے جذبات بھی اتنے ہی خوبصورت ہوں گے، ہے ناں؟'' اس نے سوالیہ نشان لگایا تھا، میسج پڑھتے ہی رانگ نمبر کو اپنا آپ کہیں گمشدہ معلوم ہوا، جھٹ سے کانٹیکٹ نمبر میں سے نمبر نکال کر ڈائل کیا۔ پہلی بیل ہی میں کال

ریسیو کی گئی۔

''ہیلو...!'' وانیہ جیسے ہی ہیلو کہہ کر خاموش ہوئی، اس نے بولنا شروع کیا۔

''اے مس رانگ نمبر! کیا کہہ رہی تھیں تم؟ کس نے لکھی ہے یہ غزل؟''

''آ....وہ....میں تو بس یہ کہہ رہی تھی کہ یہ غزل جس نے لکھی ہے، اس کے جذبات بھی اتنے ہی خوبصورت ہوں گے''۔ وانیہ نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا تھا۔

''اچھا....اور جس نے یہ غزل سینڈ کی ہے، اس کے جذبات کے بارے میں کیا خیالات ہیں آپ کے؟'' اس کی بات پر وانیہ خاموش ہوگئی تھی۔

''ایک بات کہوں مس رانگ نمبر! اس غزل کو تو کسی اور نے لکھا ہے، مگر اس کے ایک ایک لفظ میں میرے جذبات پوشیدہ ہیں، اور انہیں محسوس کرنے کا حق تمہیں ہے، صرف تمہیں''۔ زایان سنجیدگی سے بولے جا رہا تھا، اور وہ خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھی، اس کا دل زوروں سے دھڑک رہا تھا، موبائل پکڑے ہاتھوں میں لغزش بھی ہونے لگی تھی۔

''مس رانگ نمبر! کہاں کھو گئیں تم؟'' وانیہ کی خاموشی پر زایان نے بہت نرمی سے ٹوکا۔

''ہاں....مجھے پہلی بار کوئی غزل اتنی اچھی لگی ہے''۔ اس کے ٹوکنے پر وہ بری طرح چونکی تھی، لیکن پھر سنبھل کر بولی۔

''اوہ....تو پھر کیوں ناں یہ غزل میں خود پڑھ کر تمہیں سناؤں''۔

''وائے ناٹ!'' وانیہ جھٹ سے بولی۔

''آں....لیکن ابھی نہیں''۔

''تو پھر کب؟''

''اس وقت میں تمہیں یہ غزل پڑھ کر سناؤں گا جب تمہاری اور میری شادی ہوگی''۔

''شادی؟'' بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا تھا۔

''ہاں....جب محبت کی ہے تو شادی بھی تو ہوگی''۔ اس کی بات پر وانیہ کو حیرت ہوئی تھی۔

''کیوں شادی نہیں کرنی؟'' زایان نے پوچھا۔

''نہیں اصل میں، میں نے اس بارے میں کچھ سوچا نہیں ہے''۔ وہ گھبراتے ہوئے بولی تھی، اور اس کی گھبراہٹ کو زایان سمجھ رہا تھا۔

''تو پھر سوچ لو، مس رانگ نمبر! کیونکہ میں بہت جلد تمہیں اپنی زندگی میں شامل کرنے والا ہوں''۔ زایان کی باتیں سن کر اس کے اندر انوکھے جذبات سر اٹھانے لگے تھے، معصوم محبت کی کئی کلیاں کھلنے لگی تھیں، دل کے گلستاں میں بہار محبت نے ہلچل سی مچا دی تھی۔

☆.....☆.....☆

''وانیہ بیٹا! تم کالج سے آ گئیں، اب جلدی سے چینج کر کے کچھ کھا لو، پھر تیار ہو جانا''۔ سلمٰی بیگم کچن سے کمرے کی طرف جا رہی تھیں، تب ہی انہوں نے وانیہ کو گھر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔

''کیوں مما! ہم کہیں جا رہے ہیں؟''

''ہاں بیٹا! تمہارے بڑے پاپا کا فون آیا تھا، کمپنی کی طرف سے تین سال کے لیے وہ بیرون ملک جا رہے ہیں، کل ان کی فلائٹ ہے، اس لیے سارے رشتے دار ان سے ملنے آج ہی حیدر آباد جا رہے ہیں''۔

''لیکن مما! میری پیکنگ....!''

''اس کی فکر مت کرو، میں نے تمہارے کپڑوں اور چیزوں کی پیکنگ کر لی ہے، بس تم تیار ہو جاؤ، تھوڑی دیر میں ہم نکلنے والے ہیں''۔ سلمٰی بیگم اسے ہدایت کر کے اپنے کمرے کی طرف جا چکی تھیں، اور وہ اس طرح اچانک سے دوسرے شہر جانے پر کچھ پریشان ہوگئی تھی۔

☆.....☆.....☆

تقریباً ایک مہینہ گزر چکا تھا اور اس کی مس رانگ نمبر سے فون پر بات نہیں ہوئی تھی، وہ جب بھی اسے کال کرتا، تو کوئی جواب موصول نہ ہوتا، اس دوران اس کی کیفیت بن پانی کی مچھلی جیسی ہوگئی تھی، آفس میں بھی وہ اسی کے بارے میں سوچتا رہتا۔

''زایان! آج کل اتنا گم صم سا کیوں ہے، سب خیریت تو ہے؟'' فرزانہ بیگم اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس کھڑی تھیں، جہاں سے انہیں زایان گارڈن میں پودوں کے درمیان کھڑا نظر آیا تھا، چند منٹ بعد وہ بھی وہیں آ گئی تھیں، لان کے سوٹ میں بالوں کو فولڈ کر کے کیچر میں مقید کیے وہ ایک پرکشش خاتون لگ رہی تھیں۔

''زایان! تم کچھ پریشان ہو، کافی دیر سے میں دیکھ رہی ہوں، کچھ گم صم سے نظر آ رہے ہو؟''

''نہیں مما! ایسی تو کوئی بات نہیں، میں تو بس یوں ہی یہاں پر کھڑا ہوں''۔

''لیکن بیٹا! مجھے تو لگ رہا ہے کہ تم پریشان ہو کسی وجہ سے، کوئی بات ہے جو تمہیں سوچ میں مبتلا کیے ہوئے ہے''۔ فرزانہ بیگم نے اپنی نگاہوں میں بیٹے کا بھرپور جائزہ لیا، اس کی ڈارک براؤن آنکھوں میں اب پہلے جیسی چمک نہیں تھی، اس کے ہونٹ بات بے بات ہنسنا بھول گئے تھے۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے مما! ایکچوئیلی کافی دنوں سے میں ایک دوست کو فون کر رہا ہوں، لیکن اس کا سیل آف جا رہا ہے''۔

''تو بیٹا! آپ کچھ دن اور انتظار کر لو، پھر ٹرائی کر لینا، اس میں پریشانی والی کون سی بات ہے؟''

''مما! میں انتظار تو کر رہا ہوں، لیکن پریشان اس لیے ہوں کہ کہیں وہ کسی پرابلم میں نہ ہو''۔

''اوہ آئی سی!'' فرزانہ بیگم نے فکرمندی سے کہا تھا۔

''تو پھر بیٹا! ایسا کرو کہ اس کے کسی دوست سے تو تمہاری تھوڑی بہت جان پہچان ہوگی، تم اس سے کانٹیکٹ کرو اور اپنے دوست کے بارے میں پتہ کرو''۔ انہوں نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کی پریشانی کا حل بتایا تھا، جبکہ ان کے مشورے پر زایان کو ایک دم سے کچھ یاد آ گیا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں مما! میں کوشش کروں گا''۔ زایان اب کچھ ایزی فیل کر رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

''اوہ....تو آپ ہیں، وانیہ کے رانگ نمبر؟'' مدحت چائے کا کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولی۔

''اس کا نام وانیہ ہے؟'' زایان کے لبوں پر ہنسی دوڑ گئی۔

''جی، لیکن ہم سب پیار سے اسے وانی کہتے ہیں، آپ کو میرا سیل نمبر کیسے ملا؟'' مدحت نے اس کا نام بتانے کے بعد پوچھا۔

''دراصل ایک بار آپ کے سیل نمبر سے وانیہ نے میسج کیا تھا، اور اسے میں نے سیو کر لیا تھا، اس وقت شاید اس کے سیل کی بیٹری ڈیڈ ہوگئی تھی''۔ اس کے بتانے پر مدحت کو یاد آ گیا تھا کہ وہ کس دن کا ذکر کر رہا ہے۔

''لاسٹ پیپر میں میری اس سے ملاقات ہوئی تھی، پھر گھر جانے کے بعد اس کا میسج آیا کہ وہ لوگ حیدر آباد جا رہے ہیں اور پھر اس کے بعد سے میری اس سے فون پر کوئی بات ہی نہیں ہوئی، میں بھی حیران ہوں کہ اس نے ابھی تک مجھ سے کانٹیکٹ کیوں نہیں کیا؟ خیر میری بھی ایک مہینے سے اس سے بات نہیں ہوئی، ایسی صورت میں، میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟'' مدحت نے سوالیہ

انداز میں پوچھا۔

''میں وانیہ کے گھر رشتہ بھیجنا چاہتا ہوں''۔ زایان نے مدحت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا جبکہ وہ اس کی بات پر حیرانگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''زایان! مجھے نہیں پتہ تھا، کہ آپ بھی اتنے ہی سیریس ہیں، جتنی کہ وانیہ، اب مجھے یقین آ گیا ہے کہ آپ واقعی میں اسے چاہتے ہیں''۔

''مدحت! مجھے آپ سے ایک فیور چاہیے تھی''۔ زایان کے انداز میں ایک امید تھی۔

''زایان! آپ مجھے اپنی ایک مخلص دوست سمجھیں، میں اس معاملے میں آپ کی ہر ممکن مدد کروں گی''۔

''تھینک یو مدحت! دراصل میں چاہتا ہوں کہ آپ اسے میرے بارے میں کچھ نہ بتائیں، جب وہ واپس آئے گی، تو میں اپنے والدین کو اس کے گھر بھیجوں گا، اپنے اور اس کے رشتے کے لیے، رانگ نمبر بن کر نہیں بلکہ زایان ملک بن کر، مجھے یقین ہے کہ وہ انکار کر دے گی، لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ اسے میرے بارے میں بتائے بغیر اس رشتے کے لیے راضی کر لیں''۔

''لیکن کیوں؟'' مدحت نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''بس یوں ہی، میں اسے سرپرائز دینا چاہتا ہوں''۔ زایان کی بات سن کر مدحت نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

☆.....☆.....☆

تصویر میں گوری رنگت، گلابی پنکھڑی جیسے ہونٹ اور کشادہ چمک دار آنکھوں والی لڑکی بلاشبہ حسن کے ہر پیمانے پر پوری اتری تھی، بلیک کلر کی ڈھیلی ڈھالی شرٹ میں میک اپ سے انجان معصوم سے چہرے پر گہری مسکراہٹ سجائے وہ سادگی میں بھی حسن کی ملکہ لگ رہی تھی، براؤن گھنگھریالے بال کھلے ہوئے بڑے ہی خوبصورت لگ رہے تھے، زایان کی نگاہیں تصویر پر جمی ہوئی تھیں اور لبوں پر ایک بہت ہی خوبصورت سی مسکراہٹ ٹھہر گئی تھی۔

''زایان....زایان!'' مدحت کی آواز پر وہ چونکا تھا۔

''لگتا ہے میری دوست کچھ زیادہ ہی پسند آئی ہے؟'' مدحت نے شرارت سے کہا۔

''کچھ زیادہ نہیں، بہت زیادہ''۔ اس کی بات پر مدحت کو ہنسی آ گئی تھی، تصویر اب بھی اس کے ہاتھ میں تھی اور وہ بڑی دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا، اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ تصویر کو اپنی نگاہوں سے ہٹائے، لیکن مدحت کی موجودگی میں اسے تصویر کو اس طرح دیکھنا مناسب بھی نہیں لگ رہا تھا، سو اس نے بڑی حفاظت سے تصویر لفافے میں ڈال کر اپنے پاس رکھ لی تھی۔

☆.....☆.....☆

فیروزی کلر کے کاٹن کے سوٹ میں بالوں کی ڈھیلی ڈھالی سی چوٹی آگے کیے وہ مدحت کے مدمقابل بیٹھی تھی، تھکا تھکا سا چہرہ لیے وہ گزشتہ ایک مہینے کا حال اسے بتا رہی تھی۔

''بڑے پاپا کے جاپان جانے کے دو دن کے بعد پاپا کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا، ہم سب اسپتال میں تھے، پاپا کو اسپتال کے بیڈ پر دیکھ کر تو میں خود کو سنبھال نہیں پا رہی تھی، ان کی صحت یابی کے لیے کتنی دعائیں مانگی تھیں، کتنی ہی منتیں مان لی تھیں''۔ گزرے دنوں کو یاد کر کے اس کی آنکھیں پھر بھر آئی تھیں، مدحت نے اسے خود سے لگا لیا تھا۔

''وانی! میری دوست، اتنا سب کچھ ہو گیا، تم نے مجھے ایک فون تک نہیں کیا''۔

''اس وقت مجھے کچھ ہوش نہیں تھا، کچھ ذہن میں نہیں تھا مدحت! میں اپنے پاپا سے بہت پیار کرتی ہوں، میں انہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی۔

''وانی! انکل ٹھیک ہو چکے ہیں، تم بھی اب خود کو سنبھالو، آنٹی کو دیکھو، کتنی بہادری سے انہوں نے ایسی پیچیدگی کا سامنا کیا اور تمہیں تو انکل کی صحت یابی پر خوش ہونا چاہیے، خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے''۔ مدحت کے تسلی دینے سے وانیہ کا دل کچھ ہلکا ہوا تھا۔

''وانی...! کیا تم نے اس رانگ نمبر سے کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کی تھی؟'' مدحت نے کچھ جھجکتے ہوئے پوچھ ہی لیا تھا۔

''نہیں''۔ وانیہ نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

''یہاں سے جب ہم گئے تھے تو میرا سیل آف تھا، وہاں سارے رشتے دار اور کزنز کے درمیان مجھے موقع نہیں ملا سیل آن کرنے کا، اور جب پاپا کو ہارٹ اٹیک ہوا تو اس کے بعد سے میں نے سیل نکالا بھی نہیں''۔ وہ اسے سرسری سے انداز میں بتا رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

''اوہ.....آئی سی.... پچھلے ایک مہینے سے وانیہ اتنی پریشان تھی''۔ زایان کو مدحت کی زبانی وانیہ کے بارے میں سن کر افسوس ہوا تھا، وہ دونوں ایک چھوٹی سی کافی شاپ پر بیٹھے تھے۔

''تو پھر زایان! اب کیا سوچا ہے تم نے؟''

''میں سوچ رہا ہوں کہ اپنے والدین کو تمہارے تھرو ان کے یہاں بھیجوں''۔

''وہ کیسے؟'' مدحت متجسس ہو کر بولی اور زایان نے اسے ساری تفصیل بتا دی، جسے سن کر مدحت نے اپنی ہنسی پر قابو پایا تھا، اور تائید میں سر ہلایا تھا۔

☆.....☆.....☆

''مما! مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے، جب آپ فری ہو جائیں تو میرے کمرے میں آ جائیے گا''۔

''کون سی بات بیٹا؟''

''ہے ایک بات مما! پہلے آپ فری ہو جائیں، پھر بات کریں گے''۔ زایان یہ کہتے ہی پانی کا گلاس لے کر کچن سے باہر چلا گیا، فرزانہ بیگم وہیں کھڑیں کسی سوچ میں پڑ گئیں، آدھے گھنٹے بعد جب وہ فارغ ہو کر اس کے کمرے میں گئیں تو وہ بیڈ پر سیدھا لیٹا ہوا تھا، نگاہیں اوپر چھت کی طرف تھیں، فرزانہ بیگم دروازہ آہستہ سے بند کر کے اس کے پاس آ کر بیٹھ گئیں، ان کے بیٹھتے ہی زایان کی نگاہیں ان پر پڑی تھیں اور وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

''کیا ہوا زایان! کیا بات کرنی تھی تمہیں؟''

''مما! ایکچوئیلی میں....!'' وہ انہیں بتانے کی کوشش کر رہا تھا، مگر نروس اتنا تھا کہ لفظ اس کی زبان تک آتے آتے رک جاتے تھے۔

''زایان! کیا بات ہے بیٹا! بتاؤ مجھے؟'' زایان نے بہت مشکل سے لفظوں کو توڑ توڑ کر آخر اپنے دل کی بات بتا دی جسے سن کر فرزانہ بیگم کا سارا تجسس ایک لمحے میں ختم ہو گیا، اور وہ مسکرانے لگیں، زایان کو ان کی مسکراہٹ دیکھ کر کچھ کہنے کی ہمت بندھی۔

''مما! میں چاہتا ہوں کہ آپ اور پاپا ایک بار اسے دیکھ لیں، آپ دونوں کی مرضی میرے لیے بہت اہم ہے''۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے بیٹا! مگر ایک بات بتاؤ، یہ وہی دوست ہے ناں جس کا سیل آف جا رہا تھا، اور تم اس سے بات نہ ہونے پر پریشان تھے؟'' زایان نے ان کی

باتوں پر جھینپتے ہوئے نگاہیں جھکالی تھیں، یوں جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو، اس کے اس طرح جھینپنے پر وہ کھل کر ہنسی تھیں، جس پر زایان بھی مسکرانے لگا تھا۔

''مما! جب آپ اور پاپا ان کے یہاں جائیں گے تو پلیز ان کو یہ مت بتایئے گا کہ میں اسے پسند کرتا ہوں، میری ایک دوست ہے، مدحت، آپ وہاں اس کے تھرو جایئے گا اور ان لوگوں کو کہیے گا آپ نے مدحت کے فوٹو البم میں اس کی تصویر دیکھی تھی، اور آپ کو وہ پسند آئی تھی''۔

''ہوں.... یعنی کہ آپ لو میرج پر ارینج میرج کی مہر لگانا چاہتے ہیں؟''

''جی مما!'' زایان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''مما! آپ اور پاپا وہاں جائیں گے ناں؟'' زایان نے سوالیہ انداز میں پوچھا تھا۔

''ہاں بیٹا! میں کیوں نہیں جاؤں گی وہاں، میرے بیٹے کی خوشیوں کا سوال ہے، مجھے تو جانا ہی ہوگا، زایان! مجھے اور تمہارے پاپا کو تمہاری خوشیاں سب سے زیادہ عزیز ہیں''۔ فرزانہ بیگم نے بیٹے کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تھا۔

☆.....☆.....☆

''مدحت تو ہمارے لیے فیملی ممبر کی طرح ہے، لیکن اس نے کبھی آپ لوگوں کے بارے میں بتایا نہیں؟'' سلمٰی بیگم مدحت اور زایان کی دوستی کا سن کر متعجب تھیں، فاروقی صاحب بھی وہیں موجود تھے۔

''ہوسکتا ہے کبھی ایسا موقع آیا نہ ہو، ہم نے بھی مدحت کی ایک فوٹو البم میں آپ کی بیٹی کی تصویر دیکھی اور پسند کیا تھا''۔ فرزانہ بیگم اور ایاز ملک بہت ہی نرم دل شخصیت تھے، سلمٰی بیگم اور فاروقی صاحب ان سے مل کر خوش ہوئے تھے، زایان نے مدحت اور اپنے والد [illegible] جو کچھ سمجھایا تھا وہ اسی پر عمل کر رہے تھے، مدحت [illegible] کے والدین کو لے کر وانیہ کے گھر آئی تھی اور تھوڑی [illegible] ان کے ساتھ بیٹھ کر وانیہ کے کمرے میں چلی گئی تھی۔

''مدحت نے ہمیں آپ کے بیٹے کی تصویر دی [illegible] ویسے تو آپ کا بیٹا ہمیں پسند آیا ہے، لیکن بہتر ہوتا اگر [illegible] خود اسے دیکھ لیتے''۔ اس بار سلمٰی بیگم نے اپنا خیال [illegible] کیا تھا۔

''کیوں نہیں؟ آپ اور بھائی صاحب اس اتوار [illegible] ہمارے یہاں ڈنر پر آجائیں، وہیں آپ ہمارے بیٹے [illegible] بھی دیکھ لیجیے گا''۔ ایاز صاحب نے مشورہ دیا تھا۔

''اتنے تکلف کی کیا ضرورت ہے بھائی صاحب [illegible] ہم یوں ہی کسی دن آجائیں گے''۔ فاروقی صاحب [illegible] کہا تھا۔

''اس میں تکلف کی کیا بات ہے، آپ دونوں [illegible] ہمارے یہاں ڈنر پر آئیں گے تو ہمیں خوشی ہوگی''۔ ایا[illegible] صاحب نے بڑی خوش اسلوبی سے انہیں ڈنر کے لیے آمادہ کرلیا تھا۔

''السلام علیکم!'' وانیہ نے بڑے مودب انداز میں سلام کیا تھا، وہ اور مدحت ہال کمرے میں داخل ہوئی تھیں، فرزانہ بیگم نے وانیہ کو اپنے ساتھ بٹھایا تھا، کافی [illegible] تک وہ سب آپس میں باتیں کرتے رہے، فرزانہ بیگم اور ایاز ملک کو وانیہ ایک ہی نظر میں پسند آئی تھی، فرزانہ بیگم [illegible] بہانے بہانے سے وانیہ سے باتیں کرتیں، جبکہ وہ صرف ہاں یا ہوں میں جواب دے کر خاموش ہوجاتی۔

☆.....☆.....☆

''کیا.... مجھے شادی نہیں کرنی ابھی''۔

''کیوں نہیں کرنی ابھی؟''

''نہیں مما! یوں ہی''۔

''یہ کیا بات ہوئی، کوئی تو وجہ ہوگی؟''

''کوئی وجہ نہیں ہے مما! بس ایسے ہی''۔

''وانی! میں تمہیں کل سے سمجھا رہی ہوں، لیکن تم شادی کے لیے راضی نہیں ہو رہی ہو، تمہارا اس طرح بار بار انکار کرنا مجھے شک میں مبتلا کر رہا ہے، اگر تمہیں کوئی اور پسند ہے تو وہ بھی بتادو، تمہارے پاپا کو تمہاری پسند پر اعتراض نہیں ہوگا''۔ پسند کی بات سن کر وانی کی آنکھوں میں آنسو آچکے تھے، دل میں ایک درد چھپا تھا، جو ایک دم سے تازہ ہوگیا تھا۔

''وانی! کیا ہوا ہے بیٹا! کیوں رو رہی ہو؟'' سلمٰی بیگم نے اس پر ایک نظر ڈالی تو اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر لہجے کی سختی نرمی میں بدل گئی تھی۔

''وانی میری جان! تم کیوں اس رشتے سے انکار کر رہی ہو؟ تمہارے پاپا کو لڑکا پسند ہے، ایجوکیٹڈ ہے، فیملی اچھی ہے، میں جانتی ہوں کہ تم کیوں رو رہی ہو، اسی لیے ناں کہ تم ہم سے دور ہونا نہیں چاہتیں، تو بیٹا! بیٹی کی طرف سے والدین اسی وقت پرسکون ہوتے ہیں جب وہ اپنے گھر کی ہوجاتی ہے''۔ سلمٰی بیگم اسے پیار سے اپنے سے لگا کر سمجھا رہی تھیں، جبکہ وقفے وقفے سے وانی کی آنکھوں سے آنسو گر کر رخساروں پر پھسل رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

''آنٹی! بتا رہی تھیں کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں؟''

''ہوں.... ہلکا سا ٹمپریچر ہے''۔

''دوائی لی؟'' مدحت کے پوچھنے پر وانیہ نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''کیوں.... اگر طبیعت ٹھیک نہیں تو دوائی لینی چاہیے تھی، پتہ ہے انکل اور آنٹی تمہاری وجہ سے آج کل کتنے پریشان رہنے لگے ہیں، ایک طرف تم اپنے پاپا سے اتنا پیار کرتی ہو، اور دوسری طرف ان کی پریشانیوں کو مزید بڑھا رہی ہو''۔

''میں نے ایسا کیا کیا ہے مدحت! صرف اتنا ہی کہا ہے کہ مجھے فی الحال شادی نہیں کرنی''۔

''اور تمہارے اتنا کہہ دینے سے وہ دونوں کتنا فکرمند ہوگئے ہیں، اس کا اندازہ ہے تمہیں؟''

''مدحت! تم جانتی ہو، میں کیوں شادی سے انکار کر رہی ہوں''۔ وانیہ کی پلکیں بھیگ چکی تھیں، اور آواز نے اپنے اندر لڑکھڑاہٹ پیدا کرلی تھی۔

''ہاں میں جانتی ہوں، لیکن تم نے اسے خود فون کیا تھا ناں، ایک نہیں کتنی بار تم نے اسے فون کیا تھا، لیکن اس نے ایک بار بھی تمہاری کال ریسیو نہیں کی، وہ تم سے بات نہیں کرنا چاہتا وانی!''

''ایسا نہیں ہوسکتا مدحت!'' وانی نے تڑپ کر کہا تھا۔

''وانی! تمہیں اس رانگ نمبر کا نام نہیں معلوم، پتہ نہیں معلوم، وہ کیا کرتا ہے، تم کچھ نہیں جانتیں، اگر تم اپنے والدین کو اس کے بارے میں بتاؤ گی بھی تو کیا؟ صرف ایک سیل نمبر دکھاؤ گی انہیں، جس پر تمہاری کال ریسیو بھی نہیں ہو رہی، میری بات مانو وانی! اگر وہ تم میں واقعی میں انٹرسٹڈ ہوتا تو ضرور تمہاری کال ریسیو کرتا''۔ مدحت کی باتیں اب اس کی سمجھ میں آرہی تھیں، وہ چپ چاپ اس کی باتیں سن رہی تھی۔

''وانی! انکل چاہتے ہیں کہ جلد سے جلد تمہاری شادی ہوجائے، اس لیے وہ تمہارے لیے فکرمند ہیں، تم یہ بھی سوچو کہ وہ ہارٹ پیشنٹ ہیں، تمہیں ان کی خاطر ان کی بات مان لینی چاہیے''۔ وانیہ کی سسکیاں اب ہچکیوں میں بدل چکی تھیں، مدحت سلمٰی بیگم کے بلانے پر اسے سمجھانے آئی تھی، اسے وانیہ کی حالت پر ترس آرہا تھا، مگر وہ مجبور تھی۔ زایان سے اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ

وانیہ کو اس کے بارے میں کچھ نہیں بتائے گی، اور اس وقت وہ وانیہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بھی اسے کچھ نہ بتانے پر شرمندہ تھی۔

☆.....☆.....☆

مدحت کے جانے کے بعد وہ اس کی باتوں پر غور کر رہی تھی، اپنے والدین کی خوشی اس کے لیے بہت اہم تھی، مگر رانگ نمبر کا خیال بھی ذہن کے پردے پر نقش تھا۔

''کیا کروں، اس کا فون بھی نہیں لگ رہا، اور پاپا کو زایان بہت پسند ہے، مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا، ایسا کیا کروں جس سے مجھے سکون اور پاپا کو خوشی ہو، اب ایک ہی راستہ ہے، میں اسے بھول جاؤں، اور اس رشتے کے لیے ہاں کر دوں، میرے ایسا کرنے سے پاپا کو خوشی ہوگی اور انہیں خوش دیکھ کر مجھے سکون ملے گا''۔ ایک ہفتہ مسلسل سوچتے رہنے سے وہ بیمار ہوگئی تھی، تاہم اس نے ایک فیصلہ کر لیا تھا، اب اسے اپنے والدین کو خوش دیکھنا ہے۔

☆.....☆.....☆

''ٹھک، ٹھک...!'' وانیہ نے دستک دی تھی۔

''وانی....! آؤ بیٹا! اندر آؤ''۔ فاروقی صاحب نے اخبار کو چار تہہ کر کے سائیڈ پر رکھا تھا، اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے تھے، وانیہ بھی اب اندر آ کر ان کے پاس بیٹھ گئی تھی۔

''پاپا! آپ نے بلایا؟''

''ہاں بیٹا! میں نے بلایا تھا تمہیں، کچھ ضروری باتیں کرنی تھیں، تمہیں اندازہ تو ہوگا کہ میں تم سے کس بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں؟'' وانیہ نے نظریں جھکا لی تھیں۔

''بیٹا! میں جانتا ہوں کہ تم نے ابھی تک شادی کے بارے میں سوچا نہیں، اور سوچا تو میں نے بھی نہیں تھا، مگر اب حالات ایسے ہوگئے ہیں کہ میں جلد سے جلد تمہیں اپنے گھر کی ہوتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں، زندگی کا کیا پتہ، آج زندہ ہوں کل....!''

''پاپا! یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟'' وانیہ نے ایک دم سے انہیں آگے کہنے سے روکا تھا۔

''وانی بیٹا! پہلے مجھے تمہاری شادی کی اتنی جلدی نہیں تھی، لیکن جب سے اس کمبخت دل نے دھوکا دیا ہے، تب سے مجھے تمہاری شادی کی فکر ہوگئی ہے، بیٹا! زایان اچھا لڑکا ہے، مجھے پسند ہے، تم شادی کے لیے ہاں کر دو، اس سے پہلے کہ میرا دل پھر سے دھوکا دے دے''۔

''پاپا....!'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہہ کر سر اٹھا کر فاروقی صاحب کو دیکھا تھا، اسے ان کی آنکھوں میں آنسو نظر آئے تھے۔

''پاپا! آپ کو میرے لیے یہ رشتہ پسند ہے، تو جیسے آپ کی مرضی، مجھے کوئی اعتراض نہیں''۔ فاروقی صاحب نے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا، اس نے بھی اپنی انگلیوں کے پوروں سے ان کے آنسو پونچھے تھے، جس پر انہوں نے مسکراتے ہوئے اسے اپنے سے لگا لیا تھا، کھڑکی کے اس پار کھڑی سلمٰی بیگم نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، ان کے لبوں پر بھی مسکراہٹ تھی۔

☆.....☆.....☆

''اتنے سارے انتظامات کی کیا ضرورت تھی بھابی! اب تو آنا جانا ہوتا رہے گا''۔ فرزانہ بیگم نے ٹیبل پر سجے ناشتے کی جانب دیکھ کر کہا تھا۔

''کہاں اتنے انتظام کیے ہیں بھابی! یہ تو آپ لوگوں کی اپنائیت ہے، جو آپ آ جاتے ہیں، ورنہ آج کل کسی کو کسی کی خیریت معلوم کرنے کی فرصت کہاں ملتی ہے''۔

''آپ صحیح کہہ رہی ہیں بھابی! لیکن آج ہم آپ دونوں سے ملنے کے علاوہ کسی اور وجہ سے بھی آئے ہیں''۔ ایاز صاحب نے برابر میں بیٹھی فرزانہ بیگم پر ایک نظر ڈال کر کہا تھا جبکہ فاروقی صاحب اور سلمٰی بیگم کچھ نہ سمجھتے ہوئے ان کی طرف دیکھ رہے تھے، تب ہی فرزانہ بیگم نے بات شروع کی۔

''دراصل ہم زایان اور وانیہ کی شادی کا سوچ رہے تھے، اگر وانیہ ہمارے گھر بہو بن کر آ جائے تو ہمارے لیے اس سے زیادہ خوشی کی کیا بات ہوگی''۔ فرزانہ بیگم نے جھجکتے ہوئے اپنی بات مکمل کی تھی، سلمٰی بیگم اور فاروقی صاحب سنجیدگی سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔

''وہ تو ٹھیک ہے بھابی! لیکن اگر ابھی ہماری بیٹی رخصت ہو کر آپ کے گھر چلی جائے گی تو ہمارا گھر ایک دم سنسان لگے گا''۔ سلمٰی بیگم نے کہا تھا۔

''بیٹیوں کو اپنے گھر تو جانا ہی ہوتا ہے بھابی! آخر بعد میں بھی تو آپ کو بیٹی کی شادی کرنی ہے، کیوں نہ پہلے ہی....!'' فرزانہ بیگم اپنی بات ادھوری چھوڑ کر سلمٰی بیگم اور فاروقی صاحب کے کچھ کہنے کا انتظار کر رہی تھیں۔

''بھابی! دراصل اتنی جلدی کے لیے ہماری تیاری نہیں ہے، ہمیں کچھ وقت لگے گا''۔ فاروقی صاحب نے سلجھے ہوئے انداز میں کہا تھا۔

''تو پھر کیا ایسا نہیں ہوسکتا آپ عید سے پہلے کم سے کم نکاح کر دیں اور بعد میں جب شادی کی تیاری مکمل ہو جائے تو رخصتی''۔ فرزانہ بیگم کے اس مشورے پر تھوڑی دیر کے لیے سب خاموش ہوگئے تھے، ایاز صاحب بھی ان دونوں کے جواب کا انتظار کر رہے تھے، چند لمحے توقف کے بعد فاروقی صاحب نے لب کشائی کی۔

''ٹھیک ہے بھابی! جیسے آپ دونوں کی مرضی''۔ فاروقی صاحب نے رضامندی دینے کے بعد سلمٰی بیگم پر ایک نظر ڈالی تھی، انہیں ان کے چہرے پر مثبت تاثرات نظر آئے تھے، جبکہ فرزانہ بیگم اور ایاز صاحب ان کی رضامندی پر بے حد خوش دکھائی دے رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

''یہ کیا بات ہوئی مما! ان لوگوں نے شادی کا کہا، اور آپ لوگ مان بھی گئے؟''

''بیٹا! میں کیا کہوں، وہ لوگ اتنی ضد کر رہے تھے کہ....!''

''وہ لوگ ضد کر رہے تھے، اور آپ لوگوں نے ان کی ضد پوری کر دی''۔ سلمٰی بیگم کچن میں کھانا پکا رہی تھیں، اور وانیہ غصے میں بھری وہیں موجود تھی۔

''وانی! میں نے تمہیں بتایا ہے ناں، یہ فیصلہ میرا نہیں تمہارے پاپا کا ہے''۔

''مما! آپ کو پاپا کو روکنا چاہیے تھا''۔ اس نے استفسار کیا۔

''اس طرح اچانک سے انہوں نے میری شادی کا کہہ دیا، اور آپ بھی خاموش رہیں''۔ وانیہ نے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا تھا، اس کی بات سن کر سلمٰی بیگم اپنے کام چھوڑ کر اس کے سامنے آ کر کھڑی ہوگئیں۔ چہرے پر گہری سنجیدگی تھی، اور نگاہیں وانیہ پر جمی ہوئی تھیں۔

''تمہیں پہلے سے ہی پتہ ہے وانی! کہ تمہارے پاپا کو آج کل تمہاری شادی کی کتنی فکر ہوگئی ہے، اتنا بڑا فیصلہ انہوں نے یوں ہی نہیں کیا، بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے، اگر تمہیں ہماری پرواہ ہے تو تم اس فیصلے کو مان لو بیٹا!'' وانیہ ان کے پاس کھڑی تھی، انہوں نے پیار سے اسے خود سے لگا لیا تھا۔

''وانی! میں اور تمہارے پاپا صرف تمہاری بھلائی چاہتے ہیں، تمہیں خوش دیکھنا چاہتے ہیں، ہمیں غلط مت سمجھو بیٹا! ہم دونوں کے لیے تم اور تمہاری خوشیاں سب سے زیادہ عزیز ہیں''۔ سلمٰی بیگم اسے اپنے سے لگا کر بہت

محبت سے سمجھا رہی تھیں، اور وہ خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

نکاح کی تقریب کا انتظام بڑے شاندار طریقے سے گھر کے باہر گارڈن میں ہی کیا گیا تھا، درختوں کو بھی لائٹوں کی لڑیوں سے لپیٹ کر سجایا گیا تھا، سب عزیز واقارب بھی مدعو تھے، فاروقی صاحب اور سلمیٰ بیگم بہت خوش تھے، مگر وانیہ کے چہرے پر خوشی کا کوئی تاثر نہ تھا، گھبراہٹ اور شرم وحیا کی جگہ خاموشی اور سنجیدگی نے لی تھی، مدحت ہر لمحہ اس کے ساتھ تھی، مگر اس کی باتیں اور شرارتیں بھی اس کے ذہن سے اس رانگ نمبر کا خیال نکال نہ سکیں تقریباً گیارہ بجے خوبصورت لباس میں میک اپ اور جیولری سے سجا کر اسے زایان ملک کے برابر میں بٹھا دیا گیا تھا، زایان تو بہت خوش تھا، مگر وانیہ کے دل میں اس وقت بھی کسی اچھوتے جذبات نے انگڑائی نہیں لی تھی، زایان اور تمام لوگوں کی خوشی اور وانیہ کی سنجیدگی میں نکاح ہو چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

''یار مدحت! تم مجھے ایک بار میری بیوی سے تو ملوادو''۔

''اتنی جلدی کیا ہے، ڈیڑھ مہینے بعد تو وہ تمہارے پاس آ ہی جائے گی، پھر ملتے رہنا اس سے''۔

''ڈیڑھ مہینہ گزرنے میں تو بہت وقت لگے گا، تم پہلے میری اس سے ملاقات کروادو پلیز''

''اوک، دیکھوں گی''۔

''دیکھوں گی کیا مطلب؟'' زایان نے مصنوعی غصے سے کہا۔

''مطلب یہ کہ تم اپنی بیوی سے ملنے کے لیے تو بے چین ہو، مگر وہ محترمہ تو اپنے شوہر کی شکل بھی دیکھنا پسند نہیں کرتیں، پھر ملاقات تو دور کی بات ہے، اور تم تو یہ جانتے ہو کہ اس نے نکاح سے پہلے سے لے کر آج تک تمہاری تصویر نہیں دیکھی، آنٹی کے کہنے پر میں نے تصویر دکھانے کی کوشش کی تو میڈم آگ بگولہ ہو گئیں، مگر یہ گوارا نہیں کیا''۔ مدحت نے بڑے دلچسپ انداز میں ایکٹنگ کرتے ہوئے تفصیل بتائی جس پر وہ کھل کر ہنس دیا۔

''اچھا.... ٹھیک ہے، لیکن تم اسے کسی بھی بہانے سے کہیں لے کر آ جاؤ، میں بھی وہیں آ کر اس سے مل لوں گا''۔

''ہوں.... آئیڈیا برا نہیں ہے، کوشش کروں گی''۔ مدحت نے کہا تو زایان بھی مسکرا دیا۔

☆.....☆.....☆

سن گلاسز کو اتار کر اس نے اپنی جیب میں رکھا، اور ریسٹورنٹ میں داخل ہوا، چند منٹ بعد ہی سامنے والی ٹیبل پر مدحت نظر آئی، وانیہ بھی اس کے ساتھ تھی، مگر اس کی پشت مین ڈور کی طرف ہونے کی وجہ سے وہ اسے سامنے سے دیکھ نہیں پا رہا تھا، وانیہ نے جیسے ہی کافی کا کپ اٹھایا، کافی چھلک کر اس کی شرٹ پر گری، اور وہ اپنی شرٹ صاف کرنے کے لیے جلدی سے واش روم کی طرف چلی گئی، مین ڈور پر کھڑا زایان یہ منظر دیکھ رہا تھا، وانیہ کو جاتا دیکھ کر وہ بھی اس کے پیچھے گیا، تھوڑی دیر بعد جب وانیہ واپس آئی تو وہ وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہ گیا، وہ اپنی شرٹ صاف کرتے ہوئے عجلت میں آگے بڑھی اور اس سے ٹکرا گئی، زایان تو اس سے ٹکرانے کے بعد دم بخود سا اسے دیکھتا رہ گیا، ریڈ کلر کی ڈھیلی ڈھالی شرٹ میں آستینوں کو فولڈ کیے بلیک کلر کی جینز میں وہ سب سے منفرد نظر آ رہی تھی، تیکھے نقش غصے سے سرخ ہو کر مزید خوبصورت لگ رہے تھے۔

''نظر نہیں آتا، یا پھر اندھے ہونے کا شوق چڑھا ہے''۔ وہ اس کی شعلہ زدہ باتوں کا جواب نہیں دے پایا تھا، وہ اسے گھورتی ہوئی آگے نکلنے کو تھی، مگر زایان کو خود پر قابو پانا مشکل ہو گیا تھا، اور بے ساختہ ہی اس نے اس کی کلائی تھام لی تھی، اس کی اس حرکت پر وانیہ آپے سے باہر ہو گئی اور پوری طاقت سے خود کو چھڑانے کی سعی کی، مگر گرفت مضبوط تھی، سو ناکام رہی، زایان اس کی کلائی تھامے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسے دیکھ رہا تھا، انداز میں جنون تھا۔

''مجھے لگا تھا کہ تم اندھے ہو، مگر تم تو پاگل بھی ہو''۔ وانیہ نے بھی اس کے قریب ہو کر دانت پیستے ہوئے کہا تھا۔

''دیکھنا میڈم! ایک دن تم خود چل کر میرے پاس آؤ گی''۔ یہ کہتے ہوئے ایک جھٹکے سے اس کی کلائی چھوڑی تھی، وہ اور بھی کچھ کہتا، مگر دل کی بات کو زبان تک آنے سے روک رکھا تھا، اور وہ اپنی کلائی پر ہاتھ پھیرتی ہوئی ایک گھورتی نظر اس پر ڈال کر چلی گئی۔ زایان کے لبوں پر اب ایک آسودہ سی مسکراہٹ پھیل چکی تھی، اور وہ مسرور سا اس رستے کو دیکھ رہا تھا، جہاں سے وہ کچھ لمحے پہلے گزری تھی۔

☆.....☆.....☆

وانیہ کے دل کو کسی طرح بھی قرار نہیں تھا، وہ نماز کے بعد دعا مانگتی تو اسے اپنی محبت کے دور ہو جانے کا غم کچھ کم محسوس ہوتا، لیکن پھر کچھ لمحے کے بعد وہ رانگ نمبر اسے اپنے دل میں پہلے کی طرح براجمان دکھائی دیتا، وہ زندگی کے عجیب پیچ وخم سے گزر رہی تھی، وہ روزانہ نماز کے بعد رو رو کر اپنے دل کے سکون کے لیے دعائیں مانگتی۔

''یا اللہ! مجھ پر رحم کر، مجھ میں اتنی ہمت اتنی طاقت نہیں کہ میں اس آزمائش پر پوری اتر سکوں، مجھے اتنا صبر عطا کر کہ میں اس شخص کو بھلا سکوں، جسے تُو نے میری قسمت میں نہیں لکھا، مجھے اتنا حوصلہ دے کہ میں اس شخص کے سارے حقوق ادا کر سکوں، جسے تُو نے میری قسمت میں لکھ دیا ہے''۔ وہ روزانہ ہر نماز کے بعد اسی طرح رو رو کر دعائیں مانگتی، اور خود کو قسمت کے سامنے مضبوط بنانے کی کوشش کرتی۔

☆.....☆.....☆

دوستوں اور کزنوں کی چھیڑ چھاڑ میں مایوں اور مہندی کی رسم بھی ہو چکی تھی، آج بارات تھی، اور اس کا دل کسی بھی خوبصورت قسم کے جذبات سے عاری تھا، مدحت تو یہ سوچ سوچ کر ہی ایکسائیٹڈ ہو رہی تھی کہ آج اس کی دوست اپنے رانگ نمبر اور شوہر کی زندگی میں ہمیشہ کے لیے شامل ہونے جا رہی ہے، وانیہ نے آخری بار اپنا موبائل پارلر جانے سے پہلے چیک کیا تھا، رانگ نمبر کے سارے میسج پڑھ کر وہ اسی وقت ڈیلیٹ کر دیتی تھی مگر ایک میسج اس نے ابھی تک ڈیلیٹ نہیں کیا تھا، جسے اس وقت وہ پڑھ رہی تھی۔

''اپنے احساس سے چھو کر مجھے صندل کر دو، میں صدیوں سے ادھورا ہوں مکمل کر دو''۔ اس نے بنا آواز کے پوری غزل پڑھی، رانگ نمبر کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔

''میں یہ غزل خود پڑھ کر اس وقت سناؤں گا جب ہماری شادی ہو گی''۔

''شادی؟''

''ہاں.... شادی.... جب محبت کی ہے تو شادی بھی تو ہو گی''۔

''وانیہ، وانیہ! چلو دیر ہو رہی ہے، پارلر والی بھی ناراض ہو گی''۔ مدحت کی آواز پر وہ بری طرح چونکی تھی،

جلدی سے اس نے انگلیوں سے آنسو پونچھے اور موبائل کو آف کر کے الماری کے اندر کسی کونے میں رکھا، اور الماری کا دروازہ بند کر کے کمرے سے باہر۔

☆.....☆.....☆

ڈارک براؤن اور گولڈن کلر کے بھاری شرارے میں زرتار آنچل سر پر ڈالے وہ بیڈ کے گرد تازہ پھولوں کی لڑیوں کے درمیان بیٹھی تھی، نگاہیں اس طرح سے گود پر دھرے ہاتھوں پر تھیں کہ جیسے ان نگاہوں کو آنے والے شخص کی کوئی پرواہ نہ ہو، کچھ دیر بعد جب بیزاریت بڑھنے لگی، تو بہت آہستگی سے گھونگھٹ تھوڑا اونچا کیا، اور پلنگ سے اتر کر سنگھار دان میں لگے شیشے کے پاس آ کر کھڑی ہوگئی، ایک نظر خود پر ڈال کر جیسے ہی بندے اتارنے کے لیے اس نے ہاتھ اوپر کیے، عقب سے دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی، وہ جلدی سے سیدھی کھڑی ہوگئی، پشت زایان کی طرف تھی، وہ بھی دروازہ بند کر کے اسی کے پیچھے آ کر کھڑا ہوگیا۔

''السلام علیکم!'' سلام کرنے کے بعد زایان چند سیکنڈیوں ہی کھڑا رہا، پھر کوئی جواب نہ پا کر دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر رکھے اور اپنی طرف گھمایا اور اس کا حسن دیکھ کر مبہوت زدہ رہ گیا، دلہن بن کر وہ کسی اور ہی دنیا کی مخلوق لگ رہی تھی، پہلی بار اس نے اسے اتنے میک اپ اور بھاری جیولری میں دیکھا تھا اور دیکھتا ہی رہ گیا تھا، معصوم حسن قیامت خیز بن گیا تھا، زایان نے پورے استحقاق کے ساتھ سر سے پاؤں تک نظر دوڑائی، اتنی چکا چوند تھی کہ نظر نہ ٹھہرتی تھی، اس کا حسن زایان کے ہوش اڑا رہا تھا، اس نے وانیہ کی دونوں ہتھیلیوں کو تھام کر تھوڑا اوپر کیا اور مہندی انگوٹھیوں اور چوڑیوں سے بھرے ہاتھوں کو چوما۔

''بہت خوبصورت لگ رہی ہو''۔ اس کا دل گستاخی کرنے کو چاہا تھا، مگر ضبط کرتے ہوئے کہا۔ وانیہ کی [illegible] ابھی تک جھکی ہوئی تھیں۔

''اب تم بھی ایک بار نظر اٹھا کر مجھے دیکھ لو، [illegible] تصویر بنا دیکھے ہی پھینک دی تھی''۔ زایان نے شرا[illegible] سے کہہ کر ہنسی کو روکا تھا، اس کے کہنے پر وانیہ نے نگا[illegible] اٹھا کر اسے دیکھا، اور پلکیں جھپکنا ہی بھول گئی، اس [illegible] نگاہوں میں حیرانگی تھی۔

''آ.....آ.....آپ!'' دل کی طرح آواز بھی [illegible] ہوئی تھی اور الفاظ بھی۔

''جی...میں.....میں نے کہا تھا ناں کہ ایک دن آ[illegible] خود چل کر میرے پاس آئیں گی''۔ زایان کے لبوں [illegible] ایک خوبصورت سی مسکراہٹ تھی، جبکہ وانیہ کی حیرانگی [illegible] تک ختم نہیں ہوئی، وہ ابھی تک یک ٹک اسے ہی [illegible] رہی تھی۔

''یار! میں نے تو سنا تھا کہ شادی کی رات دلہنیں بہت شرماتی ہیں، لیکن تم تو.....!'' زایان پھر سے شرارت سے بولا تھا، اس کی مسکراہٹ اور گہری ہو چکی تھی، زایان کی بات سن کر وانیہ نے جھٹ سے نگاہیں جھکا لیں، شر[illegible] کی جگہ شرمندگی نے لے لی۔

''دراصل میں اس دن ریسٹورنٹ میں تم سے [illegible] ملنے آیا تھا، لیکن.....خیر چھوڑو ان باتوں کو، تم ادھر آؤ''۔ زایان مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر کے اسے کاندھو[illegible] سے پکڑ کر بیڈ تک لے آیا اور پھولوں کی لڑیوں کو ہٹا کر [illegible] کی سائیڈ پر اسے بٹھا دیا اور خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ [illegible] ایک خوبصورت سی رنگ کیس سائیڈ جیب سے نکالی، [illegible] اس کی نازک مخروطی انگلی میں پہنا دی۔

''تمہیں شاعری پسند ہے؟'' زایان نے پوچھا [illegible] لیکن وہ خاموش رہی۔

''مجھے تو شاعری بہت پسند ہے اور ایک غزل تو [illegible]

پسند ہے کہ میں نے سوچا ہوا تھا کہ وہ غزل میں اپنی بیوی کو سناؤں گا، اس وقت جب وہ دلہن بن کر میرے سامنے بیٹھی ہوگی اور وہ خوبصورت لمحہ یقیناً آ چکا ہے''۔ زایان اس کی کلائیوں کو تھامے بول رہا تھا، اس کا دل خوشیوں سے سرشار تھا، اسی لیے آواز میں بھی خوشیوں کی کھنک تھی، وانیہ نگاہیں جھکائے بیٹھی تھی، زایان نے غزل سنانا شروع کی۔

''اپنے احساس سے چھو کر مجھے صندل کر دو، میں صدیوں سے ادھورا ہوں مکمل کر دو''۔ ابھی اس نے صرف دو لائنیں پڑھی تھیں کہ وانیہ نے ایک دم سر اٹھایا، حیرت کا ایک اور جھٹکا، بے یقینی کے عالم میں وہ اسے دیکھے جا رہی تھی، جبکہ زایان بھی اب سنجیدہ ہو چکا تھا۔

''کیسی ہو مس رانگ نمبر! آپ؟'' وہ انگشت شہادت اٹھا کر اسے کچھ کہنا چاہ رہی تھی، مگر ذہن کے پردے سے الفاظ شاید کہیں کھو چکے تھے۔

''ہاں.....میں تمہارا رانگ نمبر''۔ وانیہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی، اس کی کانچ جیسی آنکھوں میں بے یقینی تھی، اور آنسو پلکوں کی جھالروں پر اتر کر ستاروں کی مانند جھلملا رہے تھے، گلاب کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹ کچھ کہنا چاہ رہے تھے، مگر آواز و الفاظ کا کچھ پتہ نہ تھا، زایان اس کی حیرانگی ختم کرنے کے لیے تفصیل بتانے لگا۔

''تم تو حیدر آباد جا کر مجھے بھول گئی تھیں، ایک مہینے تک تم سے کوئی کانٹیکٹ نہیں ہوا، اس دوران میری کیفیت ایسی تھی کہ ایک لمحہ بھی تمہیں سوچے بنا نہیں گزر رہا تھا، پھر مجھے یاد آیا کہ ایک بار تم نے اپنی فرینڈ کے نمبر سے مجھے میسج کیا تھا اور اس نمبر کو میں نے اسی وقت اپنے پاس سیو کر لیا تھا، ایک مہینے کے بعد مجھے اس نمبر کا خیال آیا تو میں نے اس نمبر پر کانٹیکٹ کیا، وہ مدحت کا نمبر تھا، میں نے اسے ریسٹورنٹ میں بلایا اور ہمارے بارے میں سب کچھ بتا دیا، اس طرح وہ میری دوست بن گئی، اور تمہارے گھر رشتہ بھیجنے اور تم سے ریسٹورنٹ میں ملوانے میں میری مدد کی''۔

''مدحت.....!'' وانیہ نے آہستگی سے مدحت کا نام لیا اور اب اس کی حیرانگی ختم ہو چکی تھی۔

''وانیہ! ہم دونوں بہت خوش قسمت ہیں کہ ہماری محبت کو منزل مل گئی، ورنہ کچھ لوگ سچی محبت کے باوجود تنہا رہتے ہیں، میں خدا کا جتنا بھی شکر ادا کر دوں کم ہے کہ اس نے ہماری قسمت میں تنہائی کی جگہ محبت لکھ دی''۔ وانیہ خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھی اور زایان کو ہی دیکھ رہی تھی، زایان کو پھر شرارت سوجھی۔

''یار! اتنا دیکھو گی مجھے تو نظر ہی لگ جائے گی''۔ وانیہ نے مسکراتے ہوئے نگاہیں جھکائیں اور اس کی اس ادا پر زایان بہکنے لگا۔

''مانا کہ میں خوبصورت ہوں مگر.....!'' اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ کر اسے اپنے حصار میں لیا تھا، وہ شرماتے ہوئے جیسے ہی خود کو الگ کر کے کھڑی ہونے لگی، زایان نے بازوؤں سے پکڑ کر اسے کھینچا، اور وہ اس پر آ کر گری۔

''یار! وہ والی غزل تو سن لو''۔ زایان نے فوراً اسے اپنی بانہوں میں قید کرتے ہوئے کہا اور غزل سنانا شروع کی۔

''اپنے احساس سے چھو کر مجھے صندل کر دو''۔ اس کی آواز میں عجیب سا خمار تھا، وہ بھی اس کی مسحور کن آواز میں پوری غزل سنتی رہی اور بانہوں کے گھیرے اس پر تنگ سے تنگ ہوتے چلے گئے، تازہ پھولوں کی لڑیوں کے درمیان ان کا موسم ملن دیکھ کر کمرے کی فضا مہک اٹھی تھی۔

☆.....☆.....☆

قمروش شہک

تیسری قسط

مکمل ناول

تیرے پیار کی خوشبو

''اس کا مطلب آپ کی مایوں رسم ہوئی تو میرے نام کی آپ کے ہاتھوں پر مہندی لگی وہ میرے نام کی دلہن کا یہ سرخ جوڑا اپنے نازک وجود پر سجایا اور سب سے بڑی اور اہم بات کہ آپ کا نکاح بھی مجھ سے ہوا تو پھر شب زفاف

انسوٹ: رڈا کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی رڈا کو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت ایف۔آئی۔آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

بھی مجھے آپ کے ساتھ ہی منانی چاہیے''۔ کس قدر بھرپور مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے اس کے دلکش وخوبصورت سراپے کو نہایت بے باک نظروں سے بغور تک رہا تھا، مقسوم کی تو جیسے جان ہی نکل گئی ہو، اس نے اپنا بھاری سرخ آنچل مضبوطی سے پکڑ لیا جیسے وہ اپنے کہے پر عمل ہی نہ کر لے، وہ خوفزدہ ہو کر پیچھے جانے لگی اور عارفین اس کی خوفزدگی کو دیکھ کر بہت محظوظ ہوتا ہوا آگے بڑھا تھا، یہاں تک کہ وہ پیچھے دیوار سے بالکل چپک کے رہ گئی تھی۔

''دیکھیے میں کہتی ہوں آپ وہیں رک جائیے ورنہ میں آپ کو جان سے مار دوں گی''۔ جانے کیسے زبان سے بنا سوچے سمجھے پھسل گیا، عارفین ہولے سے ہنس دیا اور دو قدم آگے بڑھ کر اس کے قریب جھکا تھا۔

''ہم تو آپ کو پہلی نظر میں دیکھ کر ہی اپنی جان سے ہار گئے تھے مسز عارفین!'' اس کی دھیمی سرگوشی پر وہ کان کی لوؤں تک سرخ پڑ گئی تھی، آنکھوں میں نمی آ ٹھہری تھی، وہ خود کو اس کے پہاڑ جیسے وجود کے آگے بالکل بے بس محسوس کر رہی تھی، عارفین کی نظر جب اس کے صبیح چہرے پر پڑی تو اپنا مذاق اسے مہنگا پڑتا نظر آیا، اس کا چہرہ مکمل سپید ہو زرد پڑنے لگا تھا، وہ اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہو گیا تھا۔

''آئی ایم سوری میں تو صرف مذاق کر رہا تھا، ورنہ یقین جانیے میرا ارادہ آپ کا دل دکھانا بالکل نہیں تھا''۔ مقسوم نے نظر اٹھا کے دیکھا، عارفین کی نظروں میں اسے مکمل سچائی نظر آئی تھی اس نے اپنی شیروانی کی جیب سے رومال نکال کر اس کی سمت بڑھایا۔

''لے لو اور اپنے آنسوؤں کو صاف کر لو، تکلیف ہو رہی ہے مجھے''۔ مقسوم نے نہایت عجیب نظروں سے اسے دیکھا تھا، مگر رومال لینے کے لیے ہاتھ آگے نہیں بڑھایا تھا۔

''پکڑ لو ورنہ یہ جسارت مجھے ہی کرنا پڑے گی''۔ اس کے رخسار پر بکھرے موتیوں کو بغور تکتے ہوئے ذومعنی لب و لہجے میں اسے کہا تھا، مقسوم اس کی بات سمجھتے ہوئے فوراً سے پیشتر وہ رومال تھام کے اپنے بہتے آنسوؤں کو صاف کرنے لگی تھی۔

عارفین مسکراتا ہوا وہاں سے ہٹا اور کمرے میں رکھے فریج کی طرف بڑھا اس میں سے ایک گلاس ٹھنڈا پانی نکالا اور اسے لا کر دیا جسے مقسوم نے صرف دو گھونٹ پی کر واپس کر دیا۔

''کھڑے کھڑے تھک جائیں گی، آیئے وہاں چل کر بیٹھتے ہیں''۔ اس کا اشارہ سامنے چھوٹے سے آئرن صوفہ سیٹ کی طرف تھا۔

''نہیں پلیز! مجھے یہاں سے جانے دیں، صبح ہونے سے پہلے میں یہاں سے بہت دور چلی جاؤں گی''۔ بھیگی بھیگی گھنیری پلکوں کی باڑ اوپر اٹھائی۔

''اچھا پھر اس کے بعد کیا ہو گا؟''

''میں.... میں سومی سے کونٹیکٹ کرنے کی کوشش کروں گی، مجھے لگتا ہے وہ کسی بڑی مشکل میں پھنس گئی ہے''۔

''اس کے بعد؟''

''پھر وہ یہاں واپس آ جائے گی یہ جگہ صرف اس کی ہے، اس جگہ پر آپ پر صرف اور صرف سومی کا ہی حق ہے''۔

''ایک بات پوچھوں؟''

''جی...؟''

''آپ واقعی بہت معصوم ہیں یا مجھے بنا رہی ہیں؟''

''میں سمجھی نہیں؟'' کتنی معصومیت تھی اس کی آنکھوں میں۔

''تو پھر پلیز مجھے سمجھنے کے لیے.... میرا مطلب ہے میری باتوں کو سمجھنے کے لیے آپ کو وہاں بیٹھنا پڑے گا اور سکون سے میری باتوں کو سننا اور سمجھنا پڑے گا''۔ بالآخر وہ مان گئی اور اس کے پیچھے آ کر سنگل صوفے پر سمٹ کر دبک کر بیٹھ گئی۔

''دیکھیے اب جو میں کہنے جا رہا ہوں اسے غور سے سنیئے گا اور میری باتوں کو سمجھنے کی کوشش کریئے گا''۔ کچھ پل خاموشی سے عارفین نے اس کے ڈرے سہمے وجود کو دیکھا۔

''یہ جو ہماری شادی ہوئی ہے وہ کوئی خفیہ شادی نہیں ہوئی ہے بلکہ نہایت دھوم دھام سے ہوئی ہے، جس میں

ہمارا پورا خاندان جمع ہوا ہے، رشتے دار، دوست واحباب، محلے والے کسی سے یہ شادی چھپی نہیں ہے، مگر اب یہ سومی نے ایسا کیا یہ تو نہ میں جانتا ہوں اور نہ ہی آپ، لیکن اگر آپ یہاں سے اس طرح چھپ کر بنا کسی کو کچھ بتائے چلی جاتی ہیں تو اتنی باتیں چہ میگوئیاں ہوں گی جس کا آپ کو قطعی اندازہ نہیں، اس کے علاوہ ہمارے دونوں خاندانوں کی بدنامی الگ، اور میرا نہیں خیال کے آپ یہ سب چاہیں گی''۔ نہایت سہولت سے عارفین نے اسے اپنا مدح سمجھایا تھا۔

''اچھا ایک بات تو بتایئے! آپ کا نام کیا ہے، کیونکہ نکاح تو میرا مقسوم اظہر سے ہوا ہے جو کہ نکاح نامے پر یہی نام درج ہے، اب میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا کہ آپ کو کیا کہوں؟''

''آپ اسے اتفاق سمجھیں یا میری بدقسمتی کہ میرا نام بھی مقسوم اظہر ہے''۔ نہایت دھیمے لہجے میں خود کو موردالزام ہی ٹھہرایا تھا۔

''ایسا تو آپ سوچتی ہیں اگر میری سوچ پڑھ سکتیں تو اپنی قسمت پر ناز کرتیں''۔ اپنے اس ذومعنی جملے میں وہ بہت کچھ باور کرا گیا تھا کہ وہ سمجھ سکتی تو، مگر وہ تو اپنا ہی دکھ اور غم رو رہی تھی، عارفین کی آنکھوں میں پنہاں محبت نظر ہی نہیں آ رہی تھی اسے۔

''دیکھیے آپ مجھے ادھر ادھر کی باتوں میں الجھایئے مت اور مجھے یہاں سے جانے دیں''۔ اس نے عاجزی سے کہتے ہوئے اس کی سمت دیکھا۔

''اوہ مائی گاڈ! ٹھیک کہا ہے فلاسفر نے کہ ہر خوبصورت چہرے کی عقل بالکل خالی ہوتی ہے''۔

''دیکھیے....!''

''کب سے آپ دیکھیے، دیکھیے کر رہی ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ میں اس وقت صرف اور صرف آپ ہی کو دیکھ رہا ہوں''۔ دلکشی سے مسکراتے ہوئے وہ اسے چھیڑنے لگا تھا۔ مقسوم ان لودیتی نگاہوں سے گھبرا کے رہ گئی اور نگاہ چرانے لگی، عارفین نے بغور ان نگاہوں کو دیکھا تھا۔

''اینی وے... اب ذرا سیریس ہو جائیں''۔ وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

''آپ یہیں رکیں، میں ذرا ابھی آتا ہوں''۔

''مگر آپ مجھے اکیلا چھوڑ کے کہاں جا رہے ہیں؟'' وہ بھی صوفے سے گھبراتی ہوئی اٹھی تھی۔

''بے فکر رہو، تھوڑی دیر کے لیے میرے بغیر اکیلا رہنا پڑے گا''۔ پھر ذومعنی جملہ جو اس کے خاک پلے نہیں پڑا، وہ مسکراتا ہوا دروازے کی سمت بڑھنے لگا، مگر پھر کچھ سوچ کر وہ واپس پلٹا تھا۔

''اور ہاں! پھر سے اس گلاس ونڈو سے باہر اترنے کی کوشش مت کرنا، باہر لان میں ٹائیگرز کھول دیئے گئے ہیں اور انہیں بھی میری طرح حسین چہرے بہت پسند ہیں''۔ وہ اس کے دلہناپے سراپے پر ایک بھرپور نظر ڈالتا کمرے سے نکل گیا تھا، وہ اس کی صرف ایک بات سمجھی تھی کہ باہر لان میں ٹائیگرز ہیں، وہ ڈرتی ہوئی پھر سے صوفے میں دبک کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ رابعہ کے روم کا دروازہ دھیرے دھیرے بجا رہا تھا۔

''اس وقت کون ہے؟'' وہ بلینکٹ سے نکل کر دروازے پر آئیں اور دروازہ کھولا تو سامنے ہی عارفین کو کھڑا پایا۔

''ارے عارفین بیٹا! تم اس وقت.... سب خیریت تو ہے ناں؟'' وہ گھبرا گئی تھیں۔

''مما! کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟''

''ہاں چاند! کیوں نہیں، آؤ!'' وہ اندر ہی اندر ڈری جا رہی تھیں دل کسی انہونی بات کو سوچ سوچ کر دہلا جا رہا تھا۔ اس نے آرام آرام سے ساری بات رابعہ کو بتا دی تھی۔

''اوہ مائی گاڈ عارفین! یہ تو بڑا گمبھیر مسئلہ ہو گیا ہے اب کیا ہو گا؟'' وہ صحیح معنوں میں بہت پریشان ہو گئیں، انہیں اتنا پریشان دیکھ کر وہ بھی بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا، بے شک اس نے مقسوم کو پہلی ہی نظر میں پسند کر لیا تھا مگر اس کی شادی اتنی اچانک... وہ بھی اس کی دوست سومی سے ہوئی تھی مگر پھر حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ وہی جان عزیز اس کی ہمسفر بن گئی، وہ قدرت کے اس فیصلے پر بہت خوش ہوا تھا، مگر خوابوں وخیالوں سے نکل کر جب حقیقت کی دنیا میں قدم رکھا تو حالات کے خراب ہونے کا اندازہ ہوا۔

''عارفین! تم پہلا کام تو یہ کرو کہ سومی کی ممی کو فون کرو اور انہیں یہاں بلاؤ''۔ انہوں نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔

''مگر مما! اس میں سومی کی ممی کیا کر سکتی ہیں؟'' وہ سمجھا نہیں تھا۔

''ارے بیٹا! سومی ان کی بیٹی ہے جس کی شادی تم سے ہوئی تھی مگر وہ کیا وجہ ہے کہ سومی کی دوست سے تمہاری شادی کر دی گئی ہے اور پھر سب سے بڑی بات کہ کل ولیمے کی تقریب ہے یہ بات ان کے علم میں ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو انہوں نے ایسا کیوں کیا، یہ تو ہمارے ساتھ سراسر دھوکہ ہے''۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں مما! مگر مقسوم کا کہنا یہی ہے کہ وہ لاعلم ہیں سومی کی اس حرکت سے بے خبر ہیں''۔

''وہی تو میرا مطلب ہے عارفین! مگر میں پھر بھی بہت کنفیوژ ہوں، تم پہلی فرصت میں سومی کی ممی کو فون ملا کے مجھ سے بات کراؤ''۔ کچھ ہی گھنٹوں میں وہ رابعہ اور عارفین کے روبرو تھیں، اور رابعہ سے انہیں سب کچھ پتہ چل گیا تھا، مگر ان کی کیفیت رابعہ سے بالکل مختلف تھی چہرے پر غم ودکھ کے علاوہ غصہ وجلال بھی بہت تھا۔

''میں ملنا چاہتی ہوں مقسوم سے''۔ وہ تینوں اسی کمرے میں داخل ہوئے تھے جہاں مقسوم ایک صوفے پر دبکی بیٹھی تھی، سومی کی ممی کو دیکھ کر وہ صوفے سے کھڑی ہوئی تھی، انہیں دیکھ کر اس کے چہرے پر ڈر وخوف کے رنگ منڈلانے لگے تھے، دل سہم سہم کر جیسے سکڑنے لگا تھا، آنکھوں میں نمی سی اترنے لگی، ہلکے ہلکے پورا وجود کپکپا رہا تھا، وہ آنکھوں میں غصے کے شعلے بھرے آگے بڑھیں اور ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر مارا کہ وہ پھر سے اسی صوفے پر گری تھی۔ انہوں نے اسے پھر سے دونوں بازوؤں سے سختی سے پکڑ کے اپنے مقابل کیا تھا۔

''یہ کیا کیا ہے تم نے؟ اور سومی کہاں ہے؟'' ان کا غصہ اس قدر عروج پر تھا کہ اگر بس چلتا تو وہ ابھی اور اسی وقت مقسوم کو شوٹ کر دیتیں، ان کی یہ جارحانہ حرکت دیکھ کر عارفین آگے بڑھا تھا، آفرین بیگم! کی ان حرکتوں نے عارفین کو بھی غصہ دلا دیا تھا، بہت برا لگا تھا ان کا یہ برتاؤ مقسوم کے ساتھ۔

''بی ہیو یو آنٹی! یہ کون سا طریقہ ہے بات کرنے کا؟'' اس نے مقسوم کو ان کی سخت گرفت سے چھڑایا تھا وہ بھی ڈر وخوف سے عارفین کی پشت پر چھپی تھی۔

''یہ آپ بول رہے ہو جبکہ سب سے بڑی مجرم تو یہ خود آپ کی ہے''۔ انہیں عارفین کا یوں مقسوم کا چھڑانا کچھ ناگوار گزرا تھا۔

''دیکھیے اس طرح غصہ کرنے سے یہ کوئی مسئلے کا حل نہیں ہے اہم پوائنٹ یہ ہے کہ سومی نے یہ کیوں کیا؟ کہاں ہے وہ اس وقت؟''

''یہ تو یہ بتائے گی جو بہت معصوم بن رہی ہے''۔ انہوں نے زہریلی نگاہوں سے عارفین کی پشت پر چھپی مقسوم کو دیکھا۔

''مجھے تو لگ رہا ہے کہ اسی نے کچھ گڑبڑ کی ہے میری بھولی بیٹی کو ورغلایا ہے، پوچھو اس لڑکی سے کہ کہاں ہے سومی؟''

''اچھا تو اس نے آپ کی بھولی بیٹی کو ورغلایا ہے اور وہ اتنی بھولی تھی کہ اس کے ورغلانے میں آ بھی گئی؟''

''عارفین بیٹا! آپ نہیں جانتے ایسی لڑکیوں کو، امیر لڑکوں کو پھانسنے میں یہ بہت آگے ہوتی ہیں''۔

''اچھا... ویری گڈ! تو پھر آپ کی اپنی بیٹی کو کیا کہا جائے گا اسے اپنا نہیں تو کم از کم آپ کی عزت کا ہی خیال رکھنا چاہیے تھا، شادی والے دن گھر سے بھاگ جانا، یہ کون سی عقل مندی ہے؟ بہت سے سوالات اٹھتے ہیں ایسی لڑکیوں کے لیے مگر میں کچھ نہیں بولوں گا، آپ خود سمجھدار ہیں اور رہی مقسوم کی تو اگر یہ آج یہاں نہیں ہوتی تو جو سوالات میرے ذہن میں ہیں وہ سب آپ سے آپ کے گھر والے، رشتے دار، شادی میں ہر فرد آپ سے کر رہا ہوتا پھر میں آپ سے پوچھتا کہ کیا جواب ہے آپ کے پاس آنٹی! اس لڑکی نے آپ کی عزت رکھی ہے''۔

''مگر یہ جگہ اس کی نہیں ہے سومی کی ہے''۔ وہ کسی بھی طرح اتنا اچھا واعلیٰ خاندان بہترین لڑکا گنوانا نہیں چاہتی تھیں، انہیں رہ رہ کے سومی پر غصہ آ رہا تھا جس نے اپنی بے وقوفی اور نادانی میں اتنی بڑی غلطی کر دی تھی۔

''مگر نکاح میرا سومی سے نہیں مقسوم سے ہوا ہے اور اس لحاظ سے یہ میری شریک حیات ہے''۔

''مگر میں اس نکاح کو نہیں مانتی ہوں، میں سومی کو ڈھونڈوں گی یہ جگہ اسی کی ہے وہ یہاں آئے گی، میں اس لڑکی کو سومی کی جگہ نہیں لینے دوں گی''۔

''فی الحال تو آپ سومی کو ڈھونڈیے پتہ کریں کہ وہ کہاں ہے باقی باتیں بعد کی ہیں''۔ اس نے بھی حتمی فیصلہ سنا دیا تھا۔

''عارفین! بہت ہو گئی اب خاموش رہو تم''۔ رابعہ کو بیچ میں ٹوکنا ہی پڑا۔

''آئی ایم سوری آفرین! عارفین کچھ زیادہ ہی بول گئے ہیں، اہم بات تو اب یہ ہے کہ کل ولیمہ ہے اور کل آپ کے پورے خاندان کو یہاں آنا ہے تقریب میں تو وہ سب مقسوم کو دیکھ کر بہت سے سوالات اٹھائیں گے اور پھر بہت سی رسوم وغیرہ، اس کے بارے میں کیا سوچا ہے آپ نے؟'' رابعہ نے نہایت تسلی سے پوچھا تھا۔

''پہلی بات تو یہ رابعہ! کہ مجھے عارفین بیٹے کی کوئی بات بری نہیں لگی کیونکہ ان کے بدلاؤ کی ذمے داری بھی یہی لڑکی ہے جس نے میری اپنی سگی بیٹی کو ورغلا کے جانے کہاں بھگا دیا پھر تو یہ غیر ہے''۔

''آنٹی! آپ پھر زیادتی کر رہی ہیں''۔ عارفین چپ نہیں رہ سکا۔

''اینی ویز یہ تو وقت کے ساتھ آپ کو خود پتہ چل جائے گا اور دوسری بات آپ سے رابعہ! یہ کہنی ہے کہ کل کا ولیمہ اور تمام رسوم وغیرہ پوسٹ بون کر دینا چاہیے''۔

''ہاں آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں اس مسئلے کا یہ ایک اور حل ہے مگر مقسوم کا کیا بول کر اپنے خاندان میں تعارف کرواؤں؟'' انہوں نے ایک اہم نقطہ آگے رکھا تھا۔

''ہونہہ..... نکال کر باہر پھینک دیجیے''۔ کس قدر تذلیل وتحقیر تھی ان کے لب ولہجے میں، عارفین کے پہلو میں چھپی نازک سی مقسوم کا دل کٹ کر رہ گیا، آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔

''آپ پھر غلط لہجہ اور غلط بات کر رہی ہیں، میری بیوی کے بارے میں''۔

''بیوی...؟'' طنزیہ ہنسی ہنستے ہوئے انہوں نے ایک قہر آلود نظر اس سہمی چڑیا پر ڈالی۔

''آفرین! یہ مسئلے کا حل نہیں، آج صبح مجھے سب کے آگے جواب دہ ہونا ہے، ہماری عزت ہے، بے شک بیٹی گھر

سے آپ کی گئی ہے مگر رشتہ تو اس کا میرے گھر کے ساتھ جڑنے جا رہا تھا، اور مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ کوئی بھی شخص کسی کی بیٹی پر انگلیاں اٹھائے، اس لیے پلیز میں آپ سے ریکوئیسٹ کرتی ہوں کہ غصہ، جلال کو ایک طرف رکھ کر کچھ سمجھداری کی باتیں کریں"۔ حالانکہ انہیں بھی آفرین کی باتیں پسند نہیں آئی تھیں مگر وہ خاموشی میں ہی بہتری سمجھ رہی تھیں۔

"اوکے تو پھر ایک حل اور بھی ہے، میں مقسوم کو ابھی اسی وقت اپنے ساتھ اپنے گھر لے جاتی ہوں"۔

"جی....؟" رابعہ نے حیرانگی سے انہیں دیکھا اور ان کی بات پر وہیں بالکل بے ساختگی میں مقسوم نے پیچھے عارفین کا بازو اپنی مٹھی میں دبوچا تھا، عارفین کی اس لمس پر حس الرٹ ہو گئی تھی، وہ صاف اس وجود کی کپکپاہٹ محسوس کر سکتا تھا۔

"نہیں آنٹی! مقسوم یہاں سے کہیں نہیں جائے گی"۔ عارفین کے لہجے میں سختی تھی اور کچھ ارادہ رابعہ کا بھی تھا۔

"کیوں.... کیوں نہیں جائے گی؟ یہ میری بیٹی کی سہیلی ہے یہ میرے گھر پر رہے گی اور جب سوی آ جائے گی تو یہاں آئے گی، میں سوی کا حق اسے مارنے نہیں دوں گی"۔ نفرت سے اسے دیکھا تھا۔

"تو آپ سوی کے آنے کا انتظار کیجیے، مگر مقسوم یہاں سے کسی صورت نہیں جائے گی"۔

"عارفین بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے آفرین! ہمیں پہلے سوی کے گھر آنے کا انتظار کرنا چاہیے اور رہی مقسوم تو یہیں رہے گی، سوی کے آنے تک"۔ رابعہ نے مکمل عارفین کا ساتھ دیا تھا، آفرین خاموش ہو گئیں۔

"آل رائٹ، جیسا آپ مناسب سمجھیں، ویسے بھی اب بہت ٹائم ہو گیا ہے، فجر ہونے والی ہے، مجھے چاہیے گھر وہاں بھی جو ابدہ ہونا ہے"۔ وہ خاموشی سے وہاں سے مقسوم کو ایک نظر اور گھورتی ہوئیں باہر نکل آئیں، ان کے پیچھے رابعہ بھی چلتی ہوئی چلی آئیں۔

"اگر آپ کی اجازت ہو تو دروازہ بند کر دوں؟" لہجے کو بشاش بناتے ہوئے ذو معنی انداز میں اس کی بھیگی بھیگی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"جی.... پلیز بند کر دیجیے"۔ اس کے لب و لہجے میں صاف ڈر و خوف بول رہا تھا، عارفین کا ذو معنی لہجہ اس نے سمجھا ہی نہیں تھا، جس کا عارفین کو اچھی طرح اندازہ تھا۔

"مگر کیسے، یا تو آپ میرے ساتھ وہاں تک آیئے یا پھر اپنی ان نازک ہتھیلیوں کی گرفت سے مجھے آزاد کر دیجیے حالانکہ میں یہ چاہتا نہیں ہوں"۔ اب وہ پوری طرح اس کا اشارہ اور اس کی شرارت سمجھ گئی تھی اور بری طرح جھینپتے ہوئے اپنی ہتھیلی اس کے بازو سے ہٹائی تھی، وہ مسکراتا ہوا دروازہ بند کرنے آگے بڑھا تھا۔

☆.....☆.....☆

پوری رات وہ روتی رہی تھی اپنی اس طرح قسمت بدل جانے پر، وہ اپنے نصیب سے شکوہ کناں تھی۔

"آفریدی کون ہے، یوں اس کی زندگی میں آیا کہ اسے سنبھلنے کا موقع ہی نہیں مل پایا اور اس کے بیچ ایسی کون سی دشمنی ہے جس کا ازالہ میری ذات سے کیا گیا میں جو ایک نامکمل لڑکی ہوں آفریدی نے مزید میری شخصیت مسخ کر کے رکھ دی"۔ یہی سب جو کچھ اس پر بیتا تھا وہ سوچ سوچ کر پھوٹ پھوٹ کر زار و قطار روتی رہی یہاں تک کہ صبح کے سات بج گئے اور پھر نیند نے اس کی سوچوں پر اس کے آنسوؤں پر غلبہ پا لیا تھا۔

بلیک تھری پیس سوٹ میں وہ چلتا ہوا اندر داخل ہوا تھا، ملازمہ جو صفائی کر رہی تھی ڈرائنگ روم کے سامنے کھڑے اس انجان چہرے کو دیکھ کر حیرانی بھری نظروں سے تکنے لگی تھی۔

"دانیہ شیخ کہاں ہے؟" مختصر سا سوال تھا یعنی اس کے آگے کوئی سوال نہیں۔

"جی وہ تو اپنے کمرے میں سو رہی ہیں"۔

"سو رہی ہے؟" آفریدی نے ہینڈ واچ دیکھی جہاں صبح کے 10 بج رہے تھے۔

"اوکے تم اپنا کام کرو، میں خود دیکھتا ہوں"۔ آفریدی نے ملازمہ پر ایک نظر ڈالی اور تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا، اس ملازمہ کی کچھ سنے بغیر کہ وہ یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ ان کے کمرے میں کوئی بھی ان کی بغیر اجازت نہیں جا سکتا، انہیں کوئی نیند سے نہیں اٹھا سکتا، جب تک کہ وہ خود نہیں اٹھ جاتیں۔

آفریدی بغیر ناک کیے اندر داخل ہوا تھا، سامنے جہازی سائز بیڈ پر نظر پڑی جہاں پنک بلینکٹ میں وہ سکڑی سمٹی سی بے خبر سو رہی تھی، رخسار پر جا بجا آنسوؤں کے خشک نشان تھے، جس کا مطلب تھا وہ پوری رات روتی رہی ہے، آفریدی نے پورے کمرے میں نظر دوڑائی، جہاں اسے اپنی مطلوبہ شے مل گئی تھی، ڈریسنگ ٹیبل کے پاس رکھی آئرن چیئر اس نے اٹھائی اور اس کے بیڈ کے قریب رکھی نہایت آرام سے اس پر براجمان ہوا تھا، بغور اس کے چہرے کو تکتے ہوئے اپنی شہادت کی انگلی اس کی بند پلکوں پر پھیری تھی، مردانہ لمس محسوس کر کے دانیہ نے اپنی آنکھیں کھولی تھیں، وہی چہرہ جس سے اس نے پوری رات شدت سے نفرت کی تھی، اس نے آفریدی کی بھاری ہتھیلی اپنے چہرے سے بری طرح جھٹکی تھی اور ایک جھٹکے سے وہ بیٹھی تھی۔

"تمہاری اتنی ہمت کہ تم میرے بیڈ روم میں آ سکتے ہو؟" چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا، آفریدی طنزیہ مسکراہٹ لیے اپنی چیئر سے اٹھا اور اس کے پاس بیڈ پر بیٹھا تھا۔

"تمہیں ابھی بھی میری ہمت پر شک ہے؟" اس نے دانیہ کے کھلے لمبے بالوں کو چھیڑا تھا۔

"دور رہو مجھ سے، کراہیت آتی ہے مجھے تم سے"۔ دانیہ نے بری طرح آفریدی کے ہاتھ کو جھٹکا تھا، مگر آفریدی اس کے اس انداز کو دیکھ کر غصہ نہیں ہوا تھا بلکہ اس کے اندر کے انسان میں ایک تسکین کی لہر دوڑی تھی وہ لطف لے رہا تھا۔

"مگر کیا کریں اب تمہیں اسی کراہیت زدہ انسان کے نام کے ساتھ اپنی پوری زندگی گزارنی پڑے گی دانیہ آفریدی!"

"نہیں میں ایسا کچھ بھی نہیں ہونے دوں گی، میں بہت جلد اس نام سے چھٹکارا پا لوں گی"۔ وہ صرف اسے گھور کے رہ گئی۔

"ویری گڈ! مگر کوئی ریزن تو دو گی نا اس نام سے چھٹکارا پانے کے لیے؟"

"یہی ریزن کیا کم ہے کہ تم نے مجھے کڈنیپ کر کے زبردستی نکاح کے پیپرز سائن کروائے ہیں"۔

"مگر اس ریزن کا کوئی ثبوت نہیں"۔ وہ فل اسے چڑانے کے موڈ میں تھا اور کامیاب بھی رہا تھا اپنی اس حرکت پر۔

"وہ سب میں کچھ نہیں جانتی، بس اتنا جانتی ہوں کہ میں کسی بھی قیمت پر تم سے طلاق لے کر رہوں گی، میرے بابا کا بہت اثر و رسوخ ہے"۔ وہ پھنکاری تھی۔

"چلو پھر دیکھتے ہیں تمہارے بابا ریحان شیخ کا اثر و رسوخ، مگر میری ایک بات تم کان کھول کر سن لو"۔ آفریدی نے اس کا بازو زور سے پکڑ کے جھٹکے سے اپنے قریب تر کیا تھا کہ وہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ پائی اور سیدھی اس کے پہاڑ جیسے وجود سے ٹکرائی تھی۔

''تم کسی بھی عدالت، کورٹ، کچہری میں جاؤ، کتنی ہی کوشش کرلو، تم باپ بیٹی، مگر میں تمہیں کسی بھی قیمت پر طلاق نہیں دوں گا، یوں سمجھ لو کہ تم میرے وجود کا وہ ناسور بن کر رہ گئی جسے میں تمہاری لاکھ کوششوں کے باوجود بھی کاٹ کر نہیں پھینک سکتا، اس لیے میری صلاح مانو، اس خیال کو دل سے باہر نکال دو، یہی تمہارے لیے بہتر ہے''۔ آفریدی نے جس جھٹکے سے اسے اپنے قریب کیا تھا اس سے کئی زور سے خود سے دور بھی کیا کہ وہ پوری جان سے ہل کر رہ گئی اور ایک نگاہ وہ اس کے چہرے پر ڈالتا کھڑا ہوا تھا۔

''مگر ہاں! ایک بات پر ساری زندگی افسوس رہے گا کہ تمہارے باپ کی غلطی کی سزا ان کا تاوان تمہیں چکانا پڑے گا، بڑا غرور ہے نا تمہارے باپ کو، اب وہ جب جب تمہیں دیکھے گا اپنے کیے پر پشیمان ہوگا''۔ وہ پھر رکا نہیں کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا تھا۔

اس کے چلے جانے کے بعد وہ ایک بار پھر بکھرتی چلی گئی، آنسو تھے جو رات بھر بہتے بہتے خشک ہوگئے تھے وہ ایک بار پھر اس کی قسمت پر ماتم کناں تھے۔

☆.....☆.....☆

ژالے کو نجمہ نے آسیہ کے پاس نیچے بھیجا تھا۔ مقسوم کو وہ ڈائمنڈ کا سیٹ دکھانے آئی تھی جو وہ آج کی تقریب میں مقسوم کو منہ دکھائی میں دینے والی تھیں، وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھی سامنے ہی زرمیل کا بیڈ روم تھا، دروازہ کھلا تھا مگر وہ کہیں نظر نہیں آرہا تھا، وہ تائی مما کو یہ ڈائمنڈ سیٹ دکھا کے فوراً سے پیشتر یہاں سے چلی جانا چاہتی تھی کہ وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ زرمیل کا اس سے سامنا ہو مگر وہ کہتے ہیں نا جو ہم سوچتے ہیں ایسا اکثر ہوتا نہیں ہے، زرمیل منظر عام پر آگیا تھا، وہ واش روم میں تھا بلیو جینز، بغیر شرٹ کے گلے میں ٹاول ڈالے وہ سامنے کھڑا تھا۔

ژالے کی نگاہ اس کے حلیے کو دیکھ کر خود ہی جھکتی چلی گئی تھی، وہ بیٹھے سے کھڑی ہوگئی، مگر اپنا رخ اس کی سمت سے موڑ لیا تھا۔

زرمیل زمین پر مضبوط قدم دھرتا آہستہ سے روم سے آگے بڑھا اور اس کے بالکل پیچھے جا کر کھڑا ہوگیا، زرمیل کے کسرتی بدن سے پھوٹتی کلون کی خوشبو بہت قریب محسوس ہوئی تھی، وہ سٹپٹا کے جو جھٹکے سے مڑی تھی، زرمیل اس کے اس قدر قریب کھڑا تھا کہ وہ پلٹنے پر بالکل اس کے چوڑے سینے سے لگی تھی، ایک تو زرمیل کا یہ حلیہ پھر اس کی یہ قربت، ژالے کے جسم میں ایک سرد سی لہر دوڑ گئی وہ جلدی سے پیچھے ہوئی تھی۔

''آج میری صبح کا آغاز بہت خوبصورت ہوا ہے، یعنی کہ میری محبت کا اثر ہوتا نظر آرہا ہے''۔ اس کا اشارہ یہاں اس کی موجودگی پر تھا، وہ اس کا اشارہ بہت اچھی طرح سمجھ گئی تھی، اس لیے نہایت تپ کر اسے دیکھا تھا۔

''آپ اپنی اس خوش فہمی سے باہر نکل آیئے، مجھے میری ماما نے زبردستی بھیجا ہے کہ یہ ڈائمنڈ سیٹ تائی مما کو دکھا کے لاؤں جو ماما آج ولیمے میں مقسوم بھابی کو گفٹ کرنے والی ہیں''۔ اس نے اپنے آنے کی وجہ تفصیل سے بیان کردی جسے زرمیل نے بہت سکون واطمینان سے سنا تھا۔

''تم نے تو لمبی چوڑی تمہید باندھ دی، مگر میرے لیے یہی کافی ہے کہ تم اس وقت یہاں میرے سامنے ہو، اب شاباش! ایک کام کرو میرے لیے اچھا سا ناشتہ بنا کے لاؤ''۔ یعنی وہ اسے سلگا کے حظ اٹھا رہا تھا۔

''میں آپ کی نوکر نہیں ہوں''۔ زرمیل اس کے سلگ کر جواب دینے پر ہنس دیا تھا۔

''اچھا تو یار! کمرے میں میری شرٹ پڑی ہے اس پر استری ہی کردو''۔

''آپ اپنے سارے کام خود کریں''۔

''تو تمہیں بیوی بنا کر لایا تو ہوں''۔

''اچھا اس بیوی کا خیال بڑی جلدی آگیا آپ کو؟'' اس نے ''بیوی'' پر خاص زور دیتے ہوئے طنز بھرے انداز میں زرمیل کو دیکھا تھا۔

''چلو آ تو گیا نا، اب بحث چھوڑو اور کمرے میں چلو مجھے تم سے کچھ کام ہے''۔ زرمیل نے اس کی نازک کلائی پکڑ لی تھی۔ ژالے بری طرح گڑبڑا کے رہ گئی، اس کی بے تکلف حرکت پر، بات تو وہ اس طرح کر رہا تھا جیسے بہت اچھے تعلقات ہیں دونوں کے درمیان میں جیسے کبھی کوئی حادثہ ان کی زندگی میں آیا ہی نہیں، مگر ساتھ ہی یہ خیال بہت تیزی سے کوندا کہ ارشد گھر میں ہے اور کسی بھی وقت نیچے آسکتا ہے کیونکہ باہر جانے کا راستہ یہیں سے نکلتا تھا۔

''زرمیل! چھوڑیے میرا ہاتھ، ارشد بھائی گھر میں ہیں''۔ ژالے نے جھٹکے سے اس کی مضبوط ہتھیلی سے اپنی کلائی چھڑائی تھی۔

''میں نے تم سے کہا تھا نا کہ مجھے تمہارے اور اپنے بیچ کسی تیسرے وجود کا ذکر برداشت نہیں ہے اور تم نے پھر اس سالے کا نام لیا''۔

''زرمیل! مائینڈ یور لینگویج، اب آپ گالیاں بھی بکنے لگے ہیں، شرم آنی چاہیے آپ کو''۔ زرمیل کی یہ طرز گفتگو سخت ناگوار لگی تھی۔

''مگر میں نے گالی تو نہیں دی، تمہارے رشتے سے تمہارا چہیتا بھائی میرا سالا ہی تو لگا ناں''۔ ژالے اس کی بات بغور سمجھتی ہوئی بری طرح جھینپ کر رہ گئی، اس کے چہرے کا رنگ حیا سے دہک اٹھا تھا، زرمیل نے بڑی چاہ سے اس کے قوس وقزح کے ان رنگوں کو اپنی نگاہوں سے دل میں اتارا تھا

''ژالے....!'' نہایت دھیمی آواز میں پکارتا جیسے کوئی فسوں پھونکا ہو۔ ژالے نے سیاہ گھنیری پلکیں بمشکل اوپر اٹھائی تھیں۔

''سب کچھ بھول کر واپس میرے پاس آجاؤ''۔ پہلے تو وہ خاموش رہی، اس کے چہرے کو اس کی سرمئی آنکھوں کو بغور تکتی رہی، ایک لمحے کو وہ سب کچھ بھول بھی جائے مگر اپنی انا پر لگی کاری ضرب اپنی ذات کا وہ ٹھکرایا جانا، نسوانیت کی بے عزتی نہیں، یہ سب بھول جانا اتنا آسان نہیں تھا، دو سال میں جل جل کر سلگ سلگ کر وہ جس آگ میں جلی تھی اس کی معمولی سی بھی تپش کا زرمیل کو اندازہ نہیں تھا ورنہ وہ یہ بات اتنی آسانی سے نہیں بولتا۔

''نہیں کبھی نہیں، میں آپ کے پاس واپس نہیں آؤں گی، آپ کے لیے چاہے بھول جانا آسان ہو، مگر میرے لیے وہ سب کچھ وہ ایک رات بھولنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے، ان دو سالوں میں جتنا میں اور میرے چاہنے والے تڑپے ہیں آپ اس کا مداوا نہیں کرسکتے''۔ سبز کانچ سمندر سے بھرنے لگے تھے۔

''میں آپ سے نفرت کرتی ہوں، شدید نفرت، مت آیا کریں میرے سامنے، مجھے وہ لمحات پھر سے یاد آنے لگتے ہیں، زخم ادھڑنے لگتے ہیں، آپ کو دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے مجھے''۔ وہ پھر رکی نہیں، سسکتی ہوئی وہاں سے بھاگتی ہوئی اوپر گئی تھی۔

اور وہ وہاں پتھر کا مجسمہ بن کر رہ گیا، ایسا گلیشیئر جو جانے کب ژالے کی محبت کی گرمی سے پگھلے گا، ژالے کی آنکھوں میں آنسو اور اس کی باتوں نے زرمیل کو مزید شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیا تھا۔

''زرمیل بیٹا! ژالے کو منانا آسان نہیں ہے''۔ آسیہ جو جانے کب سے پیچھے کھڑی ان دونوں کی گفتگو سن رہی تھیں، دھیرے دھیرے چلتی ہوئیں اس کے مقابل آٹھہریں، ژالے کو دیکھ کر تو خود ان کا دل بھی خون خون ہوتا تھا،

کلیجہ منہ کو آتا تھا۔

''جانتا ہوں مما! مگر میں ہمت نہیں ہاروں گا، میں ژالے کو اس کی خوشیاں، وہ محبت واپس دوں گا جو اس کا حق ہے، میں اسے اپنے پاس واپس بلالوں گا، یہ رستہ کٹھن ضرور ہے مگر میں ہر مشکل پار کرلوں گا''۔ اس نے آسیہ کے دونوں ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام لیے تھے۔

''انشاء اللہ! میرے چاند! جیت تمہاری ہی ہوگی''۔ انہوں نے دل سے دعا دی اور اس کی چوڑی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے وہ ڈائمنڈ کا سیٹ اٹھایا جو ژالے ٹیبل پر رکھ کر چلی گئی تھی اسے لیے اوپر کے پورشن کی جانب بڑھ گئیں۔

☆.....☆.....☆

دروازے پر زور زور سے دستک دی جارہی تھی، عارفین بیڈ پر بے خبر سو رہا تھا، مقسوم کو اس کی بے خبر نیند کا اندازہ تو ہوگیا تھا کہ چاہے آندھی آئے، طوفان آئے وہ اپنی پوری نیند کرکے ہی اٹھتا ہے، یہ کوئی دوسری تیسری بار تھا جو دروازہ بجا بجا کر تھک ہار کر چلا گیا مگر اب دروازے کو جس طرح پیٹا جارہا تھا لگ رہا تھا کہ دروازے کو توڑ کے ہی دم لیں گے بالآخر مقسوم صوفے سے اٹھی اور بیڈ کی سمت بڑھی جہاں وہ پورے بیڈ پر تسلط جمائے بے خبر سو رہا تھا۔

''سنیئے! اٹھیے نا، دروازے پر کوئی ہے''۔ بنا اس کو ہاتھ لگائے مقسوم آہستگی سے بولی مگر وہ تھا کہ ٹس سے مس نہ ہوا، اسی شش و پنج میں وہ کھڑی سوچتی رہی کہ نظر الارم گھڑی پر پڑی۔

''یہی طریقہ ٹھیک رہے گا''۔ اس نے الارم گھڑی اٹھائی اور اوکے کرکے بالکل اس کے کان کے نزدیک رکھ دی، عارفین بری طرح گھبرا کے رہ گیا۔

''یا اللہ خیر!'' مقسوم کی دبی دبی مسکراہٹ اس سے مخفی نہیں رہ سکی۔

''یہ کون سا صور اسرافیل تھا''۔

''دروازے پر کوئی ہے، تیسری بار آیا ہے کوئی، آپ پلیز دیکھیے''۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے مگر آپ کو کوئی اور طریقہ نہیں آتا نیند سے جگانے کا؟'' وہ کان کھجاتا اٹھ کے بیٹھا تھا اور الارم کو آف کرکے ٹیبل پر رکھا۔

''نہیں''۔ اس نے نفی میں ادھر ادھر گردن گھمائی، عارفین اسے بغور تکتا ہوا گہری سانس لیتے ہوئے بیڈ سے نیچے اترا تھا۔

''اگر ہم میں اتنی فرینڈ شپ ہوتی تو میں ضرور بتاتا کہ نیند سے کیسے جگایا جاتا ہے''۔ وہ ذو معنی میں کہتا ہوا آگے بڑھا اور اس کی ذو معنی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے وہ کان کی لوؤں تک سرخ پڑ گئی۔

''یار! کیا عارفین بھائی! آپ نے تو حد ہی کردی، ہم کل سے ایکسائیٹڈ ہو رہے ہیں کہ مقسوم بھابی کو دیکھیں اور آپ ہیں کہ اٹھ کر ہی نہیں دے رہے''۔ بے تکان بولتی سب سے پہلے عارفین کی بنا اجازت لیے ماہین اندر داخل ہوئی اس کے پیچھے حرا اور ژالے بھی تھیں۔

''ماشاء اللہ، زبردست، بیوٹی فل، واؤ...!'' اس طرح کے بہت سے کمنٹس مقسوم نے اپنے لیے سنے تھے، وہ ان لوگوں کو دیکھ کر گھبرا ہی گئی، سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے، وہ سب اس کو گھیر کر کھڑی ہوگئیں، تبھی اس کی مدد طلب نگاہ ایک چہرے پر اٹھی تھی، اور ان سیاہ کانچ میں رقم تحریر وہ بھلا کیسے نہیں سمجھ سکتا تھا، نیند تو ویسے ہی پوری ہوچکی تھی اب اور کیا سونا، یہی سوچتا وہ آگے بڑھا۔

''دیکھ لیا اب چلو نکلو کمرے سے شاباش!''

''واٹ...؟'' ان تینوں کا اس عزت افزائی پر منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''اسے کہتے ہیں جورو کا غلام''۔ ژالے نے بے ساختہ ہوکر عارفین کا ریکارڈ لگایا، عارفین ژالے کے اس بے ساختہ جملے پر کچھ خجل سا ہوگیا، لیکن اگر وہ معمولی سا بھی ڈھیلا پڑ جاتا تو یقیناً یہ اس کی کمزوری ہوگی، جس کا یہ لڑکیاں بھرپور فائدہ اٹھاتیں۔

''ہاں تو اس میں کیا کوئی شک ہے؟ بھئی! ہماری مسز ہے ہی اتنی پیاری و خوبصورت کہ ان کا غلام ہونا پڑے گا''۔ اس نے ان تینوں لڑکیوں کو سائیڈ میں کیا اور خود مقسوم کے برابر میں جاکر کھڑا ہوگیا۔

''عارفین بھائی! آپ تو بڑے ہی بے شرم ہیں، ہم تو سمجھے تھے کہ اس گھر میں ایک ہی بے شرمی کا پیس ژالے ہے، مگر یہاں تو آپ اس سے بھی آگے ہیں''۔ ماہین نے عارفین کو رگیدنے کے ساتھ ژالے سے بھی اپنا پچھلا حساب بے باق کرنا چاہا۔

''ہیلو...ایکسکیوزمی، تم یہاں میرے ساتھ عارفین بھائی کا ریکارڈ لگانے آئی ہو یا میری ٹانگ کھینچنے؟'' ژالے نے کمر کس لی۔

''ژالے...!'' عارفین نے ژالے کو گھورا تھا۔

''مجھے یقین ہے ایسا تخریب کار دماغ تمہارا ہی ہوسکتا ہے''۔

''کیا مطلب ہے آپ کا عارفین بھائی! یہاں اور سب بہت معصوم ہیں؟ ٹھیک ہے نہیں کرتی میں آپ سے بات ورنہ ہی آپ مجھے منانے کی کوشش کیجیے گا''۔ ژالے وارن کرکے جانے لگی۔

''ارے...رے میری سویٹ سسٹر! میں تو مذاق کر رہا تھا''۔ عارفین نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ کے اسے روکا۔

''عارفین بھائی! ابھی آپ ہمیں مروا دیتے، جانتے ہیں کہ ژالے کی ناراضی ہم افورڈ نہیں کرسکتے''۔ حرا شرارت بھری مسکراہٹ چہرے پر سجا کر آگے بڑھی تھی۔

''ٹھیک کہا حرا! تم نے، کیونکہ یہ ناراضی میں کھاتی بہت ہے''۔ ماہین نے بھی چٹکلا چھوڑا تھا۔

''کیا کہا...؟'' ژالے نے ماہین کے ایک موٹی سی چٹکی بھری کہ وہ بلبلا کے رہ گئی اور ''سی...'' کرتے ہوئے اپنا بازو سہلانے لگی۔

''تم لوگ خوب تاک تاک کر مقسوم بھابی کے سامنے میری بے عزتی کرو''۔

''اب تم لوگ اپنی ہی ہانکتی جاؤ گی یا میری مسز سے بھی ملوگی؟'' عارفین نے بڑی چاہت بھری نظروں سے مقسوم کو دیکھا تھا۔

''ہاں عارفین بھائی! ہم اصل میں مقسوم بھابی سے ہی ملنے آئے تھے کب سے انتظار کر رہے تھے کہ اب صبح ہو اور ہم مقسوم بھابی کے دیدار کا شرف حاصل کریں''۔ مقسوم کو دیکھ کر ژالے کو بہت خوشی ہوئی تھی۔

''واقعی مقسوم بھابی! اگر آپ نے اپنا چہرہ نہ دکھانے کی منت مانی تھی تو بالکل ٹھیک مانی تھی، آپ واقعی میں بہت خوبصورت ہیں''۔ حرا نے مقسوم کی سرخ و سفید رنگ کو دیکھ کر کہا جس کی تائید ان دونوں نے بھی کی تھی۔

''بہت اچھی بات ہے، تعریف کر رہے ہو وہ بھی سوکھے منہ، ژالے! تمہیں تو کم از کم شرم آنی چاہیے، شادی شدہ ہو ایک عدد بچے کی ماں بھی ہو، شوہر نامدار آئے ہیں پھر بھی خالی ہاتھ منہ اٹھائے چلی آئیں مقسوم کو دیکھنے''۔ عارفین نے جان بوجھ کر یہ ذکر چھیڑا تھا، ژالے نے عارفین کی اس اچانک بات پر سٹپٹا کے پہلے مقسوم کو دیکھا پھر عارفین کو

دیکھنے لگی تھی، جبکہ ماہین اور حرا اچھی طرح سمجھ گئی تھیں، دونوں کی دبی دبی مسکراہٹ پھوٹی تھی جسے وہ ژالے سے چھپ گئی تھیں۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو، ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں، اچھی خاصی اسامی ہو کوئی بھاری سا گفٹ ہونا چاہیے تمہاری طرف سے ہماری مسز کے لیے، اس لیے جاؤ اور اپنے میاں کے ساتھ کوئی اچھا اور مہنگا سا گفٹ خرید کے لاؤ مقسوم کے لیے''۔ وہ اگر اسے سلگا رہا تھا تو وہ کامیاب رہا تھا، ژالے سر تا پیر سلگ کر رہ گئی تھی۔

''عارفین بھائی! اگر آپ کو گفٹ ہی چاہیے تو وہ میں دے دوں گی، بھاری اور مہنگا، مگر اس کے لیے مجھے کسی کی بھی ضرورت نہیں ہے''۔ اس نے کچھ سختی سے عارفین کو جواب دیا تھا، ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو وہ بڑی مشکل سے سنبھلی تھی کہ عارفین کی بات نے پھر سے اس کے دل کے زخم پر نمک چھڑک دیا، وہ پھر رکی نہیں حرا کو سائیڈ میں کرتی وہاں سے نکلتی چلی گئی، وہ سب اسے آواز ہی دیتے رہ گئے مگر کسی کی بھی پکار پر اس نے کان نہیں دھرے تھے، ماحول یکدم سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا''۔ حرا نے پرسوچ لب و لہجے میں دروازے کی سمت دیکھا تھا۔

''بیٹھے گا، ضرور بیٹھے گا اور اس کا کوئی سولڈ حل نکالنا پڑے گا''۔ عارفین کی بھی سوچتی نگاہیں دروازے پر تھیں۔

اسی پل حرا اور ماہین کی نگاہ مقسوم پر پڑی جو ناسمجھی کی کیفیت میں انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔

''یہ لو بتاؤ ذرا، ہم نے مقسوم بھابی کو بھی پریشان کر دیا، وہ بھی کیا سوچ رہی ہوں گی''۔ ماہین کے کہنے پر عارفین کی نگاہ اپنے برابر میں کھڑی مقسوم پر ٹھہر گئی۔

''ابھی تو فی الحال کچھ نہیں سوچ رہی ہیں، مگر بہت جلد تم لڑکیوں کی بے وقوفیاں سمجھ جائے گی''۔

''عارفین بھائی...!'' دونوں کی زوردار چیخ نکلی تھی۔

''ٹھیک ہے آج ولیمہ ہے آپ نکلوا کے دیکھ لیں ہم سے گفٹ''۔ حرا نے اپنے تئیں دھمکی دی۔

''پھر تو تمہیں گفٹ ابھی دینا پڑے گا کیونکہ آپ لوگوں کے لیے اطلاع عرض ہے کہ آج کی تقریب پوسٹ بون ہو چکی ہے''۔

''کیوں...؟'' دونوں حیرانگی سے بولیں، مگر ماہین کو سب سے زیادہ افسوس یوں بھی ہوا کہ آج کی تقریب میں پہننے کے لیے اس نے بہت زبردست انارکلی فراک سلوائی تھی۔

''بھئی! کچھ ایسی وجوہات تھیں جس کی بنا پر ولیمہ کینسل کرنا پڑا''۔

''مگر عارفین بھائی! ہماری تو مکمل تیاریاں ہیں اور میں نے تو بہت خوبصورت سوٹ بھی سلوایا ہے''۔

''تو کوئی بات نہیں ہم آپ کا سوٹ ضائع نہیں ہونے دیں گے، ایک کام کرتے ہیں، آج رات کا ڈنر سب ینگ پارٹی کا میری طرف سے''۔ اس نے شان بے نیازی سے فرضی کالر چڑھائے تھے۔

''یا ہو.... یہ بات ہوئی نا، پھر تو مقسوم بھابی! آپ کا گفٹ پکا ہے''۔ حرا خوشی سے بولتے ہوئے مقسوم سے لگ گئی تھی۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے، مگر ایک پرابلم ہو گئی ہے''۔

''وہ کیا....؟''

''ارے ہماری محفل کی جان ژالے ناراض ہو گئی ہے''۔

''آپ اس کی فکر مت کریں، اسے ہم منا لیں گے، بس آپ اپنی جیب گرم رکھیے گا''۔

''آل رائٹ، تو ٹھیک رات کے 8 بجے سب تیار رہنا''۔

''او کے۔ ہم آپ کو 8 بجے سے پہلے ہی ریڈی ملیں گے، اچھا چلیں اب ہم ذرا مقسوم بھابی کو تیار کر دیں، رابعہ پھپھو نے ناشتہ بھی لگوا دیا ہو گا''۔ ماہین نے مقسوم کی سفید دودھیا کلائی تھام لی۔

''جی نہیں آپ ان کی فکر چھوڑ دیں انہیں تیار کرنے کی ذمے داری میری ہے، میں خود انہیں لے کر آ رہا ہوں، آپ دونوں جائیے''۔ عارفین نے بڑھ کر بلا جھجک ماہین کا ہاتھ اس کی کلائی سے ہٹایا، دونوں کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا، آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''اب جاؤ بھی...!'' دونوں نے اپنے چہرے کا زاویہ بدلا۔

''جا رہے ہیں، ویسے ژالے نے ابھی کچھ دیر پہلے بالکل ٹھیک ہی کہا تھا''۔ دونوں نے دو قدم پیچھے ہٹائے تھے۔

''کیا...؟'' اس نے ابرو اچکائی۔

''جورو کا غلام...!'' دونوں ایک ساتھ بولتی ہوئیں بھاگی تھیں کیونکہ عارفین نے ایک قدم آگے بڑھایا تھا۔

ان دونوں کے جانے کے بعد ان کی بات پر وہ مسکرا دیا، آگے بڑھ کر دروازہ لاکڈ کیا اور آہستہ روی سے چلتا ہوا مقسوم کے مقابل آ ٹھہرا، اس کے جھکے چہرے کو ٹھوڑی سے پکڑ کر اوپر اٹھایا تھا، وہ اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پیوست کیے اپنی گھبراہٹ کو کم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ عارفین نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔

''مقسوم! میری سب کزنز مجھے بہت چاہتی ہیں بالکل سگے بھائیوں کی طرح اور میں بھی ان سے بہت محبت کرتا ہوں اس لیے میرے حوالے سے سب تمہیں اسی طرح ٹریٹ کریں گی اور یہ تو سمجھو ایک ٹریلر تھا باہر تو ایک سے ایک منچلا اور شریر ہے، تمہیں یہاں ایڈجسٹ ہونا پڑے گا''۔

''مگر ان سب پر میرا کوئی حق نہیں ہے، اتنی محبت و چاہت عزت و احترام کے میں لائق نہیں ہوں یہ جگہ میری نہیں ہے اس جگہ پر یہاں میرا کوئی حق نہیں ہے''۔ عارفین نے خاموشی سے اسے سنا اور بغور دیکھا تھا مگر کچھ ہی لمحوں تک۔

''تم کس لائق ہو اور تمہارا یہاں کیا حق ہے کبھی فرصت سے بتاؤں گا مگر یہ بعد کی بات ہے کہ یہ جگہ کس کی ہے، سچائی صرف یہ ہے کہ تم میری بیوی ہو اور اس گھر کی بہو ہو، اور فی الحال یوں سمجھ لو کہ تمہیں اس گھر کی بہو بیٹی کا رول پلے کرنا ہے''۔

''مگر...!''

''شش....!'' عارفین نے اس کے ہلتے پنک لبوں پر اپنی انگشت شہادت رکھ دی۔

''آگے کچھ نہیں.... اور اب ویسے ہی بہت دیر ہو گئی ہے، چلنا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ گھر کے سارے افراد ہمارے کمرے میں موجود ہوں''۔ وہ مسکرا کے اس کے پاس سے اٹھتا ہوا وارڈروب کی جانب بڑھا اور اپنے لیے ایک سادہ کاٹن کا گرے شلوار قمیض ہینگر کیے نکالا اور اس کے لیے بھی ایک ریڈ جارجٹ کا فل ایمبرائیڈری سوٹ نکالا تھا۔

''جلدی سے بغیر کچھ سوچے اور بولے ریڈی ہو جاؤ''۔ وہ سوٹ اس کے ہاتھ میں تھماتا ہوا واش روم میں گھس گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

''ماما بتا رہی تھیں کہ آج کا ولیمہ کینسل ہو گیا ہے؟'' ثمرن، ارشد کی ٹائی کی ناٹ ٹھیک کرتے ہوئے بولی تھی۔

''ہاں پتہ چلا ہے، مگر وجہ نہیں بتائی، خیر.... ہو گی کوئی وجہ''۔ ارشد نے اپنا موبائل دیکھا جہاں حسن کی مس کالز

تھیں۔

''آج میٹنگ بھی ہے ہوٹل میں، ولیمے کی وجہ سے کینسل ہوگئی تھی، مگر ہوٹل میں رکھ لی ہے''۔

''تو آپ رات کا ڈنر ہمارے ساتھ نہیں کریں گے؟'' ثمرن نے ٹیبل سے والٹ اٹھا کے اس کو دیا۔

''نہیں، بلکہ مجھے آج رات دیر بھی ہوسکتی ہے''۔ والٹ اور موبائل کوٹ کی جیب میں ڈالا۔

''مگر عارفین نے تو ہوٹل میں ڈنر پر ہم سب کو انوائٹ کیا ہے''۔

''میری طرف سے معذرت کر لینا اور وہ جو گفٹ خریدا تھا عارفین کی دلہن کے لیے وہ آج ہی دے دینا، جب ولیمہ ہوگا تب کی تب دیکھی جائے گی''۔ ارشد نے یہ کہہ کر مرر میں ایک بار پھر اپنا جائزہ لیا، یہ بھی نہیں سوچا کہ اس کے ایسے رویے سے اس کا چھوٹا سا دل کس قدر دکھا ہوگا، ارشد بغیر پھر کچھ کہے اور اس کی طرف دیکھے جانے لگا کہ کچھ یاد آنے پر پلٹا۔

''اور ہاں اگر زرمیل جائے گا تو ژالے کو جانے کی ضرورت نہیں ہے''۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ عارفین نے تو سب کو انوائٹ کیا ہے''۔ ارشد کے چہرے پر معمولی سی سختی در آئی، وہ دو قدم آگے بڑھا تھا۔

''پہلی بات تو یہ کہ مجھے بحث کرنے والی عورتوں سے سخت چڑ ہے، یہ تم اچھی طرح جانتی ہو اور دوسری یہ کہ جب میں کچھ کہہ دوں اس سے آگے کرنے کے لیے کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، اس لیے اگر ژالے کا کہہ دیا نہیں جائے گی تو نہیں جائے گی''۔ اس نے اچھی طرح ثمرن کو جھڑک دیا تھا۔

''لیکن ارشد! مقسوم کیا سوچے گی''۔

''کہا ناں کہ مجھ سے بحث مت کیا کرو، کوئی کیا سوچتا ہے مجھے یا تمہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے اور اب اپنی فضول بکواس میں مجھے مزید دیر مت کرواؤ''۔ وہ اسے گھورتا ہوا بریف کیس اٹھائے کمرے سے نکلتا چلا گیا، ثمرن کی آنکھوں سے چند موتی ٹوٹے اور اپنا اصل کھوتے چلے گئے۔

☆.....☆.....☆

ٹیکسی ''شیخ ولا'' کے پاس آ کر رکی تھی، چوکیدار ریحان شیخ کو دیکھ کر اپنی چیئر سے اٹھا اور ٹیکسی کا دروازہ کھولا، وہ باہر نکلے چوکیدار نے ان کا سوٹ کیس ٹیکسی سے نکالا تھا، وہ اندر بڑھے سارے ملازمین نے انہیں سلام کیا تھا، جن کا انہوں نے جواب دیا اور ڈرائیور کو مخاطب کیا۔

''تم ایک کام کرو، گاڑی تیار کرو، میں فریش ہو کر آتا ہوں پھر وانیہ کو لے کر آنا ہے''۔

''مگر بڑے مالک وہ تو گھر پر ہی ہیں''۔ ڈرائیور نے ادب سے جھک کر کہا۔

''گھر پر.... مگر وہ تو اپنی سہیلی کے رکی تھی''۔

''جی بڑے مالک! مگر وہ تو اسی رات کو ہی گھر واپس آ گئی تھیں، اور انہیں کوئی صاحب چھوڑ کے گئے تھے''۔

''اچھا.... کون صاحب تھے؟''

''یہ تو میں نہیں جانتا اور نہ ہی میں نے انہیں یہاں پہلے کبھی دیکھا ہے''۔ ریحان شیخ نے اسے خاموشی سے دیکھا اور کچھ کہے بنا وانیہ کے کمرے کا رخ کیا تھا۔ ہلکے سے دروازہ ناک کیا مگر اندر سے جواب ندارد، تو انہوں نے دھیرے سے دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا، کمرہ پورا گمبھیر خاموشی اور اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا، انہوں نے سوئچ بورڈ پر ہاتھ مارا، کمرہ روشنیوں میں پورا نہا گیا، انہوں نے پورے کمرے میں نگاہ دوڑائی، ایسا لگ رہا تھا جیسے

برسوں سے کمرے کی صفائی ستھرائی نہیں ہوئی ہے، اس قدر پھیلا ہوا تھا ان کی متلاشی نگاہیں بیڈ کے پاس دیز کارپٹ پر سکڑی سمٹے ہوئے وجود پر پڑیں جسے پہچاننے میں انہیں دیر نہیں لگی۔

''وانی.... میری جان!'' ان کے لب و لہجے میں اس قدر تڑپ تھی وہ جو لٹی پٹی سی اپنی دنیا میں گم صم تھی، اپنے چاہنے والے بابا کی آواز پر اس نے چہرہ اوپر اٹھایا، ریحان شیخ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں دبوچ لیا ہو، کتنے ہی ٹکڑے ہوئے تھے ان کے دل کے اس کی حالت دیکھ کر، مرجھایا، اجڑا چہرہ، زرد سپید رنگت، آنسوؤں سے بھری آنکھوں کے نیچے حلقے، دو دن میں ایسی کیا قیامت ٹوٹی کہ وہ اس قدر ابتر حالت میں تھی۔

''بابا...!'' اس نے بلک کر دونوں ہاتھ بڑھائے تھے۔

''بابا کی جان!'' وہ بھی تڑپ کے آگے بڑھے اور اس کے سہمے وجود کو اپنی نرم و گرم آغوش میں چھپا لیا، وہ ریحان شیخ کے سینے میں سر دیئے زار و قطار رونے لگی کہ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں چپ کرانا مشکل ہوگیا تھا۔

''کیا ہوا وانی! میرا بچہ، بتاؤ ورنہ میرا دل پھٹ جائے گا''۔ وہ اس کا سر سہلا رہے تھے۔

''بابا! میں برباد ہوگئی''۔

''کیا کہہ رہی ہو وانی! کیا ہوا ہے؟'' انہوں نے اسے کندھوں سے پکڑ کے سامنے کیا۔

''وانیہ! بتاؤ میرے بچے، کیا ہوا ہے میرے پیچھے؟'' اور پھر وہ آنسوؤں کے درمیان ایک ایک بات بتاتی چلی گئی۔

''کیا.... مگر یہ ہے کون؟''

''میں کچھ نہیں جانتی بابا! وہ بھی آپ کو بہت برا بھلا بول رہا تھا''۔ ریحان شیخ سوچنے پر مجبور ہوگئے آخر انہوں نے ایسا کون سا گناہ کر دیا جس کی سزا ان کے جگر گوشے ان کی بیٹی کو ملی تھی۔

''بابا! وہ بہت برا ہے، میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی، آپ مجھے اس کے نام سے آزاد کرائیے''۔ وہ بلک بلک کر روئے ہی جا رہی تھی، کسی طرح چپ ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

''کول ڈاؤن بیٹا! جیسا تم چاہو گی ویسا ہی ہوگا، کچھ ہی دیر میں اسے سلاخوں کے پیچھے جاں گسل نہ کرا دیا میرا بھی نام نہیں، اسے تمہارے ایک ایک آنسو کا حساب دینا ہوگا''۔ انہوں نے اس کے بالوں پر بوسہ لیا اور رومال سے اس کا بھیگا چہرہ صاف کیا۔

''چلو شاباش! کھڑی ہو، پتہ نہیں کب سے بیٹھی ہوگی، مجھے یقین ہے کہ کل سے کچھ کھایا بھی نہیں ہوگا''۔ انہوں نے نہایت آرام سے اسے سہارا دے کر اٹھایا اور آہستہ سے بیڈ پر بٹھا دیا تھا۔

''نوری...!'' انہوں نے نوکرانی کو آواز دی۔

''جی بڑے مالک!'' وہ فوراً حکم کی تعمیل کرتی ہوئی دوڑتی چلی آئی تھی۔

''سب سے پہلے وانی کے لیے کچھ فروٹس اور دودھ لے کر آؤ، آج میں خود اپنی بیٹی کو اپنے ہاتھ سے کھلاؤں گا، پھر اچھی طرح اس کمرے کی صفائی کرنا''۔ وہ جانتے تھے کہ وانیہ نے کمرے میں آنے کی کسی کو بھی اجازت نہیں دی ہوگی۔ اپنے جان سے عزیز بابا کو سامنے پا کر اسے کچھ ڈھارس ہوئی، ایک مضبوطی کا احساس جاگا تھا، کچھ ہی دیر میں نوری فریش فروٹس اور دودھ لے کر آ گئی تھی، ریحان شیخ اس کے بہت منع کرنے کے باوجود اس کو کھلاتے چلے گئے۔

''بابا! اب بس کریں، میں نے بہت کھا لیا''۔ وہ دودھ بھرا گلاس اس کے منہ سے لگا رہے تھے۔

''کوئی بہت نہیں کھایا ہے، اپنی حالت دیکھو ذرا، میں تو اتنا پچھتا رہا ہوں کہ یا تو مجھے جانا نہیں چاہیے تھا یا تمہیں

اپنے ساتھ زبردستی ہی لے جاتا تو بہتر تھا''۔انہوں نے زبردستی اسے دودھ کا آدھا گلاس پلا دیا۔

''ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ بابا! مجھے آپ کی بات مان لینی چاہیے تھی''۔وہ سر جھکائے شرمندگی سے بولی۔

''لیکن خیر...چھوڑو اب تمہیں اور زیادہ ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میں آ گیا ہوں، سب ٹھیک ہو جائے گا''۔انہوں نے اس کے جھکے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا تھا، پھر کتنی ہی دیر تک وہ دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے تھے، وانیہ بہت حد تک سنبھل گئی تھی۔

''مگر بابا! آج تو ولیمہ تھا آپ نے اٹینڈ کیوں نہیں کیا؟''

''ہاں تھا تو مگر آج کی تقریب پوسٹ پون ہو گئی ہے''۔

''پوسٹ پون...؟''اس کے چہرے پر حیرانگی در آئی۔

''مگر کیوں بابا؟''

''پتہ نہیں بیٹا! اور نہ ہی رابعہ نے بتایا، ہو گی کوئی وجہ لیکن وہ تمہارا بہت پوچھ رہی تھیں اور عارفین بھی ناراض ہو رہا تھا، بول رہے تھے کہ مقسوم کو لے کر وہ خود تم سے ملانے آئیں گے''۔

''یہ تو ان کی محبت ہے بابا!''وہ خوش دلی سے بولی تھی۔اسی دوران ریحان شیخ کا موبائل بج اٹھا، انہوں نے موبائل اسکرین دیکھی جہاں کوئی نیا نمبر چمک رہا تھا، انہوں نے اوکے کا بٹن پریس کیا۔

''ہیلو...!''

''السلام علیکم سسر جی!''نہایت چہکتی ہوئی آواز گونجی تھی۔ریحان شیخ کی غصے سے رگیں تن گئیں۔

''کیا بے ہودگی ہے یہ، کون بات کر رہا ہے؟''

''ارے...او آئی ایم سوری! مجھے پہلے آپ سے اپنا انٹروڈکشن کرانا چاہیے تھا، یوں اچانک دھچکا دے کر آپ کی ہارٹ بیٹس نہیں بڑھانی چاہیے تھی، تو مسٹر ریحان شیخ! میں آپ کا داماد بات کر رہا ہوں''۔اس کے اس حوالے پر ریحان شیخ کے اعصاب میں کھنچاؤ سا آ گیا تھا۔

''تو تم ہو جس نے میری بیٹی کو کڈنیپ کر کے زبردستی نکاح کیا ہے، تم بس میرے سامنے ایک بار آ جاؤ پھر میں تمہارا وہ حشر کروں گا کہ تمہاری سات پشتیں یاد رکھیں گی''۔وہ غصے سے دہاڑے تھے، وانیہ جو انہیں دیکھ رہی تھی سمجھ گئی تھی کہ موبائل کے اس سائیڈ کون بات کر رہا تھا، وہ اندر تک سہم گئی تھی۔

''ضرور...ضرور سسر جی! میں ضرور تمہارے سامنے آؤں گا، بلکہ آج رات کے ڈنر پر ملاقات کر لیتے ہیں، اپنی بیٹی سے کہنا کہ میرے لیے اچھا سا ڈنر بنوا کر رکھے''۔وہ دھیرے سے ہنس دیا تھا۔

''ڈنر ہی نہیں بلکہ صبح کا ناشتہ اور دوپہر کا کھانا اب تم حوالات میں ہی کھاؤ گے وہ بھی پولیس کے گرم ہنٹر سمیت''۔

''یہ تو وقت بتائے گا مسٹر ریحان شیخ! کہ حوالات میں کون جاتا ہے، مگر میری ایک بات یاد رکھنا اگر تم ہماری نجی دشمنی میں پولیس کو انوالو کرو گے تو سراسر نقصان تمہارا اور تمہاری بیٹی کا ہی ہو گا''۔

''نجی دشمنی...؟''وہ پرسوچ انداز میں بولے تھے۔

''کون ہو تم؟ اور تمہاری مجھ سے کیا دشمنی ہے؟''

''پتہ چل جائے گا، سب پتہ چل جائے گا، اتنی بھی جلدی کیا ہے''۔

''دیکھو میں تمہیں نہیں جانتا لیکن اگر میری بیٹی پر آنچ بھی آئی تو میں تمہیں زندہ درگور کر دوں گا''۔

''آنچ...!''کتنی زور سے وہ ہنسا تھا، جیسے مذاق اڑا رہا ہو۔

''ریحان شیخ! تم آنچ کی بات کرتے ہو، تمہاری بیٹی اب آگ کی لپیٹ میں ہے، کس قدر تکلیف ہوتی ہے ناں جب کسی اپنے کو کوئی معمولی سی بھی زک پہنچائے تو، لیکن خیر...تمہیں بھی جب ہی پتہ چلے گا جب تم خود اس تکلیف دہ مرحلے سے گزرو گے اور تمہیں اس تکلیف سے ہمکنار کرانا ہی تو میرا مقصد ہے''۔

''تو ٹھیک ہے تمہاری دشمنی مجھ سے ہے ناں تو میری بیٹی کو بیچ میں کیوں لائے، مرد تھے تو مردوں کی طرح سامنے سے آ کر وار کرتے''۔

''خیر...اس مرد والی بات کو تو ریحان شیخ! جانے ہی دو، کیونکہ تم سے بہتر مردوں کی خوبیوں سے کوئی واقف نہیں ہو گا''۔نہایت طنز میں ڈوبا زہریلا تیر اس نے پھینکا تھا جو ان کے خاک بھی پلے نہیں پڑا تھا۔

''کیا کہنا چاہتے ہو تم؟''

''چھوڑو اس بات کو، اب جو بھی بات ہو گی وہ روبرو ہی ہو گی، اس لیے اب اپنے سسر جی سے اجازت چاہوں گا''۔چڑانے والے انداز میں کہتا وہ موبائل آف کر گیا اور یہاں سے ریحان شیخ ''ہیلو، ہیلو'' ہی کرتے رہ گئے۔

''پتہ نہیں کون خبیث ہے''۔انہوں نے منہ میں بڑبڑا کے موبائل کو گھورا۔

''وہ آئے گا بابا! وہ اگر کہہ رہا ہے تو ضرور آئے گا بابا! وہ بہت خطرناک ہے''۔وانیہ ایک بار پھر سے بکھرتی چلی گئی۔

''آنے دو بیٹا! یہی تو میں چاہتا ہوں کہ وہ یہاں آئے، مگر وہ یہاں سے اپنے گھر نہیں حوالات جائے گا جیل کی سلاخوں کے پیچھے، جب خوراک ملے گی تو آئندہ تمہارا نام بھی زبان پر لانے کے لیے سو بار سوچے گا''۔وہ وانیہ کا سر اپنے سینے سے لگا کر شفقت سے اس کا سر سہلانے لگے، اس کے نین کٹورے پھر سے بھرنے لگے تھے، وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کے بابا کی یہ تسلی صرف تسلی ہی رہے گی، وہ آئے گا اپنے کہے پر عمل کرے گا، ابھی سے اس کا دل ڈوبتا جا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ رضا کو گود میں لیے نیچے آئی تھی، آسیہ کچن میں دوپہر کے کھانے کی تیاری کروا رہی تھیں، فہیم احمر آفس گئے ہوئے تھے، حرا اور پرژالے اور ماہین کے ساتھ رات کے ڈنر میں جانے کے کپڑے دیکھ رہی تھی، زرمیل ابھی تک آفس نہیں گیا تھا، وہ نیچے آئی اسی مقصد سے تھی کہ کسی طرح وہ زرمیل کو رات کے ڈنر پر جانے سے منع کر دے، مگر کیسے؟ یہی سمجھ نہیں آ رہا تھا، زرمیل، ارشد اور ژالے یہ تین تکون اس کی زندگی میں اہم ہیں، مگر ان تینوں کی سرد جنگ میں اس کا ناتواں وجود کرچی کرچی ہو رہا تھا، وہ اندر ہی اندر ان کے غموں میں گھلتی جا رہی تھی، ان ہی سوچوں کے احاطے میں گھری وہ زرمیل کے بیڈروم میں چلی آئی تھی۔

''ارے ثمرن! تم...خیریت؟''زرمیل نے جب ثمرن کی گود میں رضا کو دیکھا تو اپنا کام چھوڑ کے اس کی طرف بڑھا۔

''اچھا ہوا تم آ گئیں، میرا رضا کو دیکھنے کا بہت دل کر رہا تھا، اب تم اسے مجھے دو، اور پلیز میری شرٹ پر استری کر دو''۔زرمیل نے رضا کو ثمرن کی گود سے لے لیا، وہ بھی خون تھا اس کا لپک کر اس کی گود میں آیا تھا، زرمیل اسے لیے بیڈ پر بیٹھ گیا اور ثمرن ایک گہری نظر ان باپ بیٹے پر ڈالتی اپنی سوچوں کو جھٹکتی آئرن اسٹینڈ کی طرف بڑھی تھی۔

''رات میں عارفین نے سب کو ڈنر پر انوائٹ کیا ہے''۔وہ شرٹ پر استری پھیرنے لگی تھی۔

''ہاں مجھے بھی کہا ہے مگر میں نے معذرت کر لی ہے''۔وہ رضا کے پھولے پھولے سرخ و سفید گال پر پیار کرنے

لگا، ثمرن کو اس کی بات سے کچھ سکون ہوا۔

''اچھا مگر کیوں؟'' پھر بھی دل کی تسلی مقصود تھی۔

''اصل میں نیروبی سے ایک ڈیلی گیشن آ رہا ہے، ڈیڈی چاہتے ہیں وہ میں دیکھ لوں، اس لیے ان کا آرڈر ہے کہ رات کا ڈنر انہیں میں دوں، مگر میں نے اسے بول دیا ہے کہ نیکسٹ سنڈے کا ڈنر میری طرف سے ہوگا سب کا''۔

''چلو شکر ہے مجھے منع نہیں کرنا پڑا، ورنہ جس قدر میرا دل دکھ رہا ہے وہ میں یا میرا رب ہی جانتا ہے''۔ وہ یہ سب سوچتی ہوئی شرٹ پر استری کر کے اسے تھمانے لگی۔

''ثمرن! غالباً تم مجھ سے کچھ بات کرنے آئی تھیں''۔ اب وہ فارمل بول رہا تھا یا پھر اس کے آنے کی وجہ سے اندازہ لگایا، وہ سمجھ نہیں سکی تھی۔

''ثمرن...!'' زرمیل نے اس کے چہرے کے سامنے ایک چٹکی بجائی وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''نہیں...نہیں تو، میں تو ایسے ہی آئی تھی''۔ اس نے زرمیل سے رضا کو لیا۔

''آر یو شیور...؟''

''یس...!'' وہ نگاہیں چرا گئی۔

''اوکے.... مجھے اب دیر ہو رہی ہے، نکلنا چاہیے، اوکے جونیئر اب اجازت ہے''۔ اس نے رضا کے بال بگاڑے تو وہ قلقاریاں بھرنے لگا۔ اس کے چلے جانے کے بعد ثمرن نے پورے کمرے کا جائزہ لیا جہاں بیڈ سائیڈ ٹیبل پر اسے ژالے کی کھلکھلاتی ہوئی تصویر نظر آئی جسے وہ گہری نظروں سے دیکھتی ہوئی کمرے سے نکلتی چلی گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

جیسے جیسے شام کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے اس کے دل میں بھی گہرے سائے اترتے جا رہے تھے، چند گھنٹوں کی ملاقات میں وہ اتنا تو اسے پہچان ہی گئی تھی کہ وہ اپنے کہے پر عمل ضرور کرے گا، ریحان شیخ کے بہت اصرار کرنے پر بھی وہ اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی چپ چاپ بیڈ پر سکڑی سمٹی بیٹھی تھی، مگر ریحان شیخ اسے تسلی دے گئے تھے کہ وہ اس کے کمرے میں تو کیا اب کبھی اس کی نظروں کے سامنے بھی نہیں آئے گا رات کے آٹھ بج گئے تھے اور اس کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔

''وانی بیٹا! وہ اب نہیں آئے گا بے فکر ہو کر سو جاؤ، وہ ڈر گیا ہے''۔

''بابا! آپ سچ کہہ رہے ہیں نا؟'' اس کے نین کٹوروں میں ڈر و خوف کے سوا کچھ نہ تھا اور یہی سب ریحان شیخ سے دیکھا نہیں جا رہا تھا، ان کی چہیتی لاڈلی اکلوتی بیٹی ویسے ہی دنیا سے منہ موڑے بیٹھی تھی، اس پر اس اجنبی شخص نے مزید اس کا رہا سہا اعتماد بھی کھو دیا تھا، دل تو یہ کر رہا تھا کہ اس کا سینہ گولیوں سے چھلنی کر دیں کہ اپنی شناخت تک بھول جائے۔

''ہاں میری جان! میں سچ کہہ رہا ہوں، جب تک میں زندہ ہوں وہ یہاں نہیں آئے گا''۔ اسی دوران ان کا موبائل چیخ اٹھا، انہوں نے وانیہ کو دیکھا اور موبائل کا اوکے کا بٹن پریس کر دیا۔

''واٹ...؟'' موبائل کے اس پار جو بھی تھا اس کی بات نے ریحان شیخ کو پوری جان سے ہلا کے رکھ دیا تھا۔

''مگر کیسے؟ اور چوکیدار کہاں مر گیا تھا؟''

''سر! مجھے تو خود یہ خبر کسی نے موبائل پر دی تھی تو میں فوراً سب کچھ چھوڑ کر یہاں پہنچا ہوں، سر! یہاں سب راکھ ہو گیا، مٹی کا ڈھیر ہو گیا ہے''۔

''اوکے تم.... تم وہیں رکو میں ابھی پہنچتا ہوں''۔ انہوں نے موبائل آف کر دیا۔

''بابا! سب خیریت تو ہے ناں؟'' اپنے پیارے بابا کو یوں پریشان و ہراساں دیکھ کر وہ لمحے بھر کے لیے اپنی پریشانی بھول گئی تھی۔

''نہیں کچھ خیریت نہیں ہے، ہمارے کپڑے کی فیکٹری میں آگ لگ گئی ہے، اس میں کروڑوں کے حساب سے کپڑوں کے تھان تھے، سیکریٹری بتا رہا ہے سب کچھ جل گیا ہے، مجھے فوراً وہاں پہنچنا ہوگا''۔ وہ اپنی پریشانی و غم میں یہ بھی بھول گئے کہ وانی کس قدر ڈری سہمی پریشان ہے، وہ جلدی سے وہاں سے نکلے تھے۔ وانیہ اکیلی مزید پریشان ہو گئی تھی، کتنی محنت سے اس کے بابا نے یہ فیکٹری کھڑی کی تھی بلکہ سارا مال باہر سے منگوایا تھا اور لمحوں میں سب کچھ شعلوں کی زد میں آ کر خاک ہو گیا تھا، وہ انہی سوچوں میں محو تھی کہ اچانک لائٹ چلی گئی، کمرا پورا اندھیرے میں ڈوب گیا کہ خود کا سایہ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا، اس کا دل اتنی زور سے دھڑکا تھا جیسے ابھی ہی پسلی توڑ کے باہر آ جائے گا۔

''شرفو.... شرفو.... نوری!'' وہ حلق کے بل چیخ چیخ کے ملازمین کو بلا رہی تھی۔

سایہ بھی ساتھ جب چھوڑ جائے ایسی ہے تنہائی
رونا چاہوں تو آنسو نہ آئے ایسی ہے تنہائی

کوئی بہت ہی سر میں گنگنا رہا تھا، وانیہ خاموش ہو گئی تھی، آواز کا تعین کرنے لگی جیسے کوئی اس کے بیڈ روم میں ہی گنگنا رہا ہو۔

وہ سیکنڈ سے بھی کم وقت میں یہ آواز پہچان گئی تھی، وہ آ گیا تھا اس کا خوف سچ ثابت ہوا تھا، اس نے اپنا کہا پورا کر دیا، وانیہ کی آواز اندر ہی اندر کہیں گھٹ کر رہ گئی تھی، اندھیرے میں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کہاں دیکھے آج اس پل اپنے اپاہج ہونے، اپنی کمزوری کا شدت سے احساس جاگا تھا، کتنے ہی عرصے سے بابا کہہ رہے تھے کہ معمولی سا آپریشن کروا لو اپنی اس کمزوری سے چھٹکارا پا لو گی مگر وہ اس ڈر سے نہیں کروا رہی تھی کہ کہیں اگر اس کا آپریشن ناکام ہو گیا تو.... اس سے آگے سوچنے کی سکت نہیں تھی۔

اسی پل آفریدی نے اپنے کوٹ کی جیب سے لائٹر نکالا اور انگلی میں دبا سگریٹ لبوں سے لگا کر لائٹر جلا کر سگریٹ سلگا دیا، لائٹر کی ذرا سی روشنی میں جب وانیہ نے آنکھیں پھاڑ کے دیکھا تو وہ اس کے بالکل پاس بیڈ پر ہی بیٹھا تھا۔

''ہیلو وانیہ بیگم! کیسی ہو؟ تمہارے باپ نے کیا سوچا کہ وہ مجھے دھمکیاں دے گا اور میں یہاں نہیں آؤں گا؟'' ایک جاندار قہقہہ اندھیرے کو پھاڑتا ہوا اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا گیا تھا۔

''بہت ہی بے وقوف ہے مگر وہ ہے کہاں؟'' آفریدی نے لائٹر کا شعلہ اس کے چہرے کے قریب کیا وانیہ نے خوفزدہ ہو کر اپنا چہرہ اس شعلے سے پیچھے کیا کیونکہ اس پاگل سے کچھ بعید نہیں کہ وہ اس کا چہرہ ہی جلا دے، لائٹ بھی آ گئی تھی، آفریدی نے لائٹر کی لو کو بجھا دیا اور لائٹر واپس کوٹ کی جیب میں رکھ لیا تھا۔

وہ سگریٹ کا ایک لمبا کش لیتا ہوا دھواں اس کے خوفزدہ چہرے پر چھوڑ گیا، جس سے اسے کھانسی کا ایک ناختم ہونے والا دورہ اٹھا تھا۔

(جاری ہے.....)

☆.....☆.....☆

ایقان علی

افسانہ

متاع

اس دنیا میں ہر چیز کسی دوسری چیز کی متاع ہے، چاندنی مہتاب کی متاع، کرنیں خورشید کی متاع، خوشبو گل کی متاع، ستارے آسمان کی متاع، حیا آنکھوں کی متاع، مسکراہٹ ہونٹوں کی متاع، سنگھار دلہن کی متاع، اولاد ماں باپ کی متاع اور ارم حسن، نہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ عماد حسن، ارم حسن کی متاع تھا۔ وہ ارم حسن جو بہت خوبصورت نہیں تو کم صورت بھی نہیں تھی، گندمی رنگت، لمبے بالوں اور بڑی بڑی آنکھوں والی ارم حسن اس دنیا کی باسی لگتی ہی نہ تھی، ہر وقت خواب، ہر وقت خیال، اس کی دنیا صرف اس کی اپنی ذات تک محدود تھی، اسے آج بھی یاد تھا جب اس کے مرتے ہوئے باپ نے اپنے بھائی کے آگے پہلی بار جھولی پھیلائی تھی۔

''محسن! مجھ پر احسان کرنا، میری ارم کو اپنی بیٹی بنالینا''۔ اور محسن چچا انکار نہیں کر سکے تھے، اس رات ارم حسن کے باپ نے بہت سکون سے آنکھیں بند کرلیں، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے، اور جب ارم حسن کی انگلی میں عماد حسن کے ہاتھ سے اس کے نام کی انگوٹھی پہنائی گئی تو وہ سب کچھ بھول بھال کر اسے اپنی متاع سمجھنے لگی، اپنی خوبصورت آنکھوں میں اس نے صرف اور صرف عماد حسن کے نام کے سپنے سجائے، اس کی

''تم نے بالکل ٹھیک کہا عماد حسن! محبت صرف ایک بار ہوتی ہے اور مجھے وہ ہو چکی''۔ پھر اس نے عماد حسن کی محبت بھی دیکھ لی۔ صنوبا..... خوبصورت، ذہین، ابتداء عماد سے ہوتی اور انتہا بھی عماد پر ہی ہوتی، اسے عماد حسن سے محبت تھی، اسے عماد حسن کے نام سے محبت تھی، اسے اس انگوٹھی سے محبت تھی جو عماد حسن نے اسے پہنائی تھی، رفتہ رفتہ اس کی محبت شدید سے شدید تر ہوتی گئی، وہ اپنا آپ بھول کے عماد حسن کو اپنی متاع سمجھ کر بے تحاشا چاہنے لگی یہ سوچے بغیر کہ وہ بھی اسے اپنی متاع سمجھتا ہے کہ نہیں۔

اسے آج بھی یاد تھا جب وہ اپنی آنکھوں میں سپنوں کے شیش محل تعمیر کر کے اور اپنے ساتھ ارمانوں کی بارات لے کر حسن ولا آئی تھی، ان خوابوں کی خوبصورتی کا اسے خود اندازہ نہیں تھا جو اس نے اپنی آنکھوں میں سجائے تھے، سرخ گلابوں سے سجا وہ کمرہ اس کے لیے کسی متاع عزیز سے کم نہ تھا مگر یہ سارے خواب، سپنوں کے شیش محل اور آرزوؤں کے محلات اس وقت زمین بوس ہوتے چلے گئے جب عماد حسن نے اس کا چہرہ دیکھے بغیر کہا تھا۔

''محبت ایک بار ہوتی ہے ارم حسن! اور مجھے ہو چکی ہے، میرے جان و دل میں تمہارے لیے کچھ بھی نہیں ہے، ایک قطرہ بھی نہیں''۔ ارمان بین کرنے لگے تھے، خواہشیں ماتم کرنے لگیں تھیں، وہ اٹھا اور باہر نکل گیا، یہ بھی نہ سنا کہ وہ کیا کہہ رہی تھی، وہ کہہ رہی تھی۔

پر اس کی راجدھانی تھی۔

''عماد حسن میری متاع ہے، صرف اور صرف میری''۔ یہ خیال اس کے دل سے نکلتا ہی نہ تھا، ایک لمحے کے لیے بھی نہ سوچتی کہ عماد حسن اس کی متاع ہے مگر وہ عماد حسن کی متاع نہیں ہے، عماد حسن کی متاع اس کا تھا، عماد حسن کی ماں اس کی خالہ تھی اور سارے گھر

صنویا ہے تو پھر وہ خود کس کی متاع ہے؟

اور وہ جس کی متاع تھی، وہ اسے ایک دن لے گیا اور ارم حسن کو پتہ بھی نہ چلا۔

''چار سال سے صرف تمہیں دیکھ کر آنکھوں کی پیاس بجھا رہا ہوں، چار سالوں سے تمہارے انتظار میں جل رہا ہوں اور تم میرے انتظار کو دائمی بنا کے کتنے آرام سے کسی اور کی ہو گئیں''۔ بند کمرے میں وہ اس کے قدموں میں بیٹھا کہہ رہا تھا۔

''مجھے نہیں پتہ تم کون ہو، تم مجھے میرے گھر چھوڑ کر آؤ''۔ ارم حسن روئی تھی۔

''پہلے وعدہ کرو، میرے انتظار کو ملن کی مہر دو گی، وعدہ کرو اس کے بعد میری بن جاؤ گی''۔ وہ اس کے ہاتھ تھام کر بولا تھا، ارم حسن کے ماتھے سے پسینہ پھوٹ پڑا۔

''میں بیوی ہوں کسی کی''۔

''نہیں تم متاع ہو میری''۔ بارہ گھنٹے.... مسلسل بارہ گھنٹے وہ اس کے قدموں میں بیٹھا اس کے ہاتھ تھامے ہوئے، اس سے پیار کی بھیک مانگتا رہا اور ارم حسن....!

''عماد کیا سوچے گا میں کہاں ہوں؟'' وہ صرف سوچ رہی تھی، پھر بڑی مشکل سے اس کے ہاتھ میں جھوٹے ملن کی آس تھما کر وہ حسن ولا آئی، مگر رات کے اندھیرے میں گھر آنے والی بہوؤں کے لیے دروازے کبھی نہیں کھلتے۔

''کہاں گئی تھیں؟'' وہی عماد حسن پوچھ رہا تھا، جس نے کہا تھا تم میرے لیے کچھ نہیں ہو، کچھ بھی نہیں۔

''مم.... میں امی کی طرف گئی تھی''۔ اس کی زبان لڑکھڑائی۔

''تو تم نے جھوٹ بھی بولنا سیکھ لیا، تمہاری ماں یہاں آئی تھی تمہارا پوچھنے''۔ عماد حسن کی والدہ چلائیں ارم کی نگاہیں جھک گئیں۔

''کس کے پاس گئی تھیں؟'' عماد کے لفظ اس کے آر پار ہو گئے۔

''بولو.... بارہ گھنٹے کس کے پاس گزار کر آئی ہو؟'' عماد نے اس کے کندھے کو جھٹکا دیا۔

''میں کسی کے پاس نہیں گئی''۔ کہنے کے ساتھ ہی عماد کا ہاتھ اس کے گال رنگین کر گیا۔

''بولو...!'' عماد نے پھر پوچھا، لیکن وہ کیا بولتی اس نے کچھ نہ کہا اور عماد حسین نے بہت کچھ کہا۔

''اگر بتاتی ہو کہ کہاں گئی تھیں تو اس گھر کے دروازے کھلے ہیں، ورنہ....!'' وہ جانتی تھی کہ بتانے کی صورت میں بھی دروازے بند ہو جائیں گے سو چپ رہی۔

''میرے گھر میں تم جیسی لڑکیوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے''۔ عماد نے اسے دھکا دیا تھا، وہ لڑکھڑا کے دروازے میں گر گئی۔

''جاؤ یہاں سے''۔ عماد کی ٹھوکر نے اسے دروازے سے باہر پہنچا دیا، اس نے آنسوؤں کی برسات میں اوپر دیکھا، صنویا کا فاتحانہ چہرہ سب سے واضح تھا، اپنی لاش کو اپنے ہی کندھوں پر اٹھا کے واپس ماں باپ کی دہلیز پر آ گئی۔

''ارم! کیا ہوا ہے؟ ارم کچھ تو بتا، ارم! بولتی کیوں نہیں؟'' ماں پوچھ پوچھ کر تھک گئی، مگر ارم حسن کی چپ نہ ٹوٹی، ماں کو سارا کچھ عماد حسن کی والدہ سے پتہ چلا۔

''ارم! کیا وہ سب ٹھیک ہے جو وہ لوگ کہہ رہے ہیں؟'' مگر ارم چپ تھی۔

''کیسے کہتی کہ ہاں وہ سب بالکل ٹھیک تھے

محسن خود آئے مگر....!

''ارم! کہاں گئی تھیں؟'' اور ارم کے پاس بس اس ایک سوال کا ہی جواب نہیں تھا، محسن واپس چلے گئے، ارم کو لینے پھر کوئی نہ آیا، لیکن یہ آنگن اب صرف اس کا نہیں تھا، اس کی بھابی کا تھا، اپنے شوہر کی کمائی پر وہ ساس کو برداشت کر لیتی مگر شادی شدہ ارم حسن کو کیسے کرتی، پہلے پہل ماں نے طرفداری کی، مگر بیٹی کی چپ اس کے جرم کا ثبوت بنتی گئی، بھابی کے اونچے طعنوں میں ماں کے کوسنے بھی شامل ہو گئے، بھابی نے پورے گھر کا بوجھ اس پر لاد دیا، سب اسے کچھ نہ کچھ کہتے، مگر وہ کسی کو ایک لفظ نہ کہتی، وہ سب کے لیے کچھ نہ کچھ کرتی مگر کوئی اس کے لیے کچھ نہ کرتا، آہستہ آہستہ ارم حسن بے حس ہوتی چلی گئی، جون جولائی کی تپتی ہوئی دوپہروں میں جب سورج آگ برسا رہا ہوتا، وہ ہر احساس سے بے نیاز جلتے ہوئے فرش پر بیٹھی رہتی، پاؤں میں آبلے پڑ جاتے، انگلیاں جل جاتیں مگر اسے احساس ہی نہ ہوتا، جب ماں دو ہتڑ مار کے زبردستی اٹھا کے اندر لے کر جاتی اور ساتھ ساتھ کوسنے دیتی تو ٹکر ٹکر اس کی شکل دیکھے جاتی، بیٹھے بیٹھے چھری سے انگلیوں پر کٹ لگانے شروع کرتی تو گنتی بھی نہ کہ کتنے ہو گئے ہیں، خون انگلیوں میں سے رستا ہوا کپڑے رنگین کر دیتا، یخ بستہ سرد راتوں کو طاق میں سے اٹھ کر باہر آ جاتی، گھنٹوں برف کی طرح ٹھنڈے فرش پر لیٹی رہتی، ماں منع کرتی تو بات نہ سنتی، گرمیوں میں تپتے ہوئے پانی سے نہانے لگتی اور سردیوں میں یخ بستہ پانی سے گرمی، سردی، تکلیف، درد، وہ ہر احساس سے عاری ہو گئی تھی، اور ہر گزرتا لمحہ اسے مزید بے حس بناتا چلا گیا، وہ دوسروں کو اذیت نہیں دیتی تھی، وہ خود کو اذیت دیتی تھی، اس کے ہاتھوں، پاؤں، بازوؤں، ٹانگوں اور چہرے پر پڑے نشانات اس کی خود اذیتی کے گواہ تھے، 7 سال بعد ماں مر گئی تو بھائی بھابی اسے پاگل خانے چھوڑ آئے۔

☆.....☆.....☆

''میں بہت پریشان ہوں ڈاکٹر! ادیان میرا اکلوتا بیٹا ہے اور میں بہت دکھی ہو جاتی ہوں اسے نفسیاتی مریض بنتے دیکھ کر''۔ مسز داؤد رو پڑیں، آج انہوں نے میرے پاس اپائنمنٹ لی تھی میں ابھی حال ہی میں نفسیات میں پی ایچ ڈی کر کے آیا تھا اور کافی اچھا سائیکاسٹ سمجھا جاتا تھا، وہ اپنے بیٹے کے سلسلے میں ملنے آئی تھیں۔

''مجھے سمجھ ہی نہیں آتی ڈاکٹر! کہ اسے مسئلہ کیا ہوتا ہے، اچانک بیٹھے بیٹھے بے چین ہو جاتا ہے، کہے گا گرمی لگ رہی ہے، میں ایئر کنڈیشنڈ کو فل پر کر دیتی ہوں، مگر اس کی گرمی نہیں اترتی اور ڈاکٹر صاحب! صرف کہتا نہیں ہے، چند منٹوں یا گھنٹوں بعد گرمی کے آبلے بھی نکل آتے ہیں، اے سی والے روم میں بیٹھا پسینے سے مرنے والا ہو جاتا ہے، پھر آہستہ آہستہ خود ہی نارمل ہو جاتا ہے، یہی حال سردیوں میں ہوتا ہے، چار چار لحاف اس کے اوپر ڈال دیتی ہوں مگر اس کی کپکپاہٹ کم نہیں ہوتی، ٹھنڈ سے نیلا ہو جاتا ہے، میں گرم پانی سے نہانے کا کہتی ہوں تو چیختا ہے کہ اور ٹھنڈ لگ رہی ہے، مجھے تو سمجھ نہیں آتی کہ گرم سے نہائے تو مسئلہ، ٹھنڈے سے نہائے تو مسئلہ، کبھی گرم سے نہاتے ہوئے روئے گا کبھی ٹھنڈے سے نہاتے ہوئے روئے گا، پتہ نہیں کیسے بیٹھے بیٹھے کہیں نہ کہیں سے خون نکل آتا ہے اس کے، کبھی انگلیوں سے، کبھی بازوؤں سے، ڈاکٹر صاحب میں تو اسے چھری بھی نہیں پکڑنے دیتی، پھر پتہ نہیں کیسے کہاں سے خون نکل آتا ہے، 7 سال

ہو گئے ہیں، میں اسے باہر بھی کئی اسپتالوں میں لے کر گئی ہوں، مگر بے سود، کوئی فائدہ نہیں ہوتا، کہیں سے اس مسئلے کا حل....!'' مسز داؤد کی بات ابھی مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ ان کے ساتھ بیٹھا ادیان تکلیف سے بولا۔

''ماما! میرا انگوٹھا....!'' تکلیف سے اس کی آنکھوں میں پانی آ گیا تھا، مسز داؤد نے گھبرا کے اس کا انگوٹھا اوپر کیا، وہ خون سے بھرا ہوا تھا۔

''دیکھا ڈاکٹر صاحب! ایسے ہوتا ہے، بغیر کسی چھری، چاقو کے اس کی انگلیوں اور انگوٹھوں سے خون رسنے لگ جاتا ہے''۔ میں ابھی کھڑا ہی ہوا تھا کہ روم کا دروازہ کھلا اور سسٹر اندر داخل ہوئی۔

''سر! روم نمبر 7 کی ارم نے پھر اپنے آپ کو زخمی کر لیا ہے''۔ میں ایک دم پریشان ہو گیا۔

''مسز داؤد! مسٹر ادیان کی پٹی کرا لیں، میں انشاء اللہ کل گھر آؤں گا، پھر بات کرتے ہیں''۔ میں نے جلدی سے کہا۔

''ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب!'' وہ ادیان کی تکلیف میں پریشان ہو گئی تھیں، میں جلدی سے روم نمبر 7 میں آیا، ارم حسن کو میرے اسپتال میں آئے کئی ماہ ہو گئے تھے، میں اسے پہلے دن سے لے کر آج تک نہیں سمجھ سکا تھا، وہ کسی کو تنگ نہیں کرتی تھی اور یہ اس کا سب سے بڑا مسئلہ تھا، وہ صرف اپنے آپ کو تنگ کرتی تھی، اب بھی اس نے اپنے دائیں ہاتھ کا انگوٹھا کھڑکی کی درز میں پھنسا کر زخمی کر لیا تھا اور مجھے یوں دیکھ رہی تھی جیسے میں پاگل ہوں، جو اس کی پٹی کر رہا ہوں، پہلے دن سے لے کر آج تک میں اسے سمجھ نہیں سکا تھا، وہ چپ رہتی تھی مگر جب جنونی کیفیت ہوتی تھی، تب بھی پرسکون رہتی تھی، گھر آ کے بھی میں ارم اور ادیان کے بارے میں سوچتا رہا، نفسیاتی مسئلے سوچ سوچ کے ہی حل ہوتے ہیں، صبح میں ناشتے سے فارغ ہو کر جب تقریباً 9 بجے اسپتال آیا تو ایک زبردست خبر میری منتظر تھی، ارم حسن کی لاش صبح 6 بجے دروازے کھولنے والے کو اس کے دروازے پر پڑی ملی تھی، وہ شاید رات کو کمرے سے نکلی تھی، دروازے بند کرنے والے نے اندر دیکھے بغیر ہی دروازے بند کر دیئے تھے، سیاہ رنگ کا ایک اسٹریپ جو پتہ نہیں کسی کے پرس یا تھیلے کا تھا اس کی گردن کے گرد کسا ہوا تھا، کیا ہوا، کیوں ہوا، کیسے ہوا؟ سارے سوال میرے ذہن میں دندناتے رہ گئے اور ارم حسن کی ڈیڈ باڈی اس کے گھر بھجوا دی گئی، میرا دل بہت عجیب ہو رہا تھا، تقریباً 12 بجے میں گاڑی لے کر مسز داؤد کے گھر کی طرف چل دیا، ان کے گھر کے آگے کافی رش تھا، میں حیران ہوا اندر آ گیا، مسز داؤد مجھے پہچان گئیں۔

''آیئے ڈاکٹر صاحب!'' اپنے شوہر سے میرا تعارف کروا کے انہوں نے مجھے بیٹھنے کو کہا، میں صوفے پر ٹک گیا۔

''ادیان کہاں ہے مسز داؤد؟'' میں نے بدترین خدشات کے پیش نظر پوچھا۔

''ادیان کی رات ڈیتھ ہو گئی ڈاکٹر صاحب!'' وہ رو پڑیں، میں سن رہ گیا، میں ایک دم اس کی ڈیڈ باڈی کے پاس آیا۔

''رات تقریباً 12 بجے کا وقت تھا جب وہ چیخی کہ میرا دم گھٹ رہا ہے، مگر ڈاکٹر صاحب! اس سے پہلے کہ میں کچھ کرتی، سرخ نشان بنا اور میرا بیٹا مر گیا'' مسز داؤد کی حالت غیر ہو رہی تھی، میں خود حیران تھا 27 سالہ نوجوان خوبصورت ادیان اب میرے سامنے مردہ پڑا تھا، اس کی گردن کے گرد ویسا ہی سرخ نشان

جیسا ارم حسن کی گردن کے گرد تھا۔

''ارم حسن....!'' ایک دم میرے ذہن میں جھماکہ ہوا، ارم کی زندگی اور ادیان کی زندگی کے در کھلتے چلے گئے، کیا ارم اور ادیان کی زندگی میں کچھ مشترک تھا؟ اگر تھا تو کھوج اب مجھے لگانا تھی اور میں نے لگانا شروع کر دیا۔

☆.....☆.....☆

ارم حسن کوئی عام لڑکی نہیں تھی، وہ بہت خاص تھی، اس کی محبت عشق کا درجہ پانے لگی تھی، لیکن محبت اور عشق میں بڑا فرق ہوتا ہے، محبت سلگاتی ہے، مگر عشق ایک دم جلا دیتا ہے، عشق فنا کر دیتا ہے، محبت سے عشق بننے کے عمل کو کوئی کوئی سہہ پاتا ہے، یہی ارم حسن کے ساتھ ہوا تھا، اس کی تمام حسن کے لیے بے تحاشہ محبت عشق کی سرحدوں پر کھڑی تھی، وہ جیسے ہی عشق کی سرحد میں داخل ہونے لگتی، ادیان داؤد کی محبت اسے اپنی طرف کھینچ لیتی اور اسی کشمکش میں ارم جنونی ہو جاتی اور چونکہ دونوں کی محبتیں عشق کی سرحد پر اکٹھی ہو جاتی تھیں اس لیے ارم حسن اور ادیان داؤد ایک ہو جاتے، چوٹ ارم حسن کے لگتی تو تکلیف ادیان داؤد کو ہوتی، تکلیف ادیان داؤد کو ہوتی تو آنسو ارم حسن کے نکلتے، اور جس رات ارم حسن کی محبت ادیان داؤد کی محبت سے الجھتے ہوئے عشق کی سرحد میں داخل ہوئی، اسی رات دونوں فنا ہو گئے، یہ میری زندگی کا سب سے انوکھا کیس تھا، سب سے انوکھی کہانی جس کا اختتام بھی بڑا انوکھا تھا، اختتام.... میرے خیال میں کہانی کا اختتام ہو چکا تھا مگر....!

☆.....☆.....☆

6 ماہ بعد:

میں ایک فائل نپٹا کر فارغ ہوا تھا جب 3 بجے کی اپائنٹمنٹ والے پیشنٹ آ گئے، میں پہلے پہل اسے پہچان نہ سکا۔

''ڈاکٹر صاحب! میں صنوبا ہوں، میں نے آپ سے کل اپائنٹمنٹ لی تھی''۔ مجھے یاد آ گیا تھا تو میں خوشدلی سے مسکرایا۔

''جی فرمایئے!''

''ڈاکٹر صاحب! یہ میرے شوہر ہیں عماد حسن، ہم دونوں بہت پریشان ہیں، مسئلہ سمجھ نہیں آتا، ان کے گلے میں پرابلم ہے، اچانک بیٹھے بیٹھے سانس رکنے لگتی ہے، پہلے میں سمجھی شاید کوئی گلینڈ وغیرہ پھول گیا ہوگا، مگر رپورٹس ٹھیک تھیں، ڈاکٹر صاحب! 4 ماہ ہو گئے ہیں اور یہ مسئلہ بڑھتا جا رہا ہے، ڈاکٹرز کو دکھاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم کس چیز کا علاج کریں جبکہ رپورٹس نارمل ہیں، مگر ان کی حالت اس قدر خراب ہو جاتی ہے کہ میں بتا نہیں سکتی، سانس بالکل بند ہو جاتا ہے''۔

میں عماد حسن کو پہچان گیا تھا، ارم حسن کی کہانی ابھی اتنی پرانی نہیں ہوئی تھی کہ میں اس کی محبت کو نہ پہچان پاتا، مگر ساتھ ہی ساتھ میں حیران بھی تھا مگر کس پر.... ارم حسن کے عشق پر، عماد حسن کے مکافات عمل پر، یا پھر قدرت پر؟ عشق کرنے والا کسی عذاب میں مبتلا نہیں ہوتا، عشق کرنے والا کبھی پریشان نہیں ہوتا، پریشان وہ ہوتا ہے جس سے عشق کیا جاتا ہے، ارم حسن بے چین نہیں تھی، ادیان داؤد پریشان نہیں تھا مگر.... عماد حسن پریشان تھا اور اسے اب ایسی ہی بے یقین زندگی گزارنی تھی، ہر ہر لمحہ ڈرتے ہوئے، ہر ہر لمحہ سہمے ہوئے کہ کب سانس بند ہو جائے، اسے کوئی بیماری نہیں تھی، مگر وہ بیمار تھا، لوگوں کی نظروں میں یہ جو مرضی ہو، مگر میری نظر میں یہ ارم حسن کی اس محبت کا انتقام تھا جو عشق بنتے ہی فنا ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

مدیحہ عبداللہ

افسانہ

لہو لہان شہرِ عروس

"اے اللہ! تیری عاجز بندی تیری پاکی بیان کرتی ہے اور تیرے آگے ہاتھ پھیلاتی ہے، اے غفور الرحیم! ہمارے گناہوں کو معاف فرما، ہم اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں، اے مالک پروردگار! سب مسلمانوں کو نیک بنا دے، ہمیں ایسے کام کی توفیق دے جس سے ہماری نیک نامی ہو، مسلمانوں کو ہر آفت و مصیبت سے بچا، ہمیں دین و دنیا میں عزت دے، اے جلیل القدر! میرے جوان مرگ بھائی کی مغفرت فرما، جسے وحشیوں نے خلاف دستور مار ڈالا اور مجھے حوصلہ عطا فرما تاکہ میں اپنے شوہر کی وفات کے بعد بھی پہاڑ جیسی زندگی گزار سکوں، یا اللہ! میرے شوہر کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرما اور میری بہن جیسی نند کی روح کو اپنی قبر میں ٹھنڈا رکھ، جس کی عزت کو ان درندوں نے پامال کیا، آمین!"۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو بارگاہ رب العزت میں بلند کیے عاجزی سے دعا گو تھی۔

"عاشی بیٹا! تجھ سے کوئی لڑکی ملنے آئی ہے کیا نام اس نے اپنا بتایا؟ ہاں.... نرگس نور"۔ اماں نے اس کی دعا ختم ہوتے ہی ذہن پر زور ڈالتے ہوئے آنے والے مہمان کی اطلاع دی تھی، لیکن عاشی اب بھی ویسی ہی ساکت و جامد

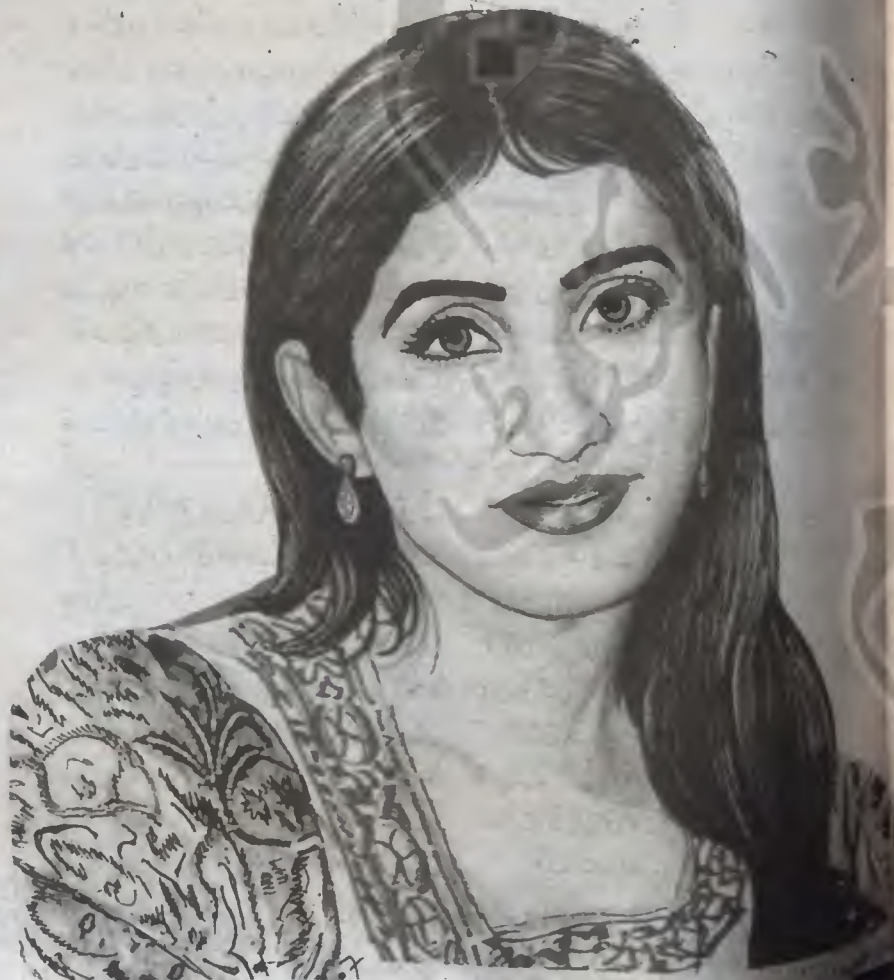

جائے نماز پر بیٹھی تھی جیسے اس کی عادت میں شامل ہو گیا تھا ''حی الفلاح'' کی آواز پر عصر کی نماز سے مغرب کے بعد تک گم صم بیٹھنا اور جب کبھی درد دل بڑھ جاتا تھا تو آنسوؤں سے اپنے چہرے کو جل تھل کر دیتی تھی، کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے لب کشائی کی تھی۔

''ہاں اماں! میں اسے جانتی ہوں، آپ اسے اندر لے آئیں''۔ دعا میں رونے کے سبب اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں جس کی وجہ سے لفظ بھی ٹوٹ کرادا ہو رہے تھے۔

''السلام علیکم! بہت شکریہ آپ نے مجھے یہاں آنے کا موقع دیا''۔ مہمان نے آتے ہی خوشی کا اظہار کیا تھا۔ عاشی نے سلام کے جواب میں سر ہلایا تھا، جبکہ اماں نے دو بڑے کشن عاشی کی جائے نماز کے قریب رکھے تھے، مہمان نے وہ نشست سنبھالی تھی اور ایک نظر عاشی کو بغور دیکھا تھا، سفید چادر میں ملبوس اسے وہ چہرہ بے حد اجلا لگا تھا، اگر کوئی اس سے پوچھتا کہ قدرتی خوبصورتی کیا ہوتی ہے؟ تو وہ بتاتی جائے نماز پر سفید چادر سے اپنے وجود کو ڈھانپے بیٹھی عائشہ مبین۔

''اماں! یہ نرگس نور ہیں، مشہور ناول نگار''۔ عاشی نے تعارف کروایا تھا اور اماں مہمان سے مل کر باہر چلی گئی تھیں۔

''کہو کیا کر سکتی ہوں میں تمہارے لیے؟'' عاشی نے کمرے میں موجود ہستی کو مخاطب کیا تھا جو بس اسے ہی تکے جا رہی تھی۔

''میں ایک ناولسٹ ہوں، میں نے پہلی ملاقات میں آپ کو اپنا مکمل تعارف کروایا تھا، آپ کے ساتھ جو ٹریجڈی ہوئی ہے اس کے لیے میں بہت دکھی ہوں، میں کراچی کے آج کل کے حالات پر ایک ناول لکھ رہی ہوں، آپ کے ساتھ جو حادثہ ہوا ہے اسے اپنے ناول کی نظر کرنا چاہتی ہوں''۔ نرگس نور ایک اعلیٰ مقام رکھتی تھیں اور ملک کی معروف ناولسٹ تھیں، اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے ناول میں حقیقی کرداروں کو جگہ دیتی تھیں، بے بس اور مجبور لوگوں کی کہانیاں ان کی اپنی زبانی سنا کر اور کرداروں کو معاشرے میں متعارف کرواتی تھیں، ان کا اگلا پروجیکٹ کراچی کے حالات پر مشتمل تھا جس کے لیے وہ شہر کے ایسے ادارے میں گئی تھیں جہاں بے حساب مجبور اور لاوارث عورتیں کام کرتی تھیں۔ تمام عورتوں کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد اسے عائشہ مبین کی کہانی میں انٹرسٹ پیدا ہو گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

''ہائے! میرا نام نرگس نور ہے، کیا میں آپ کے چند منٹ لے سکتی ہوں؟'' لان کے پرنٹڈ سوٹ میں ملبوس آنکھوں پر سیاہ گاگلز لگائے مخالف انسان کو وہ جرنلسٹ معلوم ہوئی تھی۔

''جی فرمایئے! کیا کر سکتی ہوں میں آپ کے لیے؟'' عائشہ مبین اپنی ڈیوٹی پر تھیں۔

''مجھے وقاشا مہراب نے یہاں بھیجا ہے، میں کچھ خواتین کے انٹرویوز لینا چاہتی ہوں''۔ ناولسٹ کو عائشہ مبین کی پرسنیلٹی اپنے مرکزی کردار کے لیے بھلی لگ رہی تھی۔

''جی! سر نے آپ کے متعلق بتا دیا تھا، یہاں آپ کسی کا بھی انٹرویو لے سکتی ہیں''۔ عائشہ مبین انہیں خواتین سے ملوا کر دوبارہ اپنے کام میں لگ گئی تھی جبکہ نرگس نور تمام عورتوں کے انٹرویو لینے کے بعد دوبارہ عائشہ مبین کے پاس آئی تھیں۔

''میں نے یہاں کافی خواتین کو ریسرچ کیا، مگر جو کچھ آپ کے متعلق سنا وہ نہایت تکلیف دہ تھا، کیا میں آپ سے پرسنلی کہیں مل سکتی ہوں؟''

''ٹھیک ہے، میرے گھر کسی دن تشریف لے

آئیں''۔ وقاشا مہراب جو اس سینٹر کے مالک تھے انہوں نے عائشہ کو پہلے ہی تاکید کی تھی کہ مہمان کو اچھے پروٹوکول سے نوازا جائے اور عائشہ مبین نے بخوبی اپنی ڈیوٹی نبھائی تھی۔

☆.....☆.....☆

''جس پر لاگے وہ تن جانے، میرا حوصلہ اتنا وسیع نہیں ہے جو میں اپنے دکھ کو اشتہار بنا کر ہمدردیاں بٹورتی رہوں''۔ وہ ناولسٹ کی بات پر زچ ہو گئی تھی۔

''دیکھیے! لوگوں کے کرداروں کو جانچنا میرا مشغلہ ہے، آپ کے بارے میں جتنا جان پائی ہوں، وہ میرے ناول کے لیے نہایت کم مواد ہے، آپ ایک پڑھی لکھی لڑکی ہیں، ہمارا کام لوگوں کو معاشرے کی برائیوں سے روشناس کرنا ہے، ان بدعنوانیوں کو روکنا ہے جس سے معاشرے کے بہت سے گھر برباد ہو سکتے ہیں، شاید آپ کے اس حادثے سے کسی بھٹکے ہوئے کو ہدایت مل جائے''۔ اسے زچ ہوتا دیکھ کر وہ اسے احتراماً سمجھا رہی تھی۔

''آپ ناول نگار بھی لفظوں کے جادوگر ہوتے ہیں لفظوں کا سحر پھونک کر لوگوں کو جذباتی ہیجان میں مبتلا کر دیتے ہیں، خدا کرے بھٹکے ہوؤں کو ہدایت مل جائے''۔ کچھ دیر خاموشی چھائی رہی کمرے میں پھر دوبارہ عاشی کی آواز ابھری تھی۔

''کہو کیا جاننا چاہتی ہو میرے بارے میں؟''

''وہ سب کچھ جو آج تک آپ کے ساتھ ہوا، یعنی آپ کے بچپن سے لے کر اب تک کی کہانی''۔ عاشی کی دلچسپی پر ناولسٹ نے اپنی ڈائری اور قلم کو اوپن کیا تھا۔

عصر کا وقت تھا کچھ ہی دیر میں سورج ڈوبنے کو تھا، کھڑکیوں سے کمرے میں شام کا اندھیرا چھا رہا تھا، پنچھی اپنے آشیانوں تک پہنچنے کی تگ و دو میں لگے ہوئے تھے، اماں جان نے کمرے میں ٹیوب لائٹ آن کی تھی اور کھڑکیوں کو بند کر کے پردے برابر کیے تھے، روشنی میں عاشی کا چہرہ اجلا ہوا نور سے لبریز دکھائی دے رہا تھا جیسے آسمان سے پریوں کا حسن اس میں آ کر سما گیا ہو، اور وہ خود پری پیکر دکھائی دے رہی تھی۔

''میرا نام عائشہ مبین ہے، پیار سے سب مجھے عائش کہتے ہیں، گھر میں میرے علاوہ چار بہن بھائی اور ہیں، سب سے بڑی بہن زرین ہیں، اماں بلڈ پریشر کی مریضہ ہیں جس کی وجہ سے وہ زیادہ تعلیم حاصل نہ کر سکیں اماں کے ساتھ کوئی کام کرنے والا نہ تھا اور کام کے باعث اس کا دل پڑھائی سے اتر گیا تھا، اور اس نے نویں جماعت بنا پاس کیے ہی تعلیم کو خیر باد کہہ دیا، اس کے بعد عثمان بھائی تھے، وہ بھی تھوڑی بہت زرین باجی سے مشابہت رکھتے تھے، پڑھائی میں ان کا جی بھی نہیں لگتا تھا، پانچویں جماعت میں دو بار فیل ہونے کی وجہ سے میں ان کی کلاس فیلو بن گئی تھی، تیسرے نمبر پر میں تھی، بہن بھائیوں میں۔ میرا اور عثمان بھائی کا انٹر ساتھ ہوا تھا، میرے بعد اماں کو دو جڑواں بچے ہوئے تھے، رضوان اور حنیہ۔ ان دونوں کی پیدائش کے چار سال بعد ابا اس دنیا سے چل بسے تھے۔ وہ وقت اماں کے لیے کڑا تھا۔ یہ تو اللہ کا شکر تھا کہ ابا کی پنشن مل رہی تھی اور کچھ ابا نے بینک میں سیونگ کی ہوئی تھی۔ انٹر کرنے کے بعد عثمان بھائی نے تعلیم سے فراغت حاصل کر لی تھی''۔ کچھ لمحے وہ خاموشی سے کسی سوچ میں مبتلا تھی۔

☆.....☆.....☆

''بیٹا! آگے مزید نہیں پڑھو گے تو کیسے اچھی نوکری ملے گی؟'' زبیدہ بیگم اپنے بیٹے کی ضدی طبیعت کے سبب بہت محبت سے اسے سمجھا رہی تھیں۔

''اماں! انٹر کی ڈگری بھی کوئی کم تو نہیں ہے اور اب تو اچھی نوکری یا تو رشوت سے ملتی ہے یا پھر قسمت سے''۔ اپنی ماں سے بچنے کے لیے بے تکا سا جواب دے کر وہ دوبارہ

ٹی وی کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔

''ایسے جواز تو وہی دیتے ہیں جنہیں ہٹ دھرمی دکھانی ہو''۔

''جس طرح پاکستان کا ہر شخص ٹین پلس ٹو کے بعد منیجر کا عہدہ چاہتا ہے عثمان بھائی کی مثال انہی نوجوانوں میں سے ایک تھی۔ میں گریجویشن کے لیے مزید پڑھ رہی تھی، کبھی گھر کا بجٹ مہینے سے پہلے آؤٹ ہوجاتا تو اماں بینک سے رقم نکلوالیتی تھیں جو ابا نے باجی کی شادی کے لیے جمع کر رکھی تھی، اماں ملک میں پھیلی افراط زر کے ہاتھوں بے بس ہوکر رہ گئی تھیں''۔

☆.....☆.....☆

''بیٹا! مہنگائی اب میری برداشت سے باہر ہے''۔

''اماں! زیادہ نہ سوچیں پھر آپ کا بلڈ پریشر حد سے تجاوز کرجاتا ہے اور ویسے بھی اللہ کسی کو بھوکا نہیں سلاتا ہے''۔ زرین باجی کافی سمجھدار تھیں۔

''اماں! جس طرح اپنے بچوں میں آپ نے بیلنس دو کی ایوریج سے برقرار رکھا ہے اسی طرح پیسوں میں بھی توازن قائم رکھیں''۔ عثمان مذاقاً اماں کا جی بہلا دیا کرتا تھا، اور سب ہنس دیتے، اسی ہنسی مذاق میں زندگی بسر ہورہی تھی۔

☆.....☆.....☆

باجی کا بڑی پھپھو کے اکلوتے بیٹے سے بچپن سے رشتہ طے تھا، وہ باجی کی شادی مانگ رہے تھے، اماں نے منع نہیں کیا تھا، بہت سے زیور جو اماں اپنی شادی کے وقت ساتھ لائی تھیں ان زیوروں نے باجی کی شادی میں کافی حد تک مدد کی تھی، باجی تو رخصت ہوگئی تھیں، لیکن ان کے ساتھ بچی ہوئی وہ رقم بھی جو ابا نے بینک میں سیو کی تھی، گھر میں فاقہ کشی کی نوبت آگئی تھی، عثمان بھائی جو کمانے کے لائق تھے وہ اب تک منیجر کی کرسی کا انتظار کررہے تھے، آج کل تو ایم بی اے کی ڈگری والوں کو یہ پوسٹ مشکل سے ملتی ہے، پھر وہ تو انٹرمیڈیٹ پاس تھے، اس عہدے کے لیے وہ جس سے بھی مدد مانگ سکتے تھے اپنے طور پر انہوں نے مانگی تھی، مگر نوکری کہیں نہیں ملی تھی، مجبوراً مجھے ہی گھر سے باہر نکلنا پڑا تھا، روزی روٹی کمانے کے لیے، کیونکہ رضوان اور خنسہ کا میٹرک ہوگیا تھا، رضوان نے چھوٹی موٹی نوکری کرنا شروع کردی تھی اور انجینئرنگ کالج میں ایڈمیشن لے لیا تھا، خنسہ کا یہ سال میں ضائع ہوتا نہیں دیکھنا چاہتی تھی اور نہ ہی اپنے گھر کے ان پیڈ بلز، ایمپٹی وال اور بہت کچھ.... انہی دنوں چھوٹی پھپھو اپنے چھوٹے بیٹے جواد کے اصرار پر میرے لیے رشتہ لائی تھیں، پھپھو اس رشتے سے خوش نہیں تھیں، کیونکہ اماں کے پاس مجھے دینے کے لیے ایک جھمکا تک نہیں بچا تھا، اور یہ بات پھپھو سے مخفی نہ تھی جبکہ جواد اپنے بڑے بھائی (جو شادی کے بعد دبئی میں مقیم تھے) کے ساتھ رہتا تھا اور ایک اچھی پوسٹ پر جاب کرتا تھا، اس کی پاکستانی منتقلی انکم 75 ہزار روپے تھی) ایسی ماں اپنے بچے کے لیے ہزاروں خواب اپنی آنکھوں میں سجاسکتی ہیں خواب دیکھنے کا حق تو عثمان کی ماؤں کو نہیں ہوتا ہے، خالی ہاتھ اور سفید پوش۔

جواد کا اور میرا نکاح انتہائی سادگی سے ہوا تھا، کیونکہ اسے خدشہ لاحق تھا کہ اگر وہ منگنی کرے گا تو اس کے دبئی جانے کے بعد اس کی اماں منگنی کسی بہانے سے توڑ نہ دیں، وہ دوبارہ دبئی چلے گئے تھے اور ان کے جاتے ہی میں نوکری کی تلاش میں ماری ماری بھٹک رہی تھی، میں نے جہاں بھی جاب کے لیے اپلائی کیا تھا وہاں جواب منفی ملا تھا، کیونکہ میں ایک پردہ دار خاتون تھی اور تقریباً تمام جاب کی ڈیمانڈ آزاد خیال لڑکیوں کے لیے فائدہ مند تھی جہاں وہ چار چاند لگاسکیں، پھر میں ایک دن شام گئے تک نوکری کی تلاش میں دربدر پھرتی رہی تھی، فضا میں ہونے والی

جس نے میرے برقعے کے اندر کے وجود کو پسینے سے بھگو دیا تھا، تھک ہار کر میں ایک پارک میں جاکر بینچ پر بیٹھ گئی تھی۔ مجھے یہ ہوش بھی نہ تھا کہ یہ علاقہ میرے لیے اجنبی ہے اور گہرے بادل جو مغرب ہونے کا اشارہ کررہے تھے اچانک بارش کی بوند اور پھر تیز بوندوں نے صحرا کو جیسے تسکین بخشی تھی اور اس تیز ہونے والی بارش سے میرے دل میں خوف پیدا ہونے لگا تھا میں نے پارک سے باہر آکر چاروں اطراف نگاہ دوڑائی تھی، مگر کوئی نظر نہ آیا، جو مجھے میری پناہ گاہ تک لے جانے میں مدد کرے، میں باہر ہی پارک کے پاس بیٹھی زاروقطار رو رہی تھی اور اللہ سے وسیلے کی دعا کرنے لگی تھی، تبھی ایک کار میرے قریب آئی تھی اور اس کار میں سے ایک جوان شخص باہر نکلا تھا اور مجھ سے کہا۔

''کیا میں آپ کی مدد کرسکتا ہوں؟'' وہ شخص دیکھنے میں مذہبی معلوم ہوتا تھا، ہلکی شیو اور شلوار قمیض میں وہ مجھے وسیلے سے کم نہیں لگا تھا، میں نے اس کی مدد فوراً قبول کی تھی، اور میں اس کی ہمراہی میں گھر تک پہنچی تھی، گاڑی میں ہمارے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی جیسے ہی میں اسے شکریہ کہہ کر کار سے اتری تھی اس کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی تھی۔

''پردہ دار خواتین بے وقت گھر سے باہر نہیں نکلتی ہیں''۔ جو ابا میں نے انہیں یہی کہا تھا۔

''صاحب! مجبوری انسان کو ہر مرحلے پر لاسکتی ہے، نوکری کی تلاش میں نکلی تھی''۔ وہ مجھے ایک کارڈ تھما کر یہ کہتا چلا گیا تھا۔

''اپنے ڈاکومنٹس لے کر اس پتے پر آجانا''۔ گھر میں باجی اور وجاہت بھائی (باجی کے شوہر) سمیت سب میرے ہی منتظر تھے، میں نے سب کو کہانی بتا کر مطمئن کردیا تھا، باجی رکی ہوئی تھیں، میں نے آج کا واقعہ ان کے گوش گزار کیا تھا، وہ جہاں پریشان تھیں کچھ سوچ کر مطمئن ہوگئی تھیں، نوکری مجھے وقاشاہراب نے دے دی تھی، اور مجھے منیجر کا عہدہ دیا تھا، وہاں بہت سی ایسی خواتین کام کرتی تھیں جنہیں اپنے شوہر یا سسرال نے نکال دیا ہو، یا کوئی مجبوری کی ستائی ہوئی ہوں، اس سینٹر میں وہ سلائی کڑھائی کرکے کپڑوں کو ایک خوبصورت جوڑے کی شکل دیتی تھیں، مجھے ان کی نگرانی کرنی ہوتی تھی۔

عثمان بھائی اب ایسی نوکری کے پیچھے نہیں بھاگتے تھے، کیونکہ انہیں بھی نوکری کا ذریعہ مل گیا تھا، ایک دن میں اچانک ان کے کمرے میں چلی گئی تھی، اور میری نظر ان کے ہاتھ میں موجود ریوالور پر گئی تھی، کئی بار پوچھنے کے بعد انہوں نے مجھے اپنی نوکری کا احوال سنایا تھا، وہ ایک تنظیم کو جوائن کرچکے تھے جس میں ان کا کام یہ تھا کہ وہ ہاتھوں میں گن لے کر اپنے علاقے کی رکھوالی کریں، ان دنوں کراچی کے حالات خون آشام اور خون بہاتے تھے، ہمارے اپنے ہی اپنوں کو مارنے پر تلے ہوئے تھے، مرنے والوں کا قصور یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ اس ملک کی قومیت کے حامل قومی زبان بولنے کا شرف رکھتے تھے، عثمان بھائی کئی دنوں تک گھر نہیں آتے تھے، ان کے اس اقدام سے امی بھی خائف رہنے لگی تھیں، ہر وقت امی اللہ کے سامنے سجدہ ریز رہتی تھیں، دو رکعت نفل ان کے گھر سے نکلنے کے بعد پڑھتی تھیں اور دو رکعت گھر میں آنے کے پڑھتی تھیں، انہی دنوں خنسہ کے ایگزامز ہورہے تھے، اس کا آخری پیپر تھا، بچپن سے ہی وہ پرانی چیزوں کو جانچتی اور انہیں جدید شکل دیتی تھی، گھر میں سب اسے کباڑی والی کہتے تھے، عثمان بھائی اسے اس کے ایگزامینیشن سینٹر تک چھوڑ کر گھر واپس آگئے تھے، ہم نے ساتھ مل کر کھانا کھایا تھا، اس دوران امی نے بھائی کو بہت سمجھایا تھا وہ یہ کام چھوڑ دیں، مگر وہ تو الٹا ہمیں سمجھانے لگ گئے تھے، انہوں نے یہ کہہ کر مجھے اور امی

کو مطمئن کرنا چاہا تھا۔

''اگر دہشت گردی کو ختم کرنے کے لیے میں یا میرے جیسے لوگ ایک بھلی تنظیم سے منسلک ہوتے ہیں تو ہم غلط نہیں کر رہے ہیں''۔ وہ شام پانچ بجے حفصہ کو اپنی بائیک پر سینٹر سے لینے گئے تھے مگر اس شہر کی دہشت گردی کو مٹاتے وہ ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے چل بسے تھے، انہیں موٹر سائیکل پر سوار دو لڑکوں نے بھری پبلک پلیس میں گولیوں سے چھلنی کر دیا تھا اور رپورٹ درج کرنے پر پولیس والوں نے اسے ٹارگٹ کلنگ کا نام دے دیا تھا، جسے عام پولیس تو کیا بڑے افسر بھی نہیں پکڑ سکتے تھے۔ بھائی کے چالیسویں کے بعد پھپھو میری رخصتی مانگنے آئی تھیں، میں رخصتی کے بعد جواد کے ساتھ دبئی سیٹل ہوگئی تھی۔ اور انہیں ہر وقت اس بات پر راضی کرنے کی کوشش کرتی تھی کہ ہم پاکستان شفٹ ہو جائیں، وہ میرا بہت خیال رکھتے تھے اور میری کسی بات کو رد نہیں کرتے تھے، اس چھ ماہ کے عرصے کے دوران میں انہیں ہر روز پاکستان کے لیے آمادہ کرتی تھی۔

☆.....☆.....☆

''جواد! پاکستان ہمارا ملک ہے، اور آپ جیسے لوگ غیر ممالک آ کر نوکری کریں گے تو ہمارا ملک کیسے ترقی کرے گا؟''

''جان! وہاں ایک تو نوکری مشکل سے ملتی ہے اور اس نوکری میں گزارہ کرنا میرے لیے قطعی مشکل ہے''۔ جواد بڑے چاہ سے عائشہ کو سمجھا رہا تھا۔

''ہم تھوڑے میں ہی گزارہ کر لیں گے، بس آپ دوبارہ پاکستان کی تیاری کریں''۔ وہ بضد تھی۔

''ٹھیک ہے، میں کچھ سوچتا ہوں''۔ وہ محبت سے بولے۔

☆.....☆.....☆

پاکستان آ کر ایک بہت بڑی خوشخبری نے میرے قدم چومے تھے، میں ماں بننے والی تھی، اس خوشخبری کو میں جواد کے ساتھ شیئر کرنا چاہتی تھی، اس لیے ان کے آفس سے گھر آنے کا انتظار کر رہی تھی، میں نے دبئی میں چھ ماہ کا قیام کیا تھا، ان چھ ماہ کے دوران بھی کراچی کے حالات ٹھیک نہیں ہوئے تھے بلکہ مزید بگڑ گئے تھے، جواد کو اغوا کر لیا گیا تھا، میری نند اسماء جو میڈیا ڈپارٹمنٹ میں پاکستانی چینل کی رپورٹر تھی، اس نے اپنے بھائی کو ڈھونڈنے کے لیے میڈیا سے ہر ممکن مدد مانگی تھی، مگر یہ مدد بھی بے کار گئی تھی، جواد کو وحشیوں نے مار کر ایک بوری میں ڈال کر پھینک دیا تھا، ایدھی سینٹر سے ان کی لاش برآمد ہوئی تھی، انہیں ان درندوں نے اتنی بے دردی سے مارا تھا کہ دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے، ان ظالموں کا ظلم دیکھ کر لگتا تھا جیسے ان میں انسانیت ختم ہوگئی ہے، کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کیسے اتنی درندگی سے مار سکتا ہے؟'' عائشہ کی آنکھوں سے گرتے آنسو دیکھ کر ناولسٹ کے روانی سے چلتے ہاتھ رک گئے تھے، اور وہ ایک شوکڈ کی کیفیت میں مبتلا ہوگئی تھی، عاشی نے دوبارہ لرزتے لب وا کیے تھے۔

اسماء نے اپنے بھائی کی موت کے بدلے کے لیے ہر میڈیا سے مدد مانگی تھی، جس کا اثر یہ ہوا تھا میرے شوہر لوگوں کے لیے محض ایک خبر بن کر رہ گئے تھے، اسماء نے مجھے بھی میڈیا چینل تک گھسیٹا تھا لیکن میں نے عثمان بھائی کے واقعے کو یاد کر کے ہی خاموشی اختیار کی ہوئی تھی کیونکہ انہوں نے بھی تو آواز اٹھانا چاہی تھی دہشت گردی کے خلاف، لیکن وہ تو خود دہشت گردی کی نظر ہو گئے تھے، اسماء کا حال بھی یہی ہوا تھا، وہ اپنے بھائی کا بدلہ مانگتے ہوئے ان ظالموں کی درندگی کا شکار ہوگئی تھی، اس کی جلی کٹی لاش اس بات کا ثبوت تھی کہ انہوں نے عفیفہ لڑکی کی عزت کو پامال کیا تھا، اس کی لاش فٹ پاتھ

سے ملی تھی، جہاں کئی ماؤں کے بچے اور بہنوں کے بھائیوں کو مار کر پھینک دیا جاتا ہے، پھپھو جان اپنے دو لخت جگروں کو اس ملک کے ویران قبرستان میں چھوڑ کر اپنے بڑے بیٹے کے پاس ہمیشہ کے لیے دبئی چلی گئی تھیں۔ میں نے ایک بار پھر وقاشا مہراب کے جسٹ ویمن سینٹر کو اسی پوسٹ سے سنبھال لیا تھا، اپنی تنہائی دور کرنے کے لیے اور اپنے گھر والوں کا ہاتھ بٹانے کے لیے، کیونکہ میں اماں اور رضوان پر بوجھ نہیں بننا چاہتی تھی، اس پریکٹسی پیریڈ میں وقاشا مہراب نے مجھے پک اینڈ ڈراپ کے علاوہ اور کئی سہولتیں بھی دی ہیں، حال ہی میں انہوں نے مجھ سے شادی کی خواہش ظاہر کی ہے، میرے آنے والے بچے کو وہ باپ کا نام دینا چاہتے ہیں، معلوم نہیں میں اس پرپوزل کو ان کی ہمدردی سمجھوں یا پھر کچھ اور.... فی الحال میں نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا ہے۔'' کمرے میں عائشہ کی آواز ناول نگار کے ہاتھوں کہانی کی نظر ہوئی تھی وہاں اب گہرا سکوت چھا گیا تھا، ایک جامد خاموشی کا راج تھا۔

ناول نگار لفظوں کے جادوگر ہوتے ہیں، ان کے رس بھرے الفاظ لوگوں کے دلوں کو فوراً جکڑ لیتے ہیں۔ عائشہ کی اس سرگزشت کو سن کر نرگس نور کے پاس نہ تو کوئی طلسماتی الفاظ تھے اور نہ ہی کوئی تسکین سخن تھی، اس کے ساتھ ہونے والے اس سانحے نے اسے ہپناٹائز کی کیفیت میں مبتلا کر دیا تھا، کافی دیر بعد وہ اس کیفیت سے باہر آئی تھی اور لب کشائی کی تھی۔

''میرے الفاظ تمہارے دکھ کے سامنے بہت چھوٹے ہوں گے اگر میں تمہاری جگہ ہوتی تو اس پرپوزل کو فوراً قبول کر لیتی، تمہیں جن لوگوں سے جدا ہونا پڑا، وہ خدا کی ایک امانت تھے، خدا نے انہیں تمہاری زندگی میں بھیجا اور واپس اپنے پاس بلا لیا، اللہ پاک تمہارے صبر سے کتنا مہربان ہوا ہے، اس کا اندازہ تمہیں اس پرپوزل سے لگانا چاہیے، ہزاروں میں اکا دکا مرد ایسے ہوتے ہیں جن کا ظرف اتنا بڑا ہوتا ہے کہ وہ کسی کے بچے کو اپنا نام دیتے ہیں، اللہ پاک ہر انسان کو قید تنہائی کے بعد نئی زندگی گزارنے کا موقع دیتا ہے۔ بس فیصلہ ہم پر چھوڑ دیتا ہے، اب فیصلہ تمہیں کرنا ہے، نئی زندگی یا ہمیشہ کی تنہائی، زندگی سے ملے غم اور زخم انسان کو بہت کچھ سکھا دیتے ہیں اور تم تو سمجھدار ہو، مجھے امید ہے وقاشا مہراب کے پرپوزل کو تم ضرور قبول کر لوگی، چلتی ہوں، دعاؤں میں یاد رکھنا اللہ حافظ!'' آنے والا مہمان جا چکا تھا، حی الفلاح کی آواز پر عائشہ مغرب کی نماز کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی، نماز کے بعد وہ اللہ رب العزت کے بے حد قریب ہوگئی تھی، اپنے رب کے حضور سرگوشیانہ انداز میں راز و نیاز بیان کر رہی تھی، دعا مانگتے وقت انسان ایسا محسوس کرتا ہے جیسے خدا اسے دیکھ رہا ہو اور وہ خدا کو، انسان عرفان الٰہی سے بہرہ ور ہو جاتا ہے۔

''اے میرے خدا! تیری اس گناہ گار بندی کو تو نے نئی خوشیاں عطا کیں، مجھے عزت کے قابل بنایا، میں تیرا شکر ادا کرتی ہوں، میرے آنے والے بچے کو اس ملک کا خیر خواہ بنانا۔

اے غفور الرحیم! میرے ملک اور شہر کو امن کا گہوارہ بنا، تاکہ کوئی مسلمان کسی مسلمان کو قتل و غارت کی نظر نہ کرے، کوئی بیوہ نہ ہو، اور کوئی یتیم نہ ہو، میری تنہائی کو دور کرنے کے لیے تو نے اپنا نیک بندہ میرے لیے مقرر کیا، میں تیرے اس فیصلے کو دل سے قبول کرتی ہوں، میری اور وقاشا مہراب کی آنے والی زندگی میں اتنی خوشیاں بھر دے کہ ان خوشیوں سے ہمارا دامن کبھی تنگ نہ پڑے آمین!

☆.....☆.....☆

شازیہ مصطفیٰ عمران

قسط نمبر 4۔

سلسلے وار ناول

تجھ سا فنکار میں تجھ کو

''ضمران بیٹا! راشدہ کی بیٹیاں دیکھی بھالی ہیں ہر کام میں طاق ہیں''۔

''دادی جان! ہم اس بات سے ذرا بھی انکاری نہیں ہیں، مگر میرا ابھی شادی کرنے کا ذرا موڈ نہیں

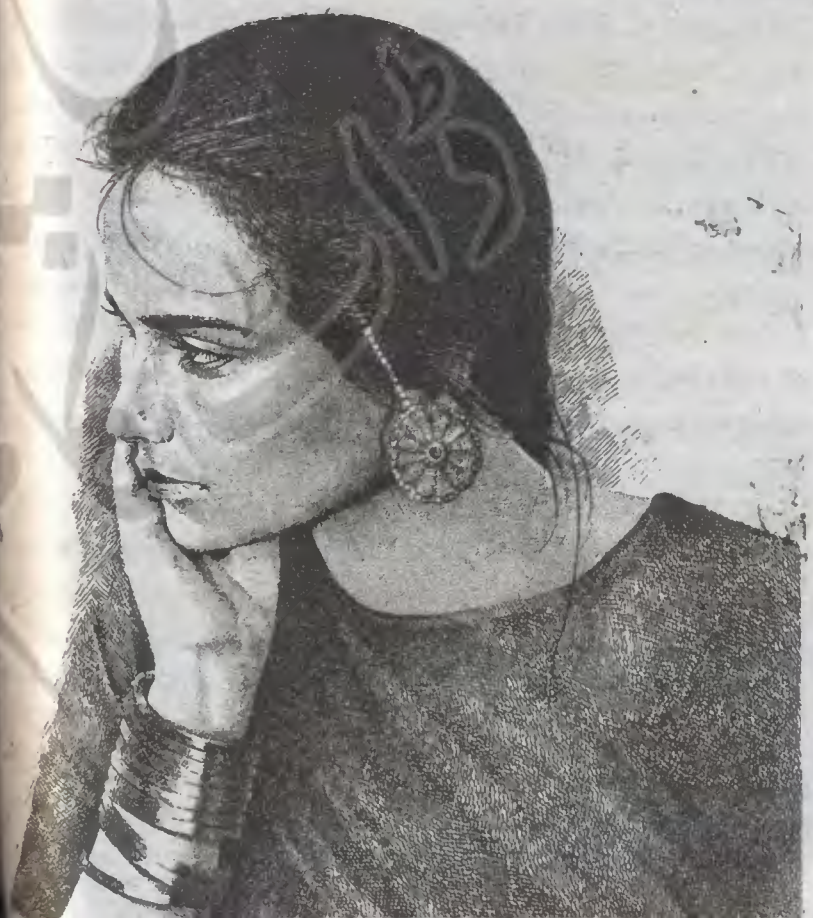

نوٹ: ردّا کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی ردّا کو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

ہے''۔ آدم نے ہی پہل کی جبکہ ضمران مناسب جواب سوچے بیٹھا تھا۔

''ابھی کون سا وہ شادی کا کہہ رہی ہیں، سال دو سال میں کر لینا''۔

''دادی جان! ہم آپ کی یہ بات بالکل نہیں مان سکتے، اور پھر اس وقت آپ سب کہاں تھے جب ہماری ماں محنت مزدوری کر کے ہمیں پال رہی تھی؟'' آدم کو تو ایک دم ہی غصہ آ گیا۔ وہ تو ہکا بکا سی رہ گئیں، ان کا پوتا کیا کہہ رہا تھا، ضمران پہلو بدل کر رہ گیا تھا، رضوانہ تو سٹپٹا ہی گئی تھیں۔

''آدم! کیا بدتمیزی ہے؟''

''امی! میں سچ بیان کر رہا ہوں، اس وقت یہ سب کہاں تھے، آج رشتے کرنے کے لیے ہمارے گھر تک آ گئی ہیں، اس سے پہلے دادی جان بھی آئیں ہمارے گھر؟''

''رضوانہ! خوب تربیت کی ہے''۔ وہ تو شرمندہ ہونے کے بجائے الٹا انہیں ہی الزام دے رہی تھیں۔

''دادی جان! ہماری ماں نے ہماری تربیت بہت اچھی کی ہے، تب ہی آپ اور پھپھو ہمارے گھر رشتہ کرنا چاہ رہی ہیں''۔ آدم تو صاف گو تھا، سامنے والے سے صاف ہی بات کرتا تھا۔

''بہت زبان ہے آدم کی تو''۔

''آدم! چپ کرو، معافی مانگو اپنی دادی سے''۔

''بس، بس... یہ ڈرامے رہنے دو، پہلے بیٹوں کو خوب چڑھا دیا دادی سے، دو بدو ہو جائیں اور اچھا بننے کے لیے کہہ رہی ہو معافی مانگو''۔ ان کے تو پتنگے ہی لگ گئے وہ جانے کے لیے کھڑی ہو گئی تھیں، شروع سے ہی رضوانہ پر انہوں نے رعب ہی رکھا تھا، جو وہ آج تک ان سے ڈرتی تھیں۔

''آپ بیٹھیے تو، کہاں جا رہی ہیں؟'' ضمران نے انہیں پکڑا۔

''اے چھوڑ، تم بھی ایسے ہی ہو''۔ انہوں نے ہاتھ جھٹک دیے، رضوانہ آدم کو اشارے سے کہہ رہی تھیں، معافی مانگ لو، مگر وہ بھی ایک ضدی تھا، مگر جانے پھر کیا سوچا اس نے دادی جان کو پکڑ لیا۔

''مجھے معاف کر دیں، مگر میں شادی پھر آپ کی بیٹی سے نہیں کروں گا''۔ یہ کہہ کر وہ رکا نہیں، باہر نکل گیا۔

''معافی مانگ کر احسان کر رہا ہے''۔

''آپ بھی کیا اس کی باتوں کو لے کے بیٹھ رہی ہیں، جانتی تو ہیں، وہ شروع سے ایسا ہی ہے''۔ ضمران نے بھی باتوں کو آئی گئی کرنا چاہا، وہ جواب تو انہیں خود بھی دے سکتا تھا مگر دادی جان کے بکھرنے پر چپ ہو گیا، وہ بڑی مشکل سے رکی تھیں، مگر رضوانہ سے انہوں نے منہ ہی بنا لیا۔

''بیٹا! نوشین تو اچھی سلجھی ہوئی لڑکی ہے''۔ وہ اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی تھیں۔

''دادی جان! ابھی کچھ عرصے کے لیے یہ موضوع بند کر دیں اور ہاں! آدم سے تو بالکل بھی دوبارہ نہیں کہیے گا، ابھی وہ بچہ ہے''۔ ضمران نے انہیں تسلی اور نرم سے لہجے میں سمجھایا۔

''آدم سے تو میں بالکل کلام تک نہیں کروں گی، اور رشتہ بھی بالکل نہیں چاہوں گی''۔ ان کا آدم سے دل ہی خراب ہو گیا تھا، ضمران نے تشکر بھرا سانس لیا، رضوانہ بھی اطمینان سے ہو گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

وہ صبح سے اپنے کمرے کی صفائی اور سیٹنگ میں لگی ہوئی تھی، رفعت اسے بار بار کہے جا رہی تھیں، ماسی سے کروا لینا، مگر اس پر تو جس بات کا خبط سوار ہو جائے کر کے چھوڑتی تھی۔

''مما! آپ تو مجھے بالکل ہتھیلی کا چھالا بنا کے رکھے ہوئے ہیں، کچھ تو مجھے بھی کرنے دیا کریں''۔ کارپٹ پر ویکیوم چلانے کے بعد اس نے اپنی شیلف میں ساری کتابیں ترتیب سے رکھیں۔

''بھائی تم سے اتنا کام کرواتی تو ہیں اور اس سے زیادہ کیا کرو گی؟'' وہ ناراضی سے گویا ہوئیں۔

''کیا کروں ان کی تو سننی ہی پڑیں گی، یاد ہے پچھلے ہفتے کی بات... رات میں فراج بھائی اور

فیضان کو روٹیاں بنا کے نہیں دیں تو اتنا ذلیل کیا ہے امی نے اس موئے شہریار کے سامنے''۔ اسے اپنی وہ بے عزتی بھولتی ہی نہیں تھی۔

''بھائی کو تو عادت ہے، اسی طرح تمہیں ستاتی ہیں''۔ رفعت کو بہت ناگوار گزرتا تھا۔

''کبھی کوئی اپنا بچہ کسی کو گود نہ دے''۔ حسنیٰ نے سرد آہ بھر کے کہا کیونکہ وہ رفعت اور نسرین کے بیچ پھنس کے رہ گئی تھی، رفعت اسے کام کرنے سے منع کرتی تھیں اور نسرین ماں ہونے کا پورا فائدہ اٹھا کے حسنیٰ سے سارے کام لیتی تھیں۔

''بھابی کو کون سا تم سے محبت تھی، میں نے تو ایسے ہی کہا تھا، بھابی! حسنیٰ کو مجھے دے دیں، وہ تو جھٹ تیار ہو گئیں، مجھے بھی یقین نہیں آیا''۔ رفعت کو خود حیرانگی ہوئی تھی، نسرین نے کہتے کے ساتھ ہی حسنیٰ کو ان کی گود میں دے دیا تھا۔

''ابو نے کچھ نہیں کہا تھا؟'' حسنیٰ کو افسوس تو ہوتا تھا، اس کی سگی ماں کو اس سے ذرا بھی محبت نہیں تھی۔

''بھیا کبھی بھابی کے آگے بولے ہی کب ہیں، ویسے بھی بھیا بہت سیدھے تھے خود ہی بولے نسرین! تم بہتر سمجھ سکتی ہو''۔

''ابو پر بھی کبھی مجھے بہت غصہ بھی آتا تھا، وہ امی پر ذرا بھی رعب نہیں رکھتے تھے، جہاں دل چاہتا تھا امی نکل جاتی تھیں''۔ حسنیٰ کو نسرین سے یہی شکایت تھی وہ گھر میں کم ہی رہتی تھیں۔

''بھیا نے کبھی بھابی پر روک ٹوک کی ہی نہیں''۔

''جب ہی امی کا یہ حال ہے''۔ حسنیٰ صفائی وغیرہ سے فارغ ہو گئی تھی، اس کا روم صاف ستھرا چمک رہا تھا، آج تو اس نے کئی مہینوں بعد صفائی کی تھی ورنہ اسے پینٹنگ اور کتابوں سے فرصت ہی نہیں تھی۔

''تم نہا دھو لو، میں چائے بناتی ہوں، کہو تو بازار سے کچھ منگوا لوں؟'' رفعت نے جاتے جاتے رک کر پوچھا۔

''سموسے اور قیمے والی کچوریاں منگوا لیں''۔ حسنیٰ کھانے پینے کی بہت شوقین تھی، خاص کر سموسے وغیرہ بہت پسند کرتی تھی۔ نہا کر نکلی ہی تھی کہ نسرین کی آواز آ گئی، فیضان بھی اسے بلانے آ گیا۔

''آ جاؤ جلدی، امی کے سر میں درد ہو رہا ہے، روٹیاں بنا دو اور سالن بھی بنا دو''۔ فیضان اس کے صاف ستھرے روم کو بغور دیکھ رہا تھا۔

''میں بہت تھکی ہوئی ہوں''۔ وہ تو سن کے کھسیا ہی گئی۔

''تم نے کیا کیا ہے؟'' وہ بھی طنز کرنے لگا۔

''اپنا روم صاف کیا ہے''۔

''جب ہی چمک رہا ہے، ورنہ تو تمہارا روم... یہ روم کم ٹین ڈبے کی دکان زیادہ لگتا ہے''۔ پینٹنگ اٹھا کے دیکھنے لگا۔

''ہاتھ نہیں لگاؤ''۔ اس نے پینٹنگ لے کے رائٹنگ ٹیبل کے ساتھ لگا کے کھڑی کر دی۔

''کب پورا ہو گا تمہارا کورس؟''

''کچھ دن اور جانا ہے''۔ اپنے گولڈن بالوں کو برش سے سلجھانے لگی تھی، غسل کے بعد تو وہ اور ہی سرخ انار لگ رہی تھی۔

''جلدی آ جاؤ، رات تک سعدیہ آ رہی ہے''۔
''کیا... سعدیہ؟'' وہ سن کے خوش ہوگئی، اس کی سعدیہ سے بہت دوستی تھی، سعدیہ ان کی پھپھی زاد تھی، وہ لوگ پشاور میں رہتے تھے، سعدیہ جب بھی آتی تھی ایک دو مہینے سے پہلے بالکل نہیں جاتی تھی۔
''اور کون کون آ رہا ہے؟'' اس نے جلدی جلدی بالوں کو سمیٹا کے لپیٹا۔
''صرف سعدیہ آ رہی ہے، وقاص کے ایگزام ہیں، وہ بزی ہے اور عائزہ کو تم جانتی ہو، بہت کم آتی ہے، مغرور جو بہت ہے''۔ فیضان نے ساری تفصیل بتائی۔
''عائزہ سے مجھے کچھ انٹرسٹ بھی نہیں ہے''۔
''آ خاہ.... چائے کے ساتھ سموسے کچوریاں کیا ٹھاٹ ہیں حسنیٰ! تمہارے، کاش! پھپھو آپ نے مجھے ہی گود لے لیا ہوتا''۔ فیضان نے ٹرے میں لوازمات دیکھے تو رفعت سے شکوہ کر بیٹھا۔
''گود لینے کی کیا ضرورت ہے، تم بھی میرے ہی بچے ہو''۔ انہوں نے فیضان کو ساتھ لگایا۔
''حسنیٰ جلدی جلدی کھاؤ، ورنہ امی کی چنگھاڑتی آواز آ جائے گی''۔ وہ کچوریاں کھانے لگا۔
''حسنیٰ تو پہلے ہی تھکی ہوئی ہے''۔ رفعت نے کہا۔
''پھپھو! یہ کتنی تھکی ہو، مگر امی کو آپ جانتی ہیں''۔ اس نے کیچپ میں ڈبو کے کچوری کھائی۔
''مما! آپ پریشان نہیں ہوں''۔ حسنیٰ نے ان کے ہاتھ پر ہلکی سی تھپکی دی، حسنیٰ چائے پی کے نیچے چلی گئی تھی، رفعت کو نسرین کی یہی عادتیں جان جلاتی تھیں، وہ کسی کو خاطر میں ہی نہیں لاتی تھیں۔

☆.....☆.....☆

''آدم! تمہیں اپنی دادی جان سے تلخ لہجے میں بات نہیں کرنی چاہیے تھی''۔ رضوانہ اسے سرزنش کر رہی تھیں۔ چاروں کھانا کھا کے بیٹھے تھے مزمل اور طٰہٰ دسترخوان سے برتن اٹھا رہے تھے۔
''میں نے سچ کہا اور سچ سننے کے بعد ان کے پاس جواب نہیں تھا''۔ وہ کارپٹ پر فلور کشن پر سر رکھ کے لیٹ گیا۔
''بھائی تو بالکل ہی خاموش ہو کر بیٹھے تھے، ان کے پیچھے تو بہت بول رہے تھے میں خود بات کروں گا''۔
''ضمران کو میں نے منع کیا تھا ویسے بھی تمہاری دادی بہت عرصے بعد آئی تھیں''۔ انہوں نے کہا۔
''یاد کریں لاسٹ ٹائم بھی میری ہی کوئی بات بری لگی تھی اسی لیے نہیں آئی تھیں، ان کا پھر مطلب پورا آ گئیں''۔ آدم کو ان کی مطلبی اور خود غرض ہونے کا بہت دکھ ہوتا تھا دادی جان نے کبھی اپنے دیگر پوتے پوتی کی طرح ان بھائیوں سے کبھی پیار ہی نہیں کیا تھا ہمیشہ ڈانٹ ڈپٹ اور جھڑک ہی ملی۔
''تم کسی دن جا کر مل آنا''۔
''میں... اور وہاں جاؤں، کبھی نہیں۔ اس گھر میں تو قدم بھی نہیں رکھوں گا، ہم لوگوں کو کیسے انہوں نے نکالا تھا''۔ آدم کو وہ باتیں بھولتی ہی نہیں تھیں۔
''ان باتوں میں کوئی فائدہ نہیں ہے''۔ رضوانہ نے کہا۔
''امی! یہ تو فاؤل ہے روز دسترخوان ہم ہی کیوں اٹھاتے ہیں، یہ دونوں کیوں نہیں اٹھاتے؟'' مزمل کو ایک دم ہی غصہ آ گیا۔

''یہ دونوں کام پر سے آتے ہیں، اس لیے ان سے کام کروانا اچھا نہیں لگتا''۔ رضوانہ نے مسکرا کے کہا، ان کی باتوں کا رخ ہی پلٹ گیا تھا۔
''یہ کیا بات ہوئی؟'' وہ ان کے گھٹنے پر سر رکھ کر لیٹا۔
''یار طٰہٰ! فریج میں کولڈ ڈرنک کی بوتل رکھی ہے وہ لے آؤ''۔ ضمران نے پھر کام بتایا۔
''جس ٹائم سے آپ آئے ہیں مجھ سے ہی کام کروائے جا رہے ہیں''۔ طٰہٰ چڑ کے گویا ہوا۔
''لانے میں کیا مشکل ہے فریج سے ہی تو منگوا رہا ہوں''۔ اس نے پھر کہا۔
''بھائی وہ کولڈ ڈرنک دوپہر میں، میں نے پی لی تھی''۔ مزمل نے منمنا کے بتایا۔
''اتنی کولڈ ڈرنک مت پیا کرو، ویسے ہی وزن بڑھتا جا رہا ہے''۔ طٰہٰ نے اس کے بڑھتے ہوئے جسم کو دیکھا۔
''تم تو جلتے ہو میری چوڑی ہائٹ سے''۔ وہ اترا کے گویا ہوا۔
''چوڑی ہائٹ یا چربی کی دکان ہے؟'' اس نے پھر مزمل کو چھیڑا۔
''ہر وقت میرے بچے کو نہیں بولا کرو، یہی تو کھانے پینے کے دن ہیں''۔ رضوانہ نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔
''کھانے پینے کی خوب کہی، دو دن سے میں کپڑے اپنے پریس کر کے لٹکاتا ہوں یہ پہن کے نکل لیتا ہے''۔ طٰہٰ کو یاد آیا تو اس نے دہائی دی۔
''تم دونوں اپنے اپنے کپڑے الگ رکھا کرو''۔
''امی! میں الگ کرتا ہوں، یہ میری الماری میں گھس کے نکال لیتا ہے جو بھی اچھا لگتا ہے''۔ ان دونوں میں اکثر کپڑوں پر ہی بحث ہوتی رہتی تھی، دونوں کی ہائٹ میں فرق تھا، مگر مزمل تینوں بھائیوں کے کپڑے خوب استعمال کرتا تھا، طٰہٰ کے بنیان اور شرٹ زبردستی چڑھا لیتا تھا۔
''امی! ان کی لڑائیاں تو ایسے ہی رہیں گی آپ نے یہ رشتے کی بات بالکل ختم کروانی ہے''۔ آدم پھر اسی بات پر آ گیا۔
''یار! تم پریشان نہیں ہو، رشتہ وغیرہ نہیں ہوگا''۔ ضمران نے اسے اطمینان دلایا۔
''بھائی! آپ امی کو جانتے ہیں، دادی جان نے اگر امی کو پریشر میں لیا تو وہ زبردستی رشتہ پکا کر بھی دیں گی''۔ آدم رضوانہ کی عادت سے باخوبی واقف تھا۔
''کیا ہے اگر تم دونوں راشدہ کی بیٹیوں سے کر لو، مجھے باہر دیکھنا تو نہیں پڑے گی''۔
''دیکھا... دیکھا امی! ابھی سے ہی ان کی حمایتی ہو رہی ہیں''۔ آدم تو تلملا گیا۔
''آدم بھائی! آپ کیوں اتنا شور مچا رہے ہیں، امی ایسا کچھ نہیں کریں گی، کیونکہ امی کو اپنے بیٹوں کی خوشیاں زیادہ عزیز ہیں''۔ طٰہٰ نے اسے ٹھنڈا کیا۔
''ہم نے تو شروع سے یہی دیکھا ہے، ہماری دادی نے کبھی ہماری ماں کو اہمیت ہی نہیں دی، تائی امی کو اور ان کے بچوں کو اہمیت حاصل ہے''۔ اسے اپنی دادی کی یہ تفریق والی طبعیت بہت دکھ دیتی تھی۔
''ہمارے باپ نے ہی ہماری ماں کی عزت نہیں کی''۔ ضمران کو بھی یہ احساس ہمہ وقت رہتا تھا۔
''تم لوگوں سے کتنی دفعہ کہا ہے پچھلی باتوں کو یاد نہیں کیا کرو''۔ رضوانہ کو اپنے بیٹوں کی یہ احساس

محرومی اور دکھ دیتی تھی۔

''ہم یہ کبھی نہیں بھول سکتے، اس گھر میں ہمارے ساتھ ہمیشہ ناانصافی ہی کی گئی ہے، تایا ابو کے بچوں سے الگ ہمیں سمجھا جاتا تھا''۔ آدم کو زیادہ غصہ آتا تھا وہ اپنے ددھیال والوں سے ملنا پسند ہی نہیں کرتا تھا، وہ تینوں تو پھر بھی چلے جاتے تھے، ددھیال سے اگر کوئی آجاتا تھا، آدم اسٹور سے ہی رات گئے واپس آتا تھا، رضوانہ اس کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھیں، وہ بھی اس سے زیادہ ضد نہیں کرتی تھیں۔

☆.....☆.....☆

پورا کمرہ اصلی گلاب اور موتیے کے پھولوں سے سجا تھا، بیڈ پر رنگ برنگے پھولوں سے چھت بنائی گئی تھی، پورے روم میں بھینی بھینی خوشبو پھیلی ہوئی تھی، ایک طرف اس کا نائٹ ڈریس لٹکا ہوا تھا، نائٹی دیکھ کر اس کی آنکھیں شرم سے جھک گئی تھیں۔

آہٹ ہوئی تو وہ جلدی سے واش روم سے باہر آگئی، اس شخص کو دیکھ کر وہ حیرانی کا جھٹکا کھا کے رہ گئی، وہ وارڈروب سے کپڑے نکال کر اپنے بیگ میں ٹھونس رہا تھا، جلدی سے لمبا سا گھونگھٹ نکال لیا، یہ بھی اس گھر کی خواتین نے کہا تھا۔

''جب تک ہیثم تمہارا گھونگھٹ اٹھا کے چہرہ نہیں دیکھ لے، تم گھونگھٹ اوپر نہیں اٹھانا''۔

''میں جا رہا ہوں اور ہاں! یہ شادی میری مرضی سے بالکل بھی نہیں ہوئی ہے''۔ اس سرخ لہنگے میں ملبوس لمبے سے گھونگھٹ والی خوشنما کو مخاطب کیا۔

''میں تمہارا کوئی یہ ہرگز گھونگھٹ نہیں اٹھاؤں گا، خود ہی اٹھالینا''۔ اس نے دیگر چیزیں جو کلون وغیرہ تھے وہ بھی بیگ کے اندر کیے۔ خوشنما کا دل دھڑ دھڑ کرنے لگا تھا، اس کی سماعتیں کیا سن رہی تھیں۔

''تم اگر اپنے ماں باپ کے لیے بوجھ تھیں تو میرے کاندھوں پر ہی کیوں بوجھ ڈالا گیا ہے؟ منع نہیں کرسکتی تھیں؟'' قریب آکر وہ دھاڑا تھا، خوشنما اچھل گئی تھی، نرم و نازک ہاتھوں پر حنائی رنگ بہت گہرا آیا تھا، چوڑیوں اور انگوٹھیوں سے اس کے ہاتھ خوبصورت لگ رہے تھے۔

''آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں، نانا جان نے تم لوگوں پر ترس کھایا ہے، جب ہی تم اس گھر میں بہو بن کے آگئی ہو، مگر میں تمہیں اپنی بیوی بالکل بھی نہیں سمجھتا، بیک ورڈسی تو ہو''۔ ہیثم کے لب و لہجے میں حقارت تھی۔ خوشنما کے چہرے کا سارا خون سمٹ گیا اور چہرہ گرم گرم ہوگیا، اس کی بہنوں نے تو کتنا کہا تھا۔

''آپی! تم اتنی پیاری ہو، ہیثم صاحب تمہیں دیکھتے رہ جائیں گے''۔ آنکھوں میں نمی در آئی۔

''میں جا رہا ہوں، جو دل کرے تم بتاتی رہنا''۔

''پلیز! میری اتنی بے عزتی نہیں کریں''۔ لہجہ اس کا رونہار افسردہ ہو رہا تھا۔

''شکر کرو تمہیں بغیر چھوئے جا رہا ہوں، ورنہ میں شب زفاف کے پورے مزے لوٹ کے ہی جاتا مگر جو چیز مجھے پسند نہیں تو نہیں ہے، جسے میں دیکھنا تک نہیں چاہتا اسے چھونا اپنی توہین سمجھتا ہوں''۔ وہ نرم و نازک سے احساسات رکھنے والی خوشنما کی عزت و وقار کی دھجیاں ہی بکھیر رہا تھا۔

''آخر میرا قصور کیا ہے؟'' گھونگھٹ میں اس کے رونے کی آواز آرہی تھی۔

''قصور یہ ہے کہ تم میرے نانا جان کو نظر ہی کیوں آئیں؟''

''آپ انکار کردیتے، میرا تو اس میں کوئی قصور نہیں''۔

''بکواس بند کرو، میں جا رہا ہوں، میری بلا سے، تم جیو یا مرو، مگر ہاں نانا جان کو میرا یہ میسج ضرور دینا تم اس گھر میں ہوگی تو میں واپس بالکل نہیں آؤں گا''۔ بیگ اٹھا کے وہ دروازہ کھول کے جانے لگا۔

''پلیز اللہ کا واسطہ! میری اتنی توہین نہیں کریں''۔ اپنا وزنی لہنگا سنبھالتی ہوئی ہیثم کے قدموں کے آگے بیٹھ گئی۔

''یہ فلموں والی حرکتیں نہیں کرو، مجھ پر تمہارے ان آنسوؤں کا ذرا اثر نہیں ہوگا''۔ اپنا پاؤں نکالا۔

''اپنی اوقات دیکھ کر اس گھر کے خواب دیکھتیں، بہت شوق تھا شادی کا، تو کسی کو بھی پھانس لیتیں''۔

''شٹ اپ، ایک لفظ نہیں بولیے گا آگے سے، بہت دیر سے میں برداشت کر رہی ہوں''۔ وہ بھی دھاڑی، جب بات اس کے کردار پر آئی تو۔

''کیا کرلوگی؟''

''یہاں سے آپ چلے جایئے میں بھی ساری زندگی آپ کو اپنی شکل نہیں دکھاؤں گی''۔

''تمہاری شکل اس قابل کہاں ہے جو دکھاؤ گی''۔ ہیثم نے تمسخر ہی اڑایا۔

''مسٹر ہیثم! اتنے مغرور نہیں بنیے، کہیں ایسا نہ ہو آپ کو میرے آگے گڑگڑانا پڑ جائے''۔ خوشنما کو مغرور اور بد دماغ ہیثم سخت برا لگنے لگا، اس نے بھی تو ہیثم کی صرف جھلک دیکھی تھی، جب وہ گھر آیا تھا، مگر منہ اس کا بنا ہوا تھا۔

''اچھا... بہت خوش فہمی ہے''۔ وہ ہنسا۔

''وقت کا کچھ پتہ نہیں ہوتا''۔

''اونہہ.... فضول سے گھسے پٹے ڈائیلاگ جو فلموں اور ڈراموں میں بولے جاتے ہیں، وہ تم بھی بول رہی ہو''۔ ہیثم اس کو عزت دینا ہی نہیں چاہتا، جتنی اس کی توہین کرسکتا تھا کر رہا تھا۔

''میں فلمیں ڈرامے نہیں دیکھتی''۔ وہ بھی غصے میں تیز لہجے میں گویا ہوئی۔

''اونہہ.... اچھا جوک تھا''۔ وہ پھر مضحکہ اڑانے لگا۔

''ہٹو راستے سے مجھے جانا ہے''۔ وہ تیزی سے نکل گیا۔ پورا گھر شادی کی رونقیں بکھیر رہا تھا، ہال کمرے سے ہنسی مذاق کی آوازیں آرہی تھیں، سب سے زیادہ آوازیں میران اور عفان کی تھیں۔

جاتے جاتے وہ لمبا سا پرچہ نانا جان کے واش روم میں رکھ آیا تھا، وہاں اس کے لیے رکھا کہ کام والی ماسی یا گھر کے کسی فرد کی نگاہ نہیں پڑے، نانا جان کا واش روم کوئی یوز نہیں کرتا تھا۔

''میں بھی دیکھنا مزہ چکھا کے رہوں گا میں ہی نظر آیا جو مجھے گدھا بنالیا''۔ گاڑی اسٹارٹ کرتے وہ بے جا وہ جا ہو گیا تھا، خوشنما نے کھڑکی کے پردے اٹھا کے اس کی گاڑی جاتے ہوئے دیکھی تھی وہ چاہتی تو شور مچا سکتی تھی، مگر اس نے چپ کی مہر ثبت رکھی۔ ہزاروں کا وزنی لباس اس نے غصے میں اتار کے کارپٹ پر ڈال دیا تھا۔

''ہیثم خان! تمہیں میری بد دعا ہے کہیں بھی تمہیں سکون نہیں ملے، تمہیں کوئی لڑکی بھی ایسی نہیں ملے

جو تمہیں پسند کرے''۔ وہ سسک رہی تھی۔

''ابو، امی کا کیا ہوگا، وہ تو فرض ادا ہو جانے پر کتنا خوش تھے''۔ کروٹ لیے لیٹی تھی میک اپ وغیرہ سب اتار دیا تھا، مرتضیٰ علی نے اسے کتنی خوشی سے اپنے نواسے کی دلہن بنایا تھا، اور نواسہ پہلی رات ہی بھاگ گیا تھا، دوبارہ سے وہ بابل کی دہلیز پر بیٹھ جائے گی، آج کے بعد مرد ذات پر اعتبار ہی نہیں کرنا مگر اتنا ضرور سوچ لیا تھا ہاشم کو وہ ایسے تو نہیں بخشے گی۔

رات کے تین بج گئے تھے اور وہ وسیع و عریض بیڈ پر کروٹیں لے رہی تھی، بیڈ اسے کانٹوں کی طرح لگ رہا تھا، کمرے کو سجانے کے لیے ہزاروں روپے خرچ کیے گئے تھے مگر وہ سیج کو نوچ کے ہی چلا گیا تو ایک لڑکی کے ارمانوں کا قتل کر گیا تھا۔

''ساری زندگی تم بے سکون رہو گے''۔ لب کچل رہی تھی، جانے کون سا پہر تھا، جو اس کی آنکھ لگی تھی، رو رو کے آنکھیں سوج گئی تھیں، گھر میں کسی کو بھی علم نہیں تھا کیا قیامت آ کر گزر گئی ہے۔

☆.....☆.....☆

حباب کو اس دن قرآن خوانی اور میلاد والے دن کسی نے پسند کر لیا تھا، وہ لوگ دیکھنے آنا چاہ رہے تھے، بینا نے ناشتے وغیرہ کا کافی اہتمام کروایا تھا اور خود بھی پنک ستاروں کا جارجٹ کا سوٹ پہنا تھا، حسب معمول میک اپ بھی کیا تھا، حباب تو منع کیے جا رہی تھی۔

''مجھے جب شادی ہی نہیں کرنی تو کیوں بلایا ہے آپ نے ان لوگوں کو؟'' وہ بھنائی ہوئی تھی۔

''اس لیے کہ بیٹی کہیں یہ نہیں کہہ دے ماں اپنے کیے جا رہی ہے، بیٹی کی کوئی فکر ہی نہیں''۔ ارومہ نے طنزیہ لقمہ دیا، وہ بینا کو سنانے سے باز ہی نہیں آتی تھی۔

''بکواس مت کیا کرو''۔ وہ آنکھیں نکال کے غصے میں آ گئیں۔

''سچ کہتی ہوں''۔

''اماں! ٹھیک کہتی ہیں، بہت تمہاری زبان چل گئی ہے''۔ بینا اس وقت بہت سنجیدہ تھیں۔

''جو سچ بولتا ہے اسے یہی کہا جاتا ہے، زبان بہت چل گئی ہے''۔ ارومہ روز بروز بہت منہ پھٹ اور بدلحاظ ہوتی جا رہی تھی۔

''شہریار نے تمہیں سر چڑھایا ہوا ہے''۔

''لو اس میں شہریار ماموں کہاں سے آ گئے؟'' وہ خود ہی ہنس کے تمسخر اڑانے لگی۔

''حباب! تم تو جاؤ جا کے تیار ہو اس کی تو خبر میں بعد میں لوں گی''۔ بینا ارومہ کی باتوں سے لاجواب ہو جاتی تھیں۔

''مہمانوں کے سامنے تم اپنی شکل لے کے نہیں آنا''۔ انہوں نے اندر جاتی ارومہ کو ہدایت دی۔

''جی اچھا بالکل نہیں آؤں گی''۔ اس نے بھی ان ہی کے انداز میں جواب دیا۔

''پتہ نہیں کیوں یہ لڑکی مجھ سے اتنی بدتمیزی کرتی ہے''۔ بینا کو آج بہت احساس ہو رہا تھا مگر وہ خود پر کبھی توجہ نہیں دیتی تھیں، وہ کون سا بیٹیوں کی ماں بن کر خیال کرتی تھیں۔

(جاری ہے.....)

☆.....☆.....☆

سلمیٰ غزل

افسانہ

کسی کو اپنے مقدر پہ اختیار نہیں

نیند سے مخمور پلکیں گویا زمانے بھر کا بوجھ لیے جھکی ہوئی تھیں، سجے سجائے کمرے میں مادرا کا وجود درباریوں کے جھرمٹ میں عظیم المرتبت شہنشاہ کی سی حیثیت لیے ہوئے تھا، اس کمرے میں اس کا سہما اور ڈرا ہوا وجود بے مقصد نہیں تھا آج وہ یہاں ڈاکٹر حرمین کی بیوی کی حیثیت سے لائی گئی تھی، اسے نہ تو اس گھر سے دلچسپی تھی اور نہ ڈاکٹر حرمین سے کیونکہ ان کے بارے میں اس کی معلومات صرف اس حد تک تھیں، جتنا گھر میں ذکر ہوتا تھا کہ وہ بہت

خوبصورت، قابل اور خوش اخلاق ہیں، بڑے سے گھر میں ایک ماں اور بیس سال چھوٹی بہن کے سوا کوئی نہیں تھا، اس کو کسی بات سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور امی سارا دن اس کا نفس رویہ دیکھ کر نصیحتیں کرتی رہتی تھیں۔

''چھوٹی عمر ہے تمہاری، خود کو سسرال کے رنگ میں رنگ لینا، بڑی عمر ہو جائے اور زیادہ پڑھ لکھ جائیں تو لڑکیوں میں خودمختاری آ جاتی ہے، ہر معاملے میں اپنی مرضی چلاتی ہیں، اپنی بہن فردا کو ہی دیکھ لو پڑھ لکھ کر اپنا گھر اجاڑ لیا اور میکے آ بیٹھی اور جواز بھی بودا سا کہ ''کیا اس لیے پڑھا لکھا تھا کہ گھر داری کروں، نوکری چھوڑ کر چولہا جھونکوں'' ہم ٹھہرے ماں باپ، زیادہ سمجھائیں تو بیٹی سمجھے گی ہم پر بوجھ ہے، کوئی بیٹی بوجھ نہیں ہوتی، مگر شادی کے بعد بیٹیاں اپنے ہی گھر میں اچھی لگتی ہیں، کیا اعلیٰ تعلیم کا مقصد صرف نوکری کرنا ہی ہے، ہم تو بھئی بھر پائے اس لیے تمہیں آگے نہ پڑھانے کا فیصلہ کرنا پڑا''۔ امی جان بجیا کے فیصلے سے ناراض اور شاکی تھیں اس لیے انٹر کا امتحان دیتے ہی مادرا کو گھر بٹھا لیا اور ابھی تو اس کا رزلٹ بھی نہیں آیا تھا کہ اس کی شادی طے کر دی، حالانکہ اس نے احتجاج کرنے کی کوشش بھی کی، بھوک ہڑتال بھی کر دی ابا کو بھی ہمنوا بنانا چاہا، مگر ابا جو ہمیشہ اس کی سائیڈ لیتے تھے وہ بھی پورس کا ہاتھی ثابت ہوئے اور انہوں نے بھی فردا کے فیصلے کی سزا مادرا کو دے ڈالی، اس کا ڈاکٹر بننے کا خواب چکنا

چور ہوگیا، اس کو یقین تھا اس کے خوابوں کی تعبیر ضرور ملے گی کیونکہ وہ ذہین بھی تھی اور محنتی بھی، مگر امی اسے ڈاکٹر کی جگہ ایک گھڑ، ہنرمند اور ماہر باورچن بنانے پر تلی ہوئی تھیں نتیجتاً وہ آج دلہن بنی اسٹیج پر بیٹھی اپنے خوابوں کے ٹوٹنے پر نوحہ کناں تھی۔

آخری وقت تک امی اطاعت اور فرمانبرداری کے درس دیتی رہیں اور وہ افشاں سے بوجھل پلکوں اور ہونٹوں پر جامد سکوت سے سب کچھ سنتی رہی، سسرال میں ساس نے نصیحتوں کے پلندے کھول دیئے اور شوہر کو مٹھی میں لینے اور اس کا دل جیتنے کے ہزاروں گر بتائے جس میں سب سے زیادہ زور خدمت گزاری اور اطاعت شعاری پر تھا، لیکن وہ یہ گر کس پر آزمائے؟

رات کے جانے کتنے پہر بیت گئے بیٹھے بیٹھے کمر تختہ ہوگئی بھاری زیور اور کپڑے جسم اور روح کو کاٹنے لگے نیند سے برا حال ہوگیا، مگر اس نے سب کچھ سہنے اور اف نہ کرنے کا خود سے عہد کیا تھا جب جسم ہی روح سے خالی ہو تو دکھ کا احساس کیسا؟

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نیند بھگانے کے لیے بے مقصد کمرے کی آرائش اور زیبائش دیکھتی رہی، تب ہی بھاری قدموں کی آواز سے کمرہ گونج اٹھا پھر یہ آواز بستر کے نزدیک آ کر تھم گئی وہ جانے کیوں خوف سے سمٹ گئی تب شوہر کی بارعب آواز گونجی۔

''تم سمجھ رہی ہوگی کہ بھاری بھرکم جہیز سے تم اپنی افادیت کا رعب ڈالو گی تو یہ تمہاری خام خیالی ہے، مجھے تم سے نہ محبت ہے نہ دلچسپی، اماں نے میری محبت مجھ سے چھین کر تمہیں مجھ پر مسلط کر دیا ہے اس کا دکھ ضرور ہے، تم امی کے لیے ان کی مرضی سے آئی ہو ان کے ساتھ رہو، میرا تم سے واسطہ نہ آج ہے نہ کل ہوگا''۔ فیصلہ صادر کر کے انہی قدموں سے لوٹ گئے، دیر تک پردہ ہلتا رہا اور ماورا کی آنکھیں پھٹ جانے کی حد تک پتھرا گئیں۔

''یہ کون تھا..... میرا شوہر.....؟ جس کے اخلاق کے چرچے چار عالم میں تھے، یہ تو کوئی سایہ تھا مافوق الفطرت''۔ نیند آنکھوں سے اڑ گئی اور سویرے جب ساس کی آمد ہوئی تو چہرے پر اڑتی ہوئی ہوائیاں آنکھوں میں تیرتے گلابی رنگ اور بھولے بھالے چہرے پر وحشت نمایاں تھی، ساس جانے کیوں اسے گلے لگا کر رو پڑیں۔

''میں تم سے بہت شرمندہ ہوں، مگر تمہاری تربیت اور اطاعت شعاری سے وفاداری کی امید ہے، حرمین ایک بچے کی طرح ہے اس کی تربیت تمہارے ہاتھ میں ہے چاہو تو سنوار لو، چاہو تو بگاڑ لو''۔ ماورا کا دل چاہا کہے۔

''اماں! اولاد کی تربیت تو مائیں کرتی ہیں''۔ مگر وہ اپنی زبان میکے گروی رکھ آئی تھی امی کی نصیحت آڑے آ گئی۔

☆.....☆.....☆

پھر وہ دن بھر اس تربیت کی منتظر رہی لیکن کس کی کرتی؟ حرمین جو گئے تو پورا دن پلٹ کر نہیں آئے، دن بھر ساس اور چھوٹی نند جو دس برس کی بچی تھی، اس طرح اس پر نچھاور ہو رہے تھے گویا کوئی پری بھولے سے بچوں کے دیس میں آ گئی ہو، حرمین کے بیس سال بعد جب انعمتا دنیا میں آئی تو گھر بھر کو گویا جیتا جاگتا کھلونا مل گیا، مگر انعمتا ابھی صرف دو سال ہی کی تھی تو حرمین کے والد جو خود بھی ڈاکٹر تھے ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں جان سے گزر گئے، اس لیے ماں بیٹا دونوں کی جان انعمتا میں تھی جو بھابی پا کر بے حد خوش تھی اور خوف زدہ بھی کہ کہیں یہ جیتا جاگتا کھلونا کہیں اسے چھوڑ کر چلا نہ جائے، وہ کہاں جانے والی تھی، ہر راستہ بجیا نے مسدود کر دیا تھا، اور اس کے قدموں میں نادیدہ زنجیریں تھیں۔ حرمین اس کی ذات سے یوں لاتعلق تھے جیسے اس کا وجود ہی نہ ہو، رات وہ ایک ڈھیلا ڈھالا پنک

گاؤن پہن کر باتھ روم سے باہر نکلی تو وہ بغور اسے دیکھ رہے تھے، اس کا معصوم سوگوار حسن گاؤن کے شیڈ میں گلابی ہو رہا تھا، وہ اسے بغور دیکھ رہے تھے لیکن ان نگاہوں میں شوق و اشتیاق نہیں بلکہ تندہی، تیزی اور جھنجھلاہٹ نمایاں تھی، وہ گھبرا گئی اور کپکپاتے ہوئے پلکیں جھکا لیں کمبل میں گھستے ہوئے اسے احساس ہوا سردی زیادہ ہے لیکن اجنبی لوگوں کے درمیان کیا سردی کیا گرمی، اپنے گھر ہوتی تو امی فوراً ہیٹر آن کر دیتیں، بجیا جلدی سے موزے دستانے پہنا دیتیں اور ابا کافی بنانے کا حکم صادر فرما دیتے، چھوٹی ہونے کی وجہ سے وہ گھر بھر کی لاڈلی تھی، پرانی یادوں نے بے ساختہ لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دی، پھر سیاہ بڑی بڑی آنکھوں میں کوئی چیز جھلملائی پھر پلکوں کی نوک پر آ کر ٹک گئی دوسرے ہی لمحے تواتر سے آنسو اس کے رخساروں پر پھیلتے جا رہے تھے۔

''اپنے چاہنے والوں کو چھوڑ کر غیروں میں بسنا کتنا دشوار ہے''۔

''یہ ٹسوے کیوں بہائے جا رہے ہیں؟'' وہ درشت لہجے میں پوچھنے لگے وہ خوف سے کانپ اٹھی، گلابی چہرہ پیلا پڑ گیا۔

''جواب کیوں نہیں دیتیں؟ میں کیا بکواس کر رہا ہوں؟'' وہ غصے سے دھاڑے۔

''وہ امی یاد آ رہی ہیں''۔ اس نے معصومیت سے پلکیں جھپکائیں۔

''صبح ہوسپٹل جاتے ہوئے چھوڑ جاؤں گا تیار رہنا''۔ وہ سنجیدگی سے کہتے ہوئے اسٹڈی روم کی طرف بڑھ گئے اور مارے خوشی کے اس کے لیے صبح کرنی مشکل ہوگئی، وہ ان کے اٹھنے سے پہلے تیار ہو چکی تھی، بغیر میک اپ اس کی رنگت نکھری نکھری اور شفاف لگ رہی تھی، سفید ڈھیر ساری کلیوں کے سوٹ میں اس کا حسن پھوٹا پڑ رہا تھا۔

یہ کیا پہن لیا؟'' انہوں نے سختی سے باز پرس کی۔

''ابھی میں زندہ ہوں میرے مرنے پر سفید لباس پہننا، کیا اپنے گھر والوں کو یہ بتانا چاہتی ہو کہ تم یہاں خوش نہیں؟''

''وہ دراصل سفید رنگ مجھے بے حد پسند ہے''۔ ہکلا کر بولی۔

''میں ابھی بدل لیتی ہوں''۔ اس نے جلدی سے کہا، اسی لمحے دھڑ سے دروازہ کھلا۔

''کیا بات ہے دلہن! کیوں شور مچا رکھا ہے، یہ شریفوں کا گھر ہے یہاں چیخ پکار نہیں ہوتی، اور یہ کیا تم نے پہن لیا، حرمین کو سفید رنگ بالکل پسند نہیں، کیوں اس کو شکایت کا موقع دیتی ہو، جو وہ چیخنے لگے، جاؤ جا کر کوئی شوخ سے کپڑے پہنو''۔ اور وہ آنسوؤں سے تر چہرہ لیے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی، اس کا جسم ہولے ہولے لرزنے لگا۔ عجیب سی ہلچل مچ گئی اس کا دل چاہا اس قدر چیخ چیخ کر روئے کہ گلا بیٹھ جائے، حرمین کے کان بہرے ہو جائیں اور اس گھر کی بنیادیں ہل جائیں، اس نے تمام آرزوؤں کا گلا دبا دیا اور چیختے چلاتے کلر کا سوٹ پہن کر گہرا میک اپ کر لیا تاکہ گھر والوں کو اس کے رونے کا پتہ نہ چل سکے، راستہ خاموشی میں گزرا، امی، ابا اور بجیا اس کو دیکھ کر نہال ہوگئے، راستے سے حرمین نے ڈھیر سارے پھل اور مٹھائی بھی لے لیے تھے اور اب بے حد انکساری اور خلوص سے سب سے مل رہے تھے۔

''خوش ہو؟'' بجیا نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''بہت.....!'' اس نے بمشکل آنسوؤں کو باہر آنے سے روکا۔

''بھئی! حرمین ہے ہی اتنا پیارا اور خوش مزاج، بھلا تم خوش کیوں نہیں ہوگی''۔ بجیا شوخی سے مسکرائیں اور اس کا دل چاہا ماں جائی کے سینے سے لگ کر دھاڑیں مار مار کر

رونے لگے۔

''میں چلتا ہوں ہوسپٹل سے دیر ہو رہی ہے، شام کو ماورا کو لے جاؤں گا''۔

''بیٹا! رات کا کھانا کھا کر جانا''۔ ابا نے شفقت سے کہا۔

''نہیں انکل! معذرت خواہ ہوں، اماں گھر میں اکیلی ہوتی ہیں پھر انعمتا بھی میرے بغیر نہیں رہتی، اس لیے معذرت چاہتا ہوں رک نہیں سکتا''۔ حرمین عاجزی سے بولے، پھر ماورا سے مخاطب ہوئے۔

''میں ہارن دوں گا فوراً باہر آ جانا''۔ ان کے لہجے میں تحکم اور رعب تھا ماورا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر امی کے لاکھ پوچھنے پر بھی وہ ''سب اچھا ہے'' کا سگنل دیتی رہی اور کھلکھلا کر ہنستی رہی اور ماورا کو لگا خالی ڈھول کو کسی نے زور سے پیٹ ڈالا ہو، آواز کی بازگشت سے گھبرا کر وہ اپنے کمرے میں سونے کے لیے گھس گئی۔

☆.....☆.....☆

واپسی میں انہوں نے خود ہی گفتگو کا آغاز کیا۔

''بات دراصل یہ ہے کہ یہ شادی سراسر اماں کی خوشی اور ان کی مرضی سے ہوئی ہے اس لیے آپ کو نباہ ان سے کرنا ہے مجھ سے نہیں، کیونکہ اماں کو پڑھی لکھی لڑکیوں خاص طور سے ڈاکٹرز سے سخت نفرت ہے اور میری محبت حمنہ بھی ایک ڈاکٹر تھی اور اس کا تعلق ایک غریب فیملی سے تھا، وہ اماں کو آپ کی امی کی طرح ہیروں کا سیٹ نہیں دے سکتی تھی، نہ ہی ٹرک بھر کر جہیز لا سکتی تھی، اس لیے اماں نے آپ کو میرے سر پر سوار کر دیا، یہ سوچے بغیر کہ میں آپ سے شدید نفرت کرتا ہوں، کیونکہ آپ کو میں اپنی خوشیوں کا قاتل سمجھتا ہوں، خون کیا ہے آپ نے میرے ارمانوں اور آرزوؤں کا، حمنہ نہیں تو کوئی بھی نہیں، خیر میں بھی آپ کو خوش نہیں رہنے دوں گا تڑپا تڑپا کر ماروں گا، یہ میرا خود سے وعدہ ہے آپ کو یہاں سب کچھ ملے گا سوائے میری محبت کے''۔ ان کی نگاہوں میں قہر اور لہجے میں آگ کی تپش تھی۔

''تم سمجھتی ہو اپنے بھولے بھالے چہرے سے مجھے اسیر کر لو گی تو سن لو میں اتنا سستا نہیں کہ آسانی سے لوٹ لیا جاؤں، میں تو تمہیں اتنا رلاؤں گا کہ عبرت کا نشان بن جاؤ گی، حمنہ کو کوئی میرے دل سے نکال نہیں سکتا وہ اگر میری نہ بن سکی تو میں تمہیں بھی کبھی نہیں اپناؤں گا، زندگی بھر تنہائی کی آگ میں جلتی رہو گی''۔ ماورا کی خاموشی اس کو اور بھی بھڑکا رہی تھی حالانکہ خوف سے اس کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا اور بولتی بند۔ وہ بمشکل اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹتے ہوئے دروازے سے چپک گئی، گھر کے دروازے پر چھوڑ کر وہ واپس چلے گئے، رات بھر کی صحرا نوردی کے بعد بھی واپس نہ لوٹے، صبح جب وہ بستر سے اتر رہی تھی تو ساس اندر آ گئیں۔

''حرمین کہاں ہے دلہن؟'' انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

''معلوم نہیں''۔ اس نے بے بسی سے جواب دیا۔

''کمال ہے تم بیوی ہو، تمہیں نہیں تو کیا مجھے معلوم ہوگا؟'' وہ غصے سے بولیں اور ماورا ششدر رہ گئی کیا جواب دیتی۔

''میں جانتی ہوں تمہاری زندگی بڑی کٹھن ہے مگر کیا کروں سمجھ میں نہیں آتا اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا، دراصل حرمین تم سے کیا کسی سے بھی شادی کے لیے تیار نہیں تھا، کیونکہ اس کی چاہت اس کی کلاس فیلو تھی اور شاید تمہیں نہیں معلوم ڈاکٹروں سے مجھے سخت نفرت ہے، خاص طور پر لیڈی ڈاکٹر اور اس کی وجہ بھی ایک لیڈی ڈاکٹر ہی ہے، میرا حرمین سے بڑا ایک اور بیٹا بھی تھا، صادقین جو خود بھی ڈاکٹر تھا اور صرف اور صرف اس کی خوشی کے لیے میں ڈاکٹر بہو

بیاہ لائی، جس سے صادقین دیوانہ وار محبت کرتا تھا، حالانکہ وہ مجھے قطعی پسند نہ تھی مگر میں نے اپنی پسند پر اپنے بیٹے کی پسند کو ترجیح دی لیکن مجھے نہیں معلوم تھا ہانیہ عورت کے نام پر دھبہ ہے، ماں باپ کے دباؤ میں آ کر اس نے شادی تو کر لی لیکن وہ نسوانیت کی لاج نہ رکھ سکی اور بتائے بغیر ایک دن اپنے عاشق کے ساتھ بیرون ملک فرار ہو گئی اور خلع کا نوٹس بھیج دیا، میرا بیٹا صادقین یہ ذلت برداشت نہ کر سکا اور اس نے خودکشی کر لی، حرمین کی پسند بھی ایک ڈاکٹر نکلی، وہ سمجھتا ہے کہ میں نے حمنہ کو غربت کی وجہ سے ٹھکرایا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ماں بیٹیاں مجھے ایک نظر میں ہی بے حد عیار اور چالاک لگیں، پھر محلے میں ان کی ریپٹیشن بھی اچھی نہیں تھی، تم جانو دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے، مگر حرمین کو کیسے سمجھاتی اس کی آنکھوں پر تو محبت کی ایسی پٹی بندھی تھی کہ اس کو کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا، مجبوراً مجھے اسے جذباتی طور پر بلیک میل کرنا پڑا، کیونکہ بھائی کی موت نے اس کو بھی تنہا کر دیا تھا، مجھے تم میں وہ ساری خوبیاں نظر آئیں، جس کی میں خواہاں تھی، کم عمر ہو، کم پڑھی لکھی ہو، اپنی تابعداری سے آج نہیں تو کل حرمین کو اپنا بنا ہی لو گی، مجھے یقین ہے تم میرے بھروسے کی لاج رکھو گی اور مجھے شکایت کا موقع نہیں دو گی، جس دن حمنہ کی حقیقت حرمین پر عیاں ہو گی وہ پشیمان بھی ہوگا اور شرمندہ بھی پھر وہ صرف تمہارا ہوگا صرف تمہارا''۔ ماورا نے سوچا۔

''اماں! آپ ماں بن کر سوچ رہی ہیں، عورت بن کر نہیں۔ مگر میرا حرمین سے نہ جذباتی رشتہ ہے نہ خونی اور نہ جسمانی، پھر آپ کی توقعات پر کیسے پورا اتروں؟ کیا نکاح کے بول مجھے ساری زندگی ایک پتھر کی مورتی سے وابستہ رکھنے میں کامیاب ہوں گے؟'' اس کا دل بھر آیا۔

''کیا عورت کی زندگی میں صرف خسارہ ہی لکھا ہے، کبھی وفا کے نام پر تو کبھی نسوانیت کے نام پر، ہر شخص عورت ہی سے قربانی اور ایثار کی توقع کیوں رکھتا ہے؟ کبھی کسی مرد نے بھی عورت کے نام پر ساری زندگی گزاری ہے، پھر عورت کو ہی سزا کیوں ملے، کیا وہ انسان نہیں، اس کے جذبات و احساسات نہیں؟ کیا اس کے سینے میں دل نہیں، ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جو جذبات سے عاری اور احساسات سے خالی ہے؟'' اس کا دل بھر آیا وہ ساس کے جانے کے بعد تکیے میں منہ دے کر پڑ گئی۔ جانے کب تک ان گھور اندھیروں میں ڈوبی رہتی کہ یک بیک چونک گئی حرمین کمرے میں آ چکے تھے انہوں نے کپڑے چینج کیے دبا دبا سانس لیا پھر بستر پر جیسے ڈھیر ہو گئے، وہ تکیوں سے کھیلتی رہی پھر ہمت کر کے بولی۔

''آپ رات بھر کہاں رہتے ہیں؟'' وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئے ان کا چہرہ سرخ ہو گیا، لال ڈوروں والی آنکھیں دو خوبصورت اور بھولی بھالی آنکھوں سے الجھ کر رہ گئیں۔

''آپ کو بولنے کا حق کس نے دیا؟'' وہ بپھر کر بولے۔

''میرے خدا نے''۔ جانے آج ماورا میں اتنی ہمت کہاں سے آ گئی تھی۔

''تو پھر سوال کا جواب بھی اپنے خدا سے مانگو، میں تمہارے کسی سوال کا جواب دینے کا پابند نہیں، اپنی حد میں رہو''۔ وہ غصے سے دھاڑے۔ وہ بن کہے اٹھی اور باتھ روم میں بند ہو گئی، آنسوؤں کا ریلا بہانے کی یہی تو ایک جگہ تھی وہ باہر نکل رہی تھی تو ٹھٹھک کر رک گئی، حرمین اپنی ماں سے الجھ رہے تھے۔

''تم بہو سے اتنی درشتی سے کیوں بات کرتے ہو، سارا محلہ سنتا ہے''۔

''سنے سارا محلہ مجھے کیا، آپ بیاہ کر لائی ہیں خود ہی

بھگتیں آپ کے لیے یہ کافی نہیں کہ میں نے آپ کی خاطر شادی کرلی اور آج اسی وجہ سے وہ اس گھر میں ہے، میرا نہ اس سے آج واسطہ ہے نہ کل ہوگا، آپ جانیں اور آپ کا کام''۔ وہ دونوں چیختے پکارتے باہر نکل گئے، تب وہ کمرے میں آگئی فوراً ہی اس کی نند جو بے حد معصوم تھی اپنی گڑیا دبائے آگئی۔

''دیکھیں بھابی جان! میری گڑیا کا ہاتھ ٹوٹ گیا میری گڑیا ڈاکٹر ہے مگر اپنا علاج خود تو نہیں کرسکتی، آپ اس کا ہاتھ جوڑ دیں''۔ انعمتا کے لہجے میں اتنی مٹھاس تھی کہ ماورا کے رکے ہوئے آنسو ایک مرتبہ پھر بہہ نکلے۔

''آپ رو رہی ہیں؟'' انعمتا نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بھولپن سے پوچھا۔

''بھائی جان بہت گندے ہیں سارا دن آپ کو ڈانٹتے رہتے ہیں، میں ان سے بالکل بات نہیں کروں گی''۔ ماورا کا دل چاہا دھاڑیں مار مار کر روئے، ڈاکٹر بننا اس کا خواب تھا جس کی تکمیل کے لیے اس نے دن رات محنت کی تھی لیکن خواب کی تعبیر اتنی بھیانک نکلے گی یہ تو اس نے سوچا بھی نہ تھا۔

☆.....☆.....☆

رات جب انعمتا کی انگلی پکڑے وہ روم میں داخل ہوئی تو وہ فون پر کسی سے بات کررہا تھا، وہ دھیمے دھیمے قدم اٹھاتی ہوئی بستر کے پاس آگئی، حرمین نے گردن گھما کر دیکھا اس کے چہرے پر بیواؤں کا سا تقدس تھا، سفید لباس میں وہ آسمان سے اتری اپسرا لگ رہی تھی ان کا موڈ خراب ہوگیا۔

''بغیر اجازت میرے کمرے میں کیوں آتی ہو؟'' وہ غصے سے دھاڑے۔

''یہاں نہ آؤں تو کہاں جاؤں؟'' آنسوؤں سے رندھی آواز بلند ہوئی۔

''جہنم میں''۔ وہ تلملا کر زور سے بولے۔

''جہنم میں تو میں ہوں''۔ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی اپنی تذلیل پر آنسو آگئے۔

''بھابی! آپ رو رہی ہیں؟'' ننھی منی لاڈلی نند ہکا بکا رہ گئی۔

''بھائی جان! آپ بہت برے ہیں، میری اتنی اچھی بھابی کو سارا دن ڈانٹتے رہتے ہیں''۔ انعمتا منہ بسور کر بولی۔

''جایئے میں آپ سے نہیں بولتی''۔ انعمتا کا روٹھنا حرمین کے لیے ناقابل برداشت تھا، بہن میں اس کی جان تھی۔

''بیٹا! تمہاری بھابی سارا دن رو رو کر نحوست پھیلاتی رہتی ہے''۔ انہوں نے پیار سے کہا۔

''غلط... بالکل غلط.... بھابی آپ کے چیخنے پر روتی ہیں، آپ غصہ کرنا چھوڑ دیں بھابی رونا چھوڑ دیں گی''۔ اس کی معصومیت پر حرمین کو ہنسی آگئی اور ماورا کے لبوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ گنگا جمنی کا یہ امتزاج حرمین کو نگاہیں چرانے پر مجبور کرگیا۔

''اب جاؤ میرے سر پر سوار نہ ہو اور ہاں تمہاری امی کا فون آیا تھا، بات کرلینا''۔ وہ لاپرواہی سے بولا۔

''ہنہ.....! امی سے بات کر کے کیا کرنا ہے وہی نصیحتیں شوہر کے دل جیتنے کے آزمودہ نسخے، شوہر نہ ہوا کوئی بیماری ہوگئی جس پر نسخے آزماؤں''۔ دوپہر بجیا کا فون آگیا ساس کے بلانے پر اسے بات کرنی پڑی۔

''سسرال جا کر بالکل ہی بھول گئی ہو بے مروت''۔ ان کی آواز سے خوشی کھنک رہی تھی۔

''بہت بہت مبارک ہو ماورا! تم نے انٹر بورڈ میں سیکنڈ پوزیشن لی ہے، رزلٹ تو بعد میں آئے گا بورڈ سے فون آیا تھا تمہارے انٹرویو کے لیے، ہم نے حرمین کا

موبائل نمبر دے دیا، تم نے تو حد کی ہے تمہارے پاس اپنا موبائل نہیں؟'' بے اختیار ریسیور ماورا کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی کس قدر انتظار تھا اس کو اپنے رزلٹ کا، کیا کیا خواب نہ دیکھے تھے سب مل گئے، مٹی میں مل گئے۔

''کیا ہوا؟'' حرمین ادھر سے گزر رہے تھے، بے ساختہ پوچھ بیٹھے اور وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر بلک بلک کر رونے لگی۔

''تمہاری آنکھوں میں کیا سیلاب ہے جو خوشی ہو غم اس کا بند ٹوٹ جاتا ہے، چلو اٹھو تیار ہوجاؤ، ابھی رپورٹر آنے والے ہوں گے''۔ خلاف معمول انہوں نے نرمی سے کہا۔

''مجھے کوئی انٹرویو نہیں دینا''۔ وہ بے رحمی سے بولی۔

''پاگل نہ بانو، میں انہیں ٹائم دے چکا ہوں''۔

''کیا انٹرویو دوں گی کہ میں نے یہ پوزیشن کیوں لی، میرے عزائم کیا تھے، میرے خواب کیسے تھے اور میرے ارادے....!'' وہ ایک مرتبہ پھر بلکنے لگی۔

''جو کچھ تمہارے ارادے، عزائم اور خواب ہیں وہی بتانا، مجھے بے شک تم سے محبت نہیں لیکن انسانیت تو ہے زندگی ایک ہی بار ملتی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تم اپنے خوابوں سے دستبردار ہو اور میرا تم سے وعدہ ہے تمہاری تعلیم مکمل ہوتے ہی میں تمہیں....!''

''آپ مجھے طلاق دے دیں گے؟'' وہ جملہ مکمل کرنے سے پہلے ہی چیخ پڑی۔ اس کی ڈری سہمی ہوئی نظریں حرمین پر تھیں۔

''طلاق دینا ہوتی تو پہلے ہی دن دے دیتا، ہمارے خاندان میں یوں طلاقیں نہیں ہوتیں، ہانیہ کو بھی بھائی نے طلاق نہیں دی تھی اس نے خلع لیا تھا''۔ ان کے چہرے پر کرب تھا، پھر وہ کچھ لمحوں بعد گویا ہوئے۔

''تمہیں کلینک کھول دوں گا تاکہ تمہاری زندگی کا مقصد پورا ہو اور ادھورے خواب مکمل ہوجائیں کیونکہ یہ تو طے ہے کہ نہ میں تمہیں طلاق دوں گا نہ گھر میں بساؤں گا تم چاہو تو ہانیہ بھابی کی طرح خلع لے سکتی ہو کہ یہ تمہارا سماجی، اخلاقی اور شرعی حق ہے''۔

''میری خواہش کی تکمیل ہوجائے میرے لیے یہی بہت ہے''۔ وہ بے رخی سے بولی اور کمرے سے نکل گئی۔

☆.....☆.....☆

اس کی ساس انعمتا کے ساتھ کچھ دنوں کے لیے کسی رشتے دار کے یہاں گئی ہوئی تھیں، وہ سارا دن گھر میں تنہا بوکھلائی بوکھلائی پھرتی تھی، ان کی واپسی کا سنا تو سارا دن وہ گھر سجاتی سنوارتی رہی لیکن جوں ہی انہوں نے گھر میں قدم رکھا اور ماورا کے ایڈمیشن کا سنا انہوں نے گھر سر پر اٹھالیا۔

''اگر ڈاکٹر ہی بہولانی تھی تو حمنہ کیا بری تھی بلکہ ماورا سے زیادہ خوبصورت تھی اور پھر تمہاری پسند بھی، میں کہے دیتی ہوں حرمین! میری زندگی میں ہرگز ایسا نہیں ہوگا، وہ صادقین کو چھوڑ کر بھاگ گئی تھی، یہ ڈاکٹر بنتے ہی تجھے چھوڑ دے گی''۔

ماورا الجھ سی گئی، حرمین نے ایک مرتبہ گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا، پھر خشک لہجے میں بولے۔

''اماں! فضول قسم کی بحث سے کوئی فائدہ نہیں، ماورا کا داخلہ ہوچکا ہے اور حمنہ کا چیپٹر میں کلوز کرچکا ہوں، اس لیے پلیز میں اس کا ذکر اب نہ سنوں، رہا جانے کا سوال تو اماں! جانے والوں کو کوئی زبردستی نہیں روک سکتا''۔ وہ یہ کہہ کر باہر نکل گئے اور ماورا کی شامت ہی آگئی، اماں کا بس نہیں تھا کہ اس کو کچا چبا جائیں، ان کی محبت ایک دم نفرت میں بدل گئی تھی، اٹھتے بیٹھتے طعنے دے کر انہوں نے ماورا کا کلیجہ چھلنی کردیا تھا، البتہ انعمتا بہت خوش تھی اور حرمین

نے تو کسی بھی معاملے میں نہ بولنے کی قسم کھالی تھی، کان تو مادرا نے بھی اپنے بند کر لیے تھے اس کے لیے یہی خوشی کیا کم تھی کہ ایک انہونی ہوگئی تھی اور اس وجہ سے اس نے حرمین کی تمام زیادتیاں اور کوتاہیاں معاف کر دی تھیں بلکہ وہ تہہ دل سے اس کی مشکور بھی تھی، مادرا کو تو اب سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں تھی میڈیکل کالج کی ٹف پڑھائی اور پھر اماں کی باتیں، وہ ان کو کوئی شکایت کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی اس لیے گھر میں گھستے ہی گاؤن اتار کر کچن کی راہ لیتی، اب تو اسے میکے جانے کا بھی وقت نہیں ملتا تھا اور وہاں جا کر وہ کیا کرتی امی تو اس کے پڑھنے پر ہی سخت ناراض تھیں البتہ ابا اور بجیا بہت خوش تھے، پلک جھپکتے تین سال گزر گئے اب اس کی Nights لگ رہی تھیں اور اماں کو زہرا گلنے کا اور موقع مل رہا تھا۔

''ارے حرمین! میں کہے دے رہی ہوں راتوں کو باہر رہتی ہے، سب بہانے ہیں دیکھ لینا گل کھلائے گی کسی دن، چاند چڑھے گا تو سب دیکھیں گے عقل کے ناخن پکڑ لے، چھڑوا دے پڑھائی، سب ڈھکوسلا ہے''۔ اس وقت اس کی نند اس کی سب سے بڑی حمایتی بن جاتی۔

''اماں! بہت ہوگیا بجائے حوصلہ بڑھانے کے آپ تنقید کرتی رہتی ہیں، آپ کو نہیں معلوم لیکن بھائی جان کو تو معلوم ہے ڈاکٹرز کی رات کی ذمے داریاں بھی ہوتی ہیں، بھابی کے ڈاکٹر بننے پر سب سے زیادہ آپ ہی کو فخر ہوگا''۔

''اللہ نہ کرے ایسا برا وقت مجھ پر آئے، میں اپنے بیٹے کو بھول نہیں سکتی ایک ڈاکٹر کی محبت نے ہی اسے موت کے منہ میں پہنچایا ہے، میں اپنے دوسرے بیٹے سے ہاتھ نہیں دھونا چاہتی، میں جانتی ہوں یہ بھی نہیں ٹکنے والی، کالج میں جانے کس کس سے دوستیاں گانٹھ رکھی ہوں گی''۔ اتنا کچھ سن کر بھی مادرا کان لپیٹے اپنے کام سے کام رکھتی، اس کے سامنے زندگی کا ایک مقصد تھا اس نے کچھ بھی سوچنا چھوڑ دیا تھا ڈاکٹر بننا ہی اس کے زندہ رہنے کا جواز تھا۔

☆.....☆.....☆

حرمین ایک میڈیکل کانفرنس میں ملک سے باہر گئے ہوئے تھے، اس دن وہ گھر میں داخل ہوئی تو چیخ پکار مچی ہوئی تھی اس کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی انعمتا سیڑھیوں سے گر کر بے ہوش ہوگئی تھی اور اماں جو پہلے ہی انجائنا کی پیشنٹ تھیں بیٹی کو اس حال میں دیکھ کر ہوش و حواس کھو بیٹھی تھیں، مادرا کو دیکھ کر وہ ہسٹریک ہو کر اس کی بانہوں میں آ رہیں اس نے نوکروں کی مدد سے انہیں صوفے پر لٹایا پھر انعمتا کی طرف متوجہ ہوئی اس کے سر میں چوٹ آئی تھی، خون بہت زیادہ بہہ چکا تھا اور اس کو فوراً ٹریٹمنٹ کی ضرورت تھی، اس نے فوراً ایمبولینس کے لیے فون کیا، میڈیکل اسٹوڈنٹ ہونے کی وجہ سے دونوں کی تیمار داری اور علاج میں کوئی کسر نہ رہی، لیکن انعمتا کی حالت خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے سیریس تھی اور اس کے گروپ کا خون ہوسپٹل میں دستیاب نہیں تھا۔

''ڈاکٹر! آپ میرا خون فوراً لے لیں، O-Positive ہے اور انعمتا کو دیا جا سکتا ہے''۔ مادرا نے فوراً پیش کش کر دی۔

''ڈاکٹر مادرا! آپ خود بہت کمزور ہیں، ہم جلدی ہی انتظام کر لیں گے کوئی مسئلہ نہیں''۔

''کمال ہے ڈاکٹر صاحب! آپ تو جانتے ہیں ایک جوان آدمی خون دے سکتا ہے جو تین ماہ میں واپس آ جاتا ہے پھر میرا خون لینے میں یہ ہچکچاہٹ کیوں؟'' مادرا کے گھر سے بھی سب آ گئے تھے حرمین کی امی کو ہوش آیا تو وہ بھی منع کرنے کے باوجود انعمتا کے کمرے میں آ گئیں جہاں دوسرے بیڈ پر لیٹی مادرا اپنا خون دے رہی تھی، مادرا نے اماں کو سختی سے منع کر دیا تھا حرمین کو بتانے سے وہ ملک سے باہر تھے اتنی دور بیٹھ کر کیا کر سکتے تھے سوائے پریشان ہونے کے، پھر مادرا کے بے حد سمجھانے پر وہ گھر جانے پر راضی ہوئیں مادرا کی امی ان کے ساتھ تھیں، انعمتا کے سر پر دس ٹانکے آئے تھے اور کوئی سیریس چوٹ نہیں تھی پھر بھی جب تک وہ ہاسپٹل رہی مادرا سائے کی طرح اس کے ساتھ تھی، پھر گھر پر بھی بحیثیت ڈاکٹر اس نے ساس اور نند کا بے حد خیال رکھا، ساتھ ساتھ اس کی پڑھائی بھی جاری تھی اس محنت مشقت نے اس کو بالکل نڈھال کر دیا تھا، مگر وہ حوصلے سے اپنا فرض نبھا رہی تھی، پندرہ دن بعد حرمین آئے تو ماں بہن کو بستر پر دیکھ کر پریشان ہوگئے پھر ماں سے پہلے انعمتا، مادرا کی شان میں جو رطب اللسان ہوئی تو حرمین کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔

''سچ تو یہ ہے بیٹا! مادرا کو سمجھنے میں ہم نے غلطی کی اور ایک ناکردہ گناہ کی سزا اس کو دے دی، بھلا ہانیہ کی بے وفائی سے اس کا کیا تعلق تھا اور حمنہ سے شادی نہ کرنے میں اس کا کیا قصور؟ سچ تو یہ ہے کہ اگر وہ آج نہ ہوتی تو پتہ نہیں تمہارے پیچھے کیا ہو جاتا، اور اس کا ڈاکٹر ہونا بھی ہمارے حق میں بہتر ہوا، تمہیں پتہ ہے اس نے اپنا خون دے کر انعمتا کی جان بچائی، میں تو اپنے رویے کی بدصورتی پر اتنی شرمندہ ہوں کہ آنکھ ملا کر اس سے بات نہیں کر سکتی''۔ وہ حرمین کے گلے لگ کر ندامت کے آنسو بہانے لگیں اور حرمین سناٹے میں آ گئے وہ تو خود بھی اندر سے ٹوٹ گئے تھے، لندن کے ہائیڈ پارک میں جب شام کو وہ تنہا ہی ٹہل رہے تھے تو ایک درخت کے پیچھے سے جانی پہچانی آواز نے انہیں ٹھٹکنے پر مجبور کر دیا یہ حمنہ تھی جو اپنی کسی دوست سے ہمکلام تھی اس کی آواز نہ سنتے تو ہرگز یقین نہ کرتے، چھوٹے سے سلیولیس ٹاپ کے ساتھ اس نے گھٹنوں سے اونچی ٹائٹس پہنے ہوئے تھے اپنا نام سن کر وہ رک گئے۔

''ارے حرمین یار! چھوڑو اس کا ذکر، بے وقوف آدمی، میں تو اس کی شخصیت سے متاثر تھی، ورنہ تھا کیا اس کے پاس اگر اس کی اماں درمیان میں نہ آتیں تو میں خود اس کو چھوڑ دیتی، کہاں راجہ بھوج کہاں گنگو تیلی، میں نے تو اپنا پہلا شوہر بھی چھ مہینے میں چھوڑ دیا تھا اس کی دقیانوسیت کی وجہ سے یہاں مت جاؤ وہاں مت جاؤ، اس سے مت ملو، لباس جسم کو ڈھانپنے کے لیے پہنو، نمائش کے لیے نہیں، بھلا مجھے یہ پابندیاں اور بندشیں کہاں برداشت تھیں، فوراً خلع لے لیا اب دیکھو راؤ اکرم سے شادی کے بعد کتنی خوش ہوں اپنی مرضی سے جیتی ہوں، مرضی سے آتی جاتی ہوں مجال ہے جو چوں کرے، دم ہلاتا رہتا ہے میرے آگے''۔ وہ فخر سے بولی۔

''اور اس کی شکل دیکھی ہے؟'' دوست نے تمسخر سے کہا۔

''ارے چھوڑو شکل کو کیا چاٹنا ہے دولت مند تو ہے آنکھ بند کر کے خرچ کرتی ہوں پوچھتا تک نہیں''۔

''خیر حرمین تو ڈاکٹر تھا اور تمہیں پسند بھی کرتا تھا، پھر ڈاکٹر بن کر تم دونوں ایک اچھی متمول زندگی گزار سکتے تھے''۔

''سچ پوچھو تو مجھے کوئی ڈاکٹر بننے سے دلچسپی نہیں تھی، صرف یہ سوچ کر کہ کوئی متمول پھانس لوں گی، داخلہ لیا تھا ورنہ مجھ میں اتنا صبر کہاں تھا کہ پانچ سال محنت کر کے صبر سے گزار لیتی''۔ حرمین کو لگ رہا تھا وہ اپنے قدموں پر کھڑے نہیں رہ سکیں گے اتنے سال انہوں نے ایک سراب کے پیچھے معصوم اور بے ضرر لڑکی کی تمناؤں اور آرزوؤں کا خون کر دیا تھا کیا کیا ظلم اور زیادتیاں نہ کیں اس پر، طنز کے تیروں سے اس کا سینہ چھلنی کر دیا اور وہ حرف شکایت زبان پر نہ لائی، وہ اس کو اتنی بلندی پر محسوس کر رہے تھے کہ سر اٹھانے کی ہمت نہ تھی وہ عزم، ہمت اور تحمل کے اوج ثریا پر تھی، اور وہ پستیوں کی گہرائیوں میں خود کو ڈوبتا

محسوس کر رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

وہ ہاسپٹل میں تھی جب فروا کا خون آیا۔

''ماورا! میں گھر جا رہی ہوں اپنے، عالیان مجھے لینے آ رہے ہیں''۔ وہ خوشی سے چہچہاتی ہوئی آواز میں بولی۔

''سچ بجیا؟'' ماورا خوش ہوگئی۔

''ہاں ماورا! مجھے احساس ہوا میں غلط تھی، شادی کے بعد عورت کا اصل گھر اس کے شوہر کا ہوتا ہے، میکہ تو ایک سرائے کی جگہ ہے جہاں شادی کے بعد لڑکیاں پڑاؤ ڈال لیتی ہیں، تم جانتی ہو میرے اور عالیان کے درمیان وجہ تنازع میری ملازمت تھی میں ان تین سالوں میں اپنی مرضی سے نوکری کر کے بھی زیادہ خوش نہ رہ سکی، میری کولیگز اپنے شوہر اور بچوں کی باتیں کرتیں، روٹھنے منانے کا ذکر ہوتا اور خلوت و جلوت پر گفتگو ہوتی تو مجھے خالی پن کا احساس ہونے لگا، گھر کے در و دیوار کاٹنے کو دوڑتے، رات کروٹیں بدلتے بدلتے گزر جاتی، کسی چیز کی کمی مجھے سونے نہ دیتی، پھر وہ سب جب اپنے شوہر بچوں اور سسرال کی باتیں کرتیں تو میں سب کا منہ تکا کرتی، کیونکہ میرے پاس تو کوئی موضوع ہی نہیں تھا میں اپنی روٹین لائف سے تھک گئی تھی مگر انا اور خودداری آڑے آ رہی تھی، پھر امی کی نصیحتیں.... آہستہ آہستہ پتھر میں سوراخ کر رہی تھیں کہ اچانک عالیان کا فون آ گیا انہوں نے دل بڑا کر کے مجھے ملازمت جاری رکھنے کی اجازت دے دی اور یقین کرو ان کے صرف کہنے سے میری نظروں میں میری ملازمت کی کوئی اہمیت نہیں رہی، پتہ نہیں مرد عورت کو جھکانے میں کیا خوشی محسوس کرتا ہے، عالیان کی ضد اور تحکمانہ انداز نے مجھے انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کیا، انہوں نے مجھے سمجھانے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ بہ حیثیت شوہر حکم دیا تھا، وہ کیا جانے عورت صرف عزت، پیار اور محبت کی بھوکی ہوتی ہے، اگر وہ پیار سے کہتے تو میں خود ملازمت چھوڑ دیتی۔ مگر انہوں نے تو اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا تھا اور پھر مجھے بھی ضد ہوگئی، ایک دوسرے کی دوری نے ہمیں سوچنے سمجھنے کا موقع دیا اور اب میں جا رہی ہوں''۔ ماورا نے خلوص دل سے ڈھیر ساری نیک تمناؤں اور خوشیوں کا اظہار کیا، گھر آئی تو آج خلاف توقع حرمین گھر میں ہی موجود تھے، کھانا سب نے ساتھ مل کر کھایا پھر وہ کمرے میں آئی تو اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا، رات کے 10 بج رہے تھے اور حرمین خلاف معمول کمرے میں تھے، کمرہ خوشبوؤں سے مہک رہا تھا، ماورا کو ان کی موجودگی سے الجھن ہو رہی تھی، تین سال سے وہ اپنے بستر پر تنہا سو رہی تھی، آج اس پر حرمین کا قبضہ تھا، اس نے تکیہ اٹھا کر صوفے پر جانا چاہا تو اس کا ہاتھ حرمین کے قبضے میں آ گیا اور وہ دوسرے جھٹکے میں اس کے سینے پر۔

''میں جانتا ہوں میں بہت کم ظرف ہوں، تم سے کہنے کو میرے پاس وہ الفاظ ہی نہیں جن سے میں تم سے معافی مانگ سکوں، مگر مجھے یقین ہے تمہارا دل بڑا ہے عورت کے دل میں بڑی گنجائش ہوتی ہے بڑی وسعت ہوتی ہے، تم مجھے معاف کر دو گی''۔

''معاف....؟'' اس نے جھٹکے سے اس کی بانہوں سے خود کو آزاد کرا لیا۔

''کس بات کی معافی؟ آپ نے کیا ہی کیا ہے؟'' اس کا لہجہ خود بخود طنزیہ ہوگیا۔

''دیکھو میں جانتا ہوں تم مجھ سے ناراض ہو اور تمہاری ناراضی بجا ہے مگر میں اپنے کیے پر نادم ہوں، اور کسی بھی انسان کے لیے احساس گناہ ہی سب سے بڑی سزا ہے، تم مجھے سزا مت دو، میں خود اپنی نظروں میں اتنا گر چکا ہوں کہ اگر تم نے معاف نہیں کیا تو شاید ضمیر کے ہاتھوں میں زندہ ہی ختم ہو جاؤں، میرے لیے یہ احساس ہی بہت ہے کہ

میں نے تمہیں ناکردہ گناہوں کی سزا دی''۔

''آپ تو اپنے احساس گناہ سے اب ختم ہوں گے، مگر میں جو تین سال سے مر رہی ہوں اس کا حساب کون دے گا؟'' وہ بری طرح غرائی۔

''مجھے تو اپنے مقصد نے زندہ رکھا ہے ورنہ میں تو اندر سے کب کی مر چکی ہوں یہ تو ایک زندہ لاش ہے جسے میں اپنے ہی کاندھوں پر لیے گھوم رہی ہوں''۔ وہ دکھ سے کراہی۔

''میں تمہارے سب دکھ بانٹ لوں گا تمہاری زندگی کو خوشیوں سے بھر دوں گا، مجھے صرف ایک موقع دے دو ماورا'' وہ بری طرح گڑگڑائے اور ماورا کے سر سے پیر تک آگ لگ گئی۔

''آپ مرد کتنے کم ظرف ہوتے ہیں''۔ وہ نفرت سے بولی۔

''جب دل چاہا دھتکار دیا، جب دل چاہا سینے سے لگا لیا، عورت نہ ہوئی چابی کی گڑیا یا مٹی کا مادھو ہوگئی، آپ مجھے وہ وقت، وہ سال، وہ گھڑیاں اور وہ ساعتیں لوٹا دیں جو میں نے اس گھر میں تن تنہا گزاری ہیں کیا کچھ نہیں سہا اور کیا کچھ نہیں برداشت کیا، اٹھتے بیٹھتے ہر آنے جانے والے کے سامنے مجھے ''بانجھ'' کہا گیا میں کیا کہتی میں تو ''کنواری بانجھ'' تھی۔ آپ نے کبھی سوچا ہے ایک لڑکی اپنا سب کچھ چھوڑ کر ہنسی خوشی ایک نئے گھر میں کس امید پر آتی ہے؟ کہ اسے عزت، مان، چاہت اور محبت ملے گی اور مجھے کیا ملا؟ اور اب اس مقام پر آ کر مجھے اپنی انا، اپنی خودداری اپنی عزت عزیز ہے، مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہیے آپ حمنہ کی یادوں کو سینے سے لگا کر زندہ رہیں اور میں ڈاکٹر بن کر انسانیت کی خدمت کر کے زندگی گزار لوں گی، میرے زندہ رہنے کا یہی ایک مقصد ہے''۔ وہ کہتے کہتے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''میں مانتا ہوں میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی، تمہارے ارمانوں کا خون کیا، میں بہت برا انسان ہوں، مگر ایک فیور تو تم مجھے دو گی، دیکھو شادی تو تمہارے ماں باپ نے اپنی مرضی سے کی تھی، مگر سب کی مخالفت مول لے کر میں نے تمہاری خواہش کی تکمیل کی، یہ میں احسان نہیں جتا رہا لیکن اپنی معافی کے لیے تھوڑی سی تمہاری معاونت ضرور چاہ رہا ہوں، تم صرف یہ سوچ کر مجھے معاف کر دو کہ اپنی تمام تر زیادتیوں کے باوجود میں نے تمہیں تمہاری منزل پر پہنچنے میں مدد دی''۔ حرمین سنجیدگی سے بولے۔

''میں مانتی ہوں اور اس کے لیے تاعمر آپ کی احسان مند رہوں گی اور میں نہ کم ظرف ہوں اور نہ احسان فراموش اس لیے آپ کو معاف کرتی ہوں کہ عورت کا تو ضمیر ہی محبت اور ایثار و قربانی سے بنا ہے، لیکن میرا دل کب آپ کی طرف سے صاف ہوتا ہے اس کی میں گارنٹی نہیں دے سکتی''۔ یہ کہتے ہوئے ماورا کمرے سے باہر نکل گئی اور حرمین سوچ میں ڈوب گئے۔

''آج نہیں تو کل میری بے لوث محبت اور وفاداری پر تمہیں یقین آ ہی جائے گا اب تک تم نے انتظار کیا، اب میں تمہاری واپسی کا انتظار کروں گا اور مجھے یقین ہے میرا یہ انتظار رائیگاں نہیں جائے گا اور میری محبت تمہارے دل میں میری چاہت کا دیا روشن کر دے گی، لیکن تمہاری نفرت کے پیچھے چھپی محبت کو میں محسوس کر سکتا ہوں، کیونکہ اللہ نے اتنا اعلیٰ مقام اور ظرف صرف عورت کو ہی دیا ہے دنیا میں حمنہ اور ہانیہ جیسی عورتیں نہیں تم جیسی پروقار، اعلیٰ ظرف اور خوددار عورتیں بھی ہیں، ایک نام پر ساری عمر گزارنے والی وفا شعار اور وفادار، تم ضرور ایک دن میری طرف لوٹ آؤ گی مجھے یقین ہے''۔

☆.....☆.....☆

کائنات غزل

افسانہ

آئینے میں عکس

''اُف... کس قدر برا لگ رہا ہے یہ شخص''۔ حیا نے ...ے کی اوٹ سے اس کھلنڈرے نوجوان کو دیکھا، آف ...ائٹ شرٹ جینز الٹی کیپ اور سن گلاسز آنکھوں کی جگہ کیپ ...کائے مسلسل بائیک پر بیٹھا کسی گانے کی دھن پر سیٹی بجا رہا ...تھا، حیا واپس کرسی پر آ بیٹھی، ایک گہرا سانس لے کر لاشعوری ...طور پر اس نوجوان کو سوچ گئی، اس قدر گرمی میں بھی موسم ...سے بے نیاز شخص۔

''اُف ماما! کاش آپ مجھ پر یہ ظلم نہ کرتیں''۔ بے اختیار ہی حیا علی اپنی ماما کو پکار بیٹھی۔

''تو آج میں بھی زندگی کو انجوائے کرتی اور یہ نکے نکے کی نوکری نہ کرتی''۔

''میڈم! آپ کو سر بلا رہے ہیں''۔ اچانک ہی چوکیدار نے دروازے سے سر نکال کر جھانکا۔ سامنے گھڑی پر نظر گئی تو وقت کا احساس ہوا، کتنے لمحے ضائع کر بیٹھی، صرف یادوں میں، حالانکہ ابھی اسے کچھ ٹیوشنز بھی پڑھانے جانا تھا، اور ...آفس کی چھٹی کا وقت ہو گیا تھا، فوراً پرس لٹکا کر کھڑی ...ہوئی، دوپٹے کو سر پر جمایا اور ایم ڈی روم کی طرف قدم بڑھا ...دیئے۔

☆.....☆.....☆

حیا علی صرف اپنے نام کی حیا نہ تھی، بلکہ مکمل حیا کا پیکر تھی، مگر نہ جانے اس میں اتنی ہمت کہاں سے آ گئی تھی کہ وہ اپنے ماں باپ کو چھوڑ آئی بلکہ وہ شہر چھوڑ آئی۔

عمران علی ملک کے نام ور بزنس مین شمار ہوتے تھے، ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو پتھر کو بھی سونا بنانا جانتے تھے۔ ان کی صرف اکلوتی بیٹی حیا علی تھی، ان کی شریک حیات ...تنا کی ہم پلہ زویا ملک تھیں اور سوشل ورک میں ایک ...مقام رکھتی تھیں۔

عمران علی اور زویا ملک کی شادی ایک سمجھوتہ تھی، اور وہ سمجھوتہ حیا علی کی من موہنی صورت تھی، عمران علی ماڈ ہونے ...کے باوجود زویا ملک کو مکمل گھریلو روپ میں دیکھنا چاہتے ...تھے، لیکن زویا ملک چار بھائیوں کی اکلوتی بگڑی ہوئی بہن ...تھیں، انہیں شوہر کی یہ روک ٹوک بالکل پسند نہ تھی، لہٰذا دونوں اپنی اپنی مرضی کی زندگی گزار رہے تھے۔

دونوں ہی کو حیا علی سے بے تحاشہ پیار تھا، اور اگر دونوں ایک کمرے میں سوتے بھی تھے، تو صرف حیا ہی کی وجہ سے۔

''حیا تمہارے ماما پاپا تو آئیڈیل کپل ہیں، ورنہ ہمارے سرکل میں تو کہاں اولاد کو توجہ دیتے ہیں''۔ حیا کی دوست آمنہ نے حیا کے جلدی گھر جانے کی وجہ بتانے پر حسرت سے کہا۔

آج حیا کی برتھ ڈے تھی اور حیا کے والدین صرف برتھ ڈے پر ہی چند گھنٹے نکال پاتے، ورنہ تو حیا بھی ان ہی کی طرح گھر میں کم ٹکتی تھی، لیکن اس دن حیا کی برتھ ڈے منانے Mela گئے، وہاں ہوا تو کچھ بھی نہ تھا، بس ماما کے جاننے والے کوئی انکل بھی آئے ہوئے تھے۔ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ ان کی ٹیبل تک چلے آئے۔

''ہیلو ایوری باڈی! کیسی ہیں مسز زویا؟ ہیلو سر!'' ماما کے بعد انہوں نے پاپا سے سلام دعا کی۔

''یہ فراز لغاری ہیں''۔ ماما نے تعارف کرایا۔

''اور میں ان کا فرزند حسیب لغاری''۔ حسیب لغاری نے گردن جھکا کے حیا کو اپنی نظروں میں لیتے ہوئے کہا۔ حیا بے بی پنک اے لائن پیروں تک کی فراک اور چوڑی دار پاجامے اور بڑے سے دوپٹے میں کوئی مغلیہ شہزادی لگ رہی تھی۔ حیا اپنی جگہ سمٹ سی گئی۔ فراز لغاری ہیلو ہائے کر کے چلے گئے، حیا نے بہت خوشی سے ڈنر کیا، آج کا دن اس کے لیے یادگار تھا۔

وہ گاڑی سے اتر کر سیدھی اپنے کمرے میں آ گئی، تھکن سے برا حال تھا، لیکن آمنہ کو ساری روداد سنائے بغیر چین کہاں آنا تھا۔ فون کا ریسیور اٹھایا تو کنکشن نکلا ہوا تھا، غصے میں برا حال... تیزی سے سیڑھیاں اترتی ہوئی لاؤنج میں آئی، تو ماما کے کمرے سے زور زور سے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ حیا نے اپنی 19 سالہ زندگی میں اپنی ماں کو اونچی آواز سے بات کرتے نہ سنا تھا، کجا کہ وہ آج بری طرح چیخ رہی تھیں، وہ کمرے تک پہنچی لاک کھولنے ہی لگی تھی کہ پاپا کی دھاڑ نے اس کے قدم جکڑ لیے۔

''زویا ملک! شادی صرف سمجھوتے پر گزر رہی تھی، مگر تم کو صرف اور صرف اپنی ذات سے پیار ہے، آج تک میں نے مکمل طور پر یہی محسوس کیا ہے، وہ حیا ہے، مکمل حیا کا پیکر، وہ تم جیسی ماں کی اولاد نہیں ہوسکتی، جو کام مجھے بہت پہلے کرلینا چاہیے تھا، وہ آج میں کردیتا ہوں، زویا ملک میں بقائمی ہوش وحواس تمہیں طلاق...!''

''پاپا...!'' سرخ آنکھیں لیے حیا دھاڑ سے دروازہ کھول کے کمرے کے بیچ ایستادہ تھی، ماما اس کے پاس تیزی سے اٹھ کے آئیں ایک، دو، تین لگاتار اس کے منہ پر تھپڑ مارتی رہیں۔

''تم کون ہوتی ہو مجھے آزاد کرانے سے روکنے والی؟'' پاپا نے آکر انہیں دھکا دیا، ورنہ نازک سی حیا تو شاید گر ہی جاتی۔ پھر صبح کو وہ نکلی تو اسی طرح یونیورسٹی جانے کے لیے تھی، مگر ایئرپورٹ پہنچ کر اسلام آباد فلائی کرگئی۔

یہ بات حیا کے لیے افسوس ناک تھی کہ اس کے ماما پاپا ایک دوسرے سے محبت نہیں کرتے، بلکہ محض سمجھوتے پر زندگی گزار رہے ہیں۔

''مجھے نہیں معلوم تھا، میرے ماما پاپا تو بیسٹ کپل تھے نہ جانے اس دن کیا بات ہوئی جو ماما، پاپا کی لڑائی کا سبب بنی''۔ ہاں آج اس کو ماما پاپا کے درمیان سرد تعلق یاد آرہا تھا، بلکہ سب کچھ یاد آرہا تھا، کیونکہ آج حیا علی کی برتھ ڈے تھی، نہ جانے کتنے آنسو تکیے میں جذب ہوگئے، وہ سوچتے سوچتے سو بھی گئی۔

☆.....☆.....☆

''اوہ....خدایا! ساڑھے سات بج گئے، اور آٹھ بجے تک آفس ہر حال میں پہنچنا تھا''۔ کل ہی تو ایم ڈی صاحب نے اس سے کہا تھا۔

''مس حیا علی! آپ نے اگر اسی طرح گم صم ہوکر کام جاری رکھنا ہے تو معذرت کے ساتھ آپ یہ جاب چھوڑ سکتی ہیں''۔ اور آج پھر دیر ہوگئی تھی، ابھی اسے ناشتہ بھی کرنا تھا، کپڑے بدلنے تھے، وہ تو شکر تھا کہ آفس کی طرف سے پک اینڈ ڈراپ کی سہولت موجود تھی۔

''عمران علی آپ کے والد ہوتے ہیں؟'' ایم ڈی کے اچانک سوال پر حیا علی اے سی کی موجودگی میں بھی پسینے میں نہا گئی۔

''جی سر!'' حیا سر جھکا کر صرف اتنا ہی کہہ سکی۔

''انہیں ہارٹ اٹیک ہوا ہے، مس زویا ملک نے آپ کو انفارم کرنے کا کہا ہے اور یہ کہ آپ کے پاپا آپ کو مس کر رہے ہیں، کچھ روز پہلے بھی زویا ملک فون پر آپ کا پوچھ رہی تھیں، مگر انہوں نے آپ کو بتانے سے منع کیا تھا، آر یو او کے مس علی؟'' ایم ڈی نے اس کی سفید پڑتی رنگت کو دیکھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

''Yes i am ok Sir!''

''اگر آپ ہاسپٹل جانا چاہتی ہیں تو گاڑی آپ کو چھوڑ دے گی''۔ ایم ڈی کو حیا سے ہمدردی محسوس ہوئی۔

''No Sir! i feel better'' حیا نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا اور باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

☆.....☆.....☆

''السلام علیکم سر! حیا نے ایم ڈی روم میں داخل ہوتے ہوئے سلام کیا۔

''آیئے مس حیا علی! آج پھر آپ دیر سے آئی ہیں''۔

''سر! میں ریزائن کرنا چاہتی ہوں''۔ حیا نے ایم ڈی کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''میں آپ کی اس بات کا کیا مطلب سمجھوں مس حیا؟''

''سر! میں یہ جاب چھوڑنا چاہتی ہوں''۔ حیا نے جامد کر ایک ایک لفظ ادا کیا۔

''آپ جانتی ہیں مس حیا! کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں ایگریمنٹ کے مطابق ابھی آپ کو تقریباً چار مہینے یہ جاب کرنی ہے''۔ ایم ڈی نے اپنی سیٹ سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''اوکے سر! پھر آپ میرا ٹرانسفر کردیں''۔ حیا نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''ہاں یہ ہوسکتا ہے، لیکن اس بات کا دھیان رہے گا کہ ہیں کراچی کے جو ایم ڈی ہیں بلکہ اس پورے ادارے کے مالک بھی ہیں اور آپ کے یہ نخرے وہاں نہیں چل سکتے''۔ ایم ڈی نے بتایا۔

''اٹس اوکے، میں پرسوں کراچی فلائی کررہی ہوں، اور مجھے آج سے ایک ہفتے کی چھٹیاں چاہئیں''۔

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، اب آپ جاسکتی ہیں، میں بات کرلیتا ہوں اور ہاں...!'' کمرے سے نکلتی حیا کے قدم رکے۔

''آپ اپلیکیشن دیتی جائیں''۔ حیا نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

☆.....☆.....☆

''تو کہانی ختم ہوئی، پھر چلیں اپیا! میں آپ کو سسرائیل بھ سسرال چھوڑ آؤں''۔ بہزاد احمد نے قریب بیٹھے کاشان کو ترچھی نظر سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اے...تمیز سے، مابدولت اپیا بھابی کے دیور تشریف رکھتے ہیں''۔ کاشان نے استحقاق جمایا۔

''اور ویسے بھی وہ میرا سسرال بعد میں ہے، ماموں کا گھر پہلے''۔ اپیا نے دونوں شیطانوں کو محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں بھئی! وہ مثال تو سنی ہوگی آ....!'' بہزاد احمد نے کاشان کی گدی پر ایک لگاتے ہوئے کہا۔

''جبران، شیکسپیئر...ہمیں تیری مثالیں نہیں سننی ہیں''۔ کاشان اپنی گدی کی شامت پر بلبلا اٹھا اور تینوں کے قہقہے لاؤنج میں گونجنے لگے۔

☆.....☆.....☆

حیا کے بارے میں، حیا کے جانے کے بعد عمران علی نے ساری معلومات حاصل کرلیں اور اپنے ایک قریبی دوست جمشید خان سے حیا کا خاص خیال رکھنے کی ہدایت کردی۔ زویا ملک کو حیا کے بارے میں بے خبر رکھا، وہ سوشل ورک چھوڑ کر جائے نماز سنبھالے بیٹھیں حیا کی سلامتی کی دعائیں کرتی رہتیں، انہوں نے عمران علی سے معافی بھی مانگی تھی۔

تیزی سے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بہزاد احمد ناگواری کے تیور لیے دروازے کے پاس ہی رک گیا۔

''آؤ یار! اسلام آباد کے کینو نوش فرماؤ''۔ ارسلان (اپیا کے چھوٹے دیور) نے بہزاد کو دعوت دی، جسے بہزاد نے سختی سے رد کرتے ہوئے کاشان کی بائیک کی چابی مانگی اور چابی لے کر اسی تیزی سے باہر نکل گیا۔ کاشان اور ارسلان کو معلوم تھا کہ وہ اس طرح کی حرکتوں پر ایسا ہی بی ہیو کرتا ہے۔

عمران علی کو بھی اپنی غلطیوں کا احساس اسی وقت ہوا جب زویا ملک نے اپنی غلطیوں پر معافی مانگی اور اس احساس کی وجہ سے ان کے بائیں جانب دل میں درد محسوس ہوا۔

کراچی ایئرپورٹ پر اترتے ہی حیا علی کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

''اب پتا نہیں ماما اور پاپا...!'' بس اس سے زیادہ حیا سے سوچا نہ گیا۔ ٹیکسی روک کر بیٹھی اور پتہ سمجھانے لگی۔

ہاسپٹل کے کوریڈور سے دوائیاں ہاتھ میں لیے بھاگنے کے انداز میں تیز چلتی ہوئی زویا ملک کسی سے زور سے ٹکرائیں اور گرتے گرتے مانوس خوشبو کو محسوس کرکے سیدھی ہوئیں تو حیا کو اپنے سامنے پاکر اپنی چیخوں پر اختیار نہ رکھ سکیں اور حیا کو بے تابانہ چومنے لگیں۔

عمران علی ڈسچارج ہوکر گھر آگئے، زویا ملک دل وجان سے اپنے شوہر کی خدمتوں میں لگ گئیں، عمران علی کے صحت یاب ہوتے ہی گھر میں جیسے رونق سی لگ گئی۔ حیا کے ننھیالی، ددھیالی کزنز سب نے دھما چوکڑی ڈال دی۔ گھر میں اتنی رونق ہوگئی کہ حیا کا آفس جانے کا دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ ابرار نے ازراہ مذاق حیا سے کہا۔

''جی ہاں آپ لوگوں کی وجہ سے ہی تو گھر میں دل لگ رہا ہے''۔ حیا نے سینڈل کا اسٹریپ لگاتے ہوئے کہا اور سب کو بائے بائے کرتی ہوئی چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

''اوہ میرے خدا! یہ مصیبت بھی اتنی شدید سردی میں

آنی تھی''۔ حیا نے دونوں ہاتھ آپس میں ملتے ہوئے باآواز بلند کہا، گاڑی کا ٹائر بیچ سڑک پر پنکچر ہوگیا تھا، یہی شکر تھا کہ آفس سے واپسی پر ہوا تھا۔

''ورنہ تو اصل مالک آفس کے واپس آگئے اور اتنے سخت مزاج کہ توبہ توبہ''۔ حیا نے خود سے باتیں کرتے ہوئے جھرجھری لی۔

''مگر اب کیا کروں؟'' ایک سوالیہ نشان اس کے سامنے تھا۔

''ہیلو...ہیلو...ہیلو مس!'' کاشان گاڑی کا شیشہ نیچے گرائے اسے آوازیں دے رہا تھا۔ حیا نے چونک کر دیکھا پھر سنبھل کے بولی۔

''جی فرمایئے!''

''یعنی میں بے وقوف ہوں، جو اتنی دیر سے آپ کی مدد کا سوچ کر آپ کو مخاطب کر رہا ہوں اور آپ ہیں کہ مجھے ڈانٹ رہی ہیں؟'' حیا ہونقوں کی طرح منہ کھولے اسے دیکھ رہی تھی کہ ساتھ بیٹھی لڑکی فرنٹ سیٹ سے اتر کے آئی۔

''السلام علیکم! ہم کافی دیر سے آپ کو پریشان دیکھ رہے ہیں، اس لیے اصل میں یہ ہے نا بدتمیز ہے، آپ برا مت مانیئے گا، ہم نے آپ کی مدد کا سوچا''۔ حمنہ نے اس کامنی سی لڑکی کو دیکھ کر کہا، جو گرے اے لائن قمیض کے اوپر گرے ہی جیکٹ اور سر پر بلیک اسکارف پہنے کھڑی تھی۔

''ارے، ارے اپیا بھابی! کیا کر رہی ہیں آپ؟ یہ محترمہ آپ کو بھی ڈانٹ دیں گی''۔ کاشان کو پاس کھڑی پریشان پریشان سی لڑکی کو تنگ کرنے میں مزہ آرہا تھا۔

''دیکھیں! میں نے آپ کو نہیں ڈانٹا، آپ فضول میں....!''

''آپ اس کی باتوں میں نہیں آیئے گا، چلو کاشان! گاڑی سے نکلو اور ان کی گاڑی میں پیچھے پڑا ٹائر نکالو''۔ حمنہ نے بیک وقت دونوں کو مخاطب کیا۔ ٹائر بدل کے کاشان سیدھا ہوا اور کہنے لگا۔

''آج آپ کسی کی کینو سے تواضع کریں گی یا آپ بھی ہماری ہی پارٹی کی ہیں؟'' کاشان نے ڈگی میں پڑے ڈھیر سارے کینو دیکھ کر کہا۔

''نہیں اصل میں آج میری جاب ختم ہوئی ہے ہاں نا وہ اس لیے''۔ حیا نے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔

''واہ جی واہ! لوگ جاب ختم ہونے کی خوشی میں ٹریٹ دینے کا ارادہ رکھتے ہیں، خیر.... ہمیں اس سے کیا''۔ کاشان ہاتھ جھاڑتا ہوا اپنی گاڑی میں بیٹھا اور فٹ سے گاڑی اسٹارٹ کردی اور حیا کو شکریہ کا موقع بھی نہ دیا۔ حیا گھر پہنچی تو معلوم ہوا کہ ساری پارٹی پھپھو کے گھر روانہ ہوچکی تھی، تو وہ شکر ادا کرتی سارے کینو لے کر چھت پر آگئی۔

رات بستر پر لیٹ کر حیا کی آنکھوں میں آج کا سارا دن گھوم گیا، کاشان کی باتیں یاد آئیں تو لب خود بخود مسکرانے لگے، لیکن ابھی اسی سوچ میں تھی کہ ایم ڈی یاد آگئے۔

''ہاں! اچھے تو تھے پر کہیں دیکھا ہوا لگ رہا ہے اور... روڈ بھی بہت تھے''۔ یہی سوچتے سوچتے وہ سوگئی۔

☆.....☆.....☆

''قسم سے بہزاد! آج ہم تمہارے لیے جب لڑکی دیکھنے جارہے تھے تو ہمیں بالکل آئیڈیل لڑکی مل گئی''۔ حمنہ نے ڈرامائی انداز سے بہزاد کو بتایا۔ کیونکہ پرسوں ہی یہ لوگ اسلام آباد سے آئے تھے صرف بہزاد کے لیے لڑکی دیکھنے۔ حمنہ اپیا اور کاشان کو واپس جانا تھا، جبکہ بہزاد نے دوبارہ آفس جوائن کرلیا تھا۔

''بہزاد! تم نے ایسی لڑکی کبھی نہیں دیکھی ہوگی، یک وقت حیا بھی اور اعتماد بھی''۔

''دیکھی تو...!'' اچانک ہی بہزاد احمد کی آنکھوں میں سے آفس کا منظر گھوم گیا، جب وہ نئی آنے والی کولیگ کو ٹرین کر رہا تھا اور آخر میں اس نے اپنا اگریمنٹ پورا ہوجانے کا بتایا تو بہزاد تقریباً اس پر چیخ پڑا، جس کا اسے اثر نظر نہیں آیا۔

''نہیں ہے''۔ بہزاد مزید کچھ کہتے کہتے رک گیا اور حمنہ نے اپنا رکا ہوا سانس بحال کیا۔

''ٹھیک ہے بہزاد! ہم بات چلاتے ہیں''۔

☆.....☆.....☆

حیا علی سے حیا بہزاد بننے کا کٹھن سفر طے کرکے وہ احمد ولا میں آگئی، وہاں سب بہت اچھے تھے، بہت خیال رکھنے والے، لیکن بہزاد احمد کا رویہ بعض اوقات اسے بہت تکلیف دیتا، وہ اسے جتنا تراشتی، ہر بار الگ رنگ میں پاتی، اسے پیار چاہیے ہوتا تو بہزاد کی آنکھیں اس قدر سرد ہونے لگتیں کہ حیا کو لگتا کہ اس نے زیادہ دیر بہزاد کو دیکھا تو ٹھٹھر جائے گی۔

''ماشاءاللہ! آج تو کافی شوخ کپڑوں میں کافی شوخ لگ رہی تھیں آپ''۔ بہزاد کی آواز سے اس کے جذبات لو دینے لگے۔ حیا آئینے کے سامنے بیٹھی اپنا زیور اتار رہی تھی، ابھی یہ لوگ کاشان کے ابٹن سے واپس آئے تھے، لیکن حیا نے جیسے ہی ڈریسنگ کے شیشے میں دیکھا، بیڈ پہ تکیے سے ٹیک لگائے بہزاد کی آنکھوں میں اتنا سرد تاثر دیکھ کر وہیں جم گئی۔ ورنہ تو وہ خود ہی حیران ہورہی تھی کہ آج اس کی تعریف ہورہی ہے، مگر وہاں تو شاید ایسا کوئی جذبہ ہی نہ تھا۔

☆.....☆.....☆

بہزاد کو شوخ رنگ پسند نہیں تھے، حیا نے پہننے چھوڑ دیئے، سارے کپڑے کام والی کو دے دیئے، بہزاد کو ادھم مچانی پسند نہیں تھی، حیا نے ہنسنا بھی چھوڑ دیا، بہزاد کو آم اور کینو اور گند پھیلانے والے پھل اور اسی قسم کی چیزیں پسند نہیں تھیں، حیا ہاتھ نہ لگاتی، بہزاد کو میکے جانا پسند نہیں تھا، حیا ماں باپ کے گھر کو بھول گئی اور اب تو بہزاد ''احمد ولا'' چھوڑ کر ''بہزاد احمد'' کی تختی والے گھر میں لے آیا جو کہ بہت بڑا تھا، مکان بھی تھا، مگر وہاں نہ لوگ تھے نہ قہقہے تھے، حیا نے کچھ بھی کہا، حیا سرتاپا بہزاد کے رنگ میں ڈھل گئی، وہ مسکراتا تو مسکراتی ورنہ دونوں نہ مسکراتی، حیا نے مکان کو گھر بنانے میں کسر نہ چھوڑی، حیا کو بھی گھر کاٹنے کو دوڑتا، لیکن بہزاد کا رویہ کبھی کوئی شکوہ بھی نہ کرنے دیتا۔ اس ماحول میں حیا جیسی خواب خوابوں اور رنگوں سے گندھی لڑکی نفسیاتی مریض بنتی جارہی تھی، لیکن بہزاد کو صرف اپنے کام سے کام ہوتا اور حیا کو یاد آرہا تھا کہ وہ ماما پاپا سے روٹھ کر اسلام آباد چلی گئی تھی، ہاں اس نے بہزاد کو آفس کی کھڑکی میں سے دیکھا تھا۔ اسے کیا خبر تھی کہ باہر سے نرم نظر آنے والا شخص اندر سے اتنا ہی کٹھور ہوگا۔

آفس میں لاسٹ ڈے بہزاد کو پھر دیکھا اور ایم ڈی کے روپ میں بہت بھایا تھا، لیکن بہزاد کے مس بی ہیو کی وجہ سے دل میں گالیوں سے نوازا تھا، مگر آہ.... کیا خبر تھی کہ یہی شخص اس کا نصیب بن کر توہین کرے گا۔ دو گرم آنسو حیا کی آنکھ سے نکل کر تکیے میں جذب ہوگئے، وہ حیا جو ماں کے ایک تھپڑ پر گھر چھوڑ بیٹھی تھی، آج بالکل محتاج تھی۔

☆.....☆.....☆

مانوس سی آواز پر جوں ہی آنکھ کھلی تو زخم پھر سے ادھڑ گئے۔

''ماما!'' حیا کے لب وا ہوئے۔

''ماما کی جان! ماں کو بالکل بھول بیٹھی ہو، فون تک نہیں کرتی ہو''۔ زویا ملک نے محبت سے حیا کے بال سمیٹے۔

''بس ماما! فرصت ہی نہیں ملتی''۔ حیا نظریں چراتے ہوئے بولی۔

''بس اب میں تمہیں لینے آئی ہوں، کوئی نخرہ نہیں چلے گا، اٹھو شاباش چینج کرو، اور دو تین سوٹ رکھ لو، میں نے بہزاد سے بھی اجازت لے لی، جلدی میں تھا آفس جارہا تھا گیٹ پر ہی ملاقات ہوگئی، بہت مصروف ہوگیا ہے بچہ''۔ ماما نے بات کے اختتام پر سانس لیا۔

''بچہ...؟'' حیا زیر لب بڑبڑائی۔

''بچہ ہے، جبھی تو بچوں کا شوق نہیں''۔ حیا نے گہری سانس لی اور واش روم چل دی۔

☆.....☆.....☆

''ارے واہ! آج تو بڑے بڑے لوگ آئے ہیں''۔ بابر بھائی کے ساتھ رمشہ بھی حیا کے انتظار میں تھی، حیا کو یوں محسوس ہوا وہ اپنے گھر سے نہیں بلکہ کسی قید سے آزاد ہوکر آئی ہے۔

''کاش... ماما! میں آپ کو بتا سکتی کہ آپ اور ڈیڈ کی طرح بہزاد اور میرے درمیان میں نہ سمجھوتہ ہے نہ اولاد، بس ایک نامعلوم سی زنجیر ہے شاید''۔ دو آنسو حیا کی آنکھوں سے

نکل کر رخسار پر لڑھک آئے، حیا نے بچپن میں اپنی پھوپھی کا دودھ پیا تھا، لہٰذا بابر بھائی، حیا کے رضائی بھائی تھے وہ حیا کا سگی بہنوں سے زیادہ خیال رکھتے تھے، اتنی محبتوں کے درمیان حیا کو اپنا آپ معتبر محسوس ہونے لگا۔

''حیا! تم بہزاد بھائی کے ساتھ خوش نہیں ہو کیا؟ یا تمہیں یہاں آنا اچھا نہیں لگ رہا، جب سے آئی ہو کھوئی کھوئی سی ہو''۔ رمشہ نے رات کو بستر پر لیٹتے ہوئے سوال کیا۔

''ارے پاگل ہوگئی ہو، تم سے مل کر کوئی نہ خوش ہو سکتا ہے؟'' حیا نے گول مول سا جواب دیا۔

☆.....☆.....☆

والدین کے گھر آئے ہوئے اسے ایک ہفتہ ہوگیا اور پتہ بھی نہ چلا، پاپا بھی اپنی ساری مصروفیات چھوڑ کر اس کے ساتھ لگے ہوئے تھے، بابر بھائی تو آئے ہی چھٹیوں پر تھے اور رمشہ کو تو حیا سے ملنے کا بہانہ چاہیے ہوتا تھا، اتوار کی صبح تقریباً دس بجے رمشہ اور حیا ناشتے سے فارغ ہو کر لان میں آ بیٹھے۔

''حیا آؤ گھاس پر بیٹھیں، یاد ہے ہم کتنے لطیفے پہیلیاں، کیا کیا باتیں کرتے تھے''۔ رمشہ پاؤں سے جوگرز اتارتے ہوئے بولی۔

''ہاں...!'' حیا کو بھی مانی نے آ گھیرا، اور وہ جوگرز سمیت ہی نیچے بیٹھ گئی۔

''ہیلو سسٹرز! کیا ہو رہا ہے؟'' بابر بھائی نے بیرونی گیٹ سے داخل ہوتے ہوئے ان کی باتوں میں انٹری دی۔

''ہم لطیفے سنا رہے تھے''۔ رمشہ نے جواب دیا۔

''اچھا ٹھہرو، سردیوں میں خالی ہاتھ گھاس پر بیٹھنا اچھا نہیں لگتا''۔ بابر بھائی تقریباً بھاگتے ہوئے اندر کی طرف گئے اور چند منٹوں میں خالی ہاتھ ہی واپس لوٹ آئے، فضل (نوکر) پیچھے پیچھے کینو کی پیٹی اٹھائے چلا آ رہا تھا۔

''یاہو...زندہ باد! بابر بھائی! جئیں، خوش رہیں ہمیشہ آباد رہیں''۔ رمشہ نے کئی دعائیں دے ڈالیں، حیا کی بھی دلی مراد بر آئی۔ باتوں ہی باتوں میں کینو کے چھلکے کا ڈھیر گھاس پر لگ گیا، ایک لطیفے پر یہ لوگ بے تحاشہ ہنسے پھر رمشہ نے ایک لطیفہ اور سنایا تو حیا کی آنکھوں سے پانی جاری ہوگیا، حیا ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوگئی، ابھی رمشہ کے آگے ہاتھ ہی جوڑنے لگی تھی کہ مین گیٹ سے کافی اندر کھڑے بہزاد کو دیکھا، ایک لمحے کے اندر اندر کھڑی ہوئی اسے اپنے حلیے کے بارے میں معلوم تھا، کھڑے ہوتے ہی سارے کینو گھاس پر بکھر گئے، حیا بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی، رمشہ پیچھے پیچھے حیا کو چھیڑتی ہوئی آئی، بابر، بہزاد کو لے کر ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔

''کیوں آ گئے بغیر بتائے اتنی اچانک؟'' حیا کو غصہ آ رہا تھا۔

''اور میرا حلیہ اتنا رف ...اوہ خدایا! اب کیا ہوگا؟ انتہائی بھدی جینز فل سلوز شرٹ کے اوپر جیکٹ پر اتنا موٹا بڑا سا ٹوپا، اس حال میں دیکھ کر کیا سوچا ہوگا انہوں نے''۔ بہزاد کی نظریں بابر سے بات کرتے ہوئے بھی مسلسل ڈرائنگ روم کے ادھ کھلے دروازے کی طرف تھیں، پانچ منٹ گزرے ہوں گے کہ دروازے سے اندر آتی حیا کچھ وقت پہلے والی حیا سے یکسر مختلف تھی، چہرے پر سنجیدگی لیے ٹی پنک کلر کی کاٹن قمیض شلوار پر سلیقے سے اوڑھی شال، جاگرز کے بجائے نازک سی چپل پاؤں میں پہنے، سہج سہج کے قدم رکھتی حیا اس حیا سے مختلف تھی۔ بہزاد کو عجیب تاسف نے گھیر لیا۔

''میں تمہیں لینے آیا تھا، اگر موڈ ہو تو چلو''۔ رسمی سلام دعا کے بعد بہزاد نے اپنا مدعا بیان کیا۔

''ہیلو ینگ مین!'' پاپا نے انٹری دی، ماما ٹرالی گھسیٹتی ہوئی پاپا کے پیچھے ہی داخل ہوئیں۔

''السلام علیکم سر!'' بہزاد کھڑا ہوا، تو حیا بھی کھڑی ہوگئی۔

''ارے، ارے آپ کیوں لائیں ہم سے کہتیں''۔ ماما نے ہنستے ہوئے کہا تو ماما بھی مسکرا دیں، حیا کے اندر سکون سا گیا۔

''میں پیکنگ کر لوں ذرا''۔ حیا نے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔

''چلیں!'' بہزاد نے کمرے میں بیگ لیے داخل ہوتی حیا سے پوچھا۔

''جی!'' حیا نے گردن ہلا دی۔

''ارے کیوں بھئی حیا! ابھی سے کیوں جا رہی ہو، اتنے دنوں بعد تو آئی ہو، اور بہزاد! چلو تمہاری تو بیوی ہے، آرام سے لے جانا یا پھر جا ہی رہے ہو تو کھانا کھا کر جانا''۔ ماما نے بات کے اختتام پر سانس لی۔

''نہیں آنٹی! کچھ ضروری کام ہیں مجھے، تو لازمی جانا ہوگا، ابھی ہاں اگر یہ رکنا چاہیں تو رک جائیں''۔ بہزاد نے حیا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں ماما! میں بھی اب چلوں گی''۔ حیا نے بہزاد کی خوشی کے خیال سے کہا۔

''ارے یار! کچھ دیر تو رک جاتے''۔ بابر بھائی نے بہزاد کو روکنے کی کوشش کی۔

''اور ہم تو سمجھے تھے تم بھی ایک دو دن رک کر جاؤ گے''۔ پاپا نے بات میں شامل ہوتے ہوئے کہا۔

''نہیں انکل! اب اجازت!'' بہزاد نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ رمشہ جو اتنی دیر سے پردے کے پیچھے چھپی حیا کو اشارے کر رہی تھی، بہزاد کے کھڑے ہوتے ہی بھاگ گئی۔

''اب بھی اگر رکنا چاہو تو رک جاؤ''۔ بہزاد نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں''۔ حیا نے بہزاد کی عنایت کو ٹھکرا دیا۔

''کیسی ہو؟'' کافی دیر کے بعد بہزاد کی آواز آئی۔

''ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟'' حیا نے فارمیلٹی پوری کی۔

''تم مجھے دیکھتے ہی بھاگ کیوں گئی تھیں؟'' بہزاد نے حیا کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''وہ...وہ میرا حلیہ اتنا رف تھا اور ویسے بھی آپ کو پسند نہیں ہے''۔ حیا جواب دے کر بند شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔ حیا کو اپنے کندھے پر دباؤ محسوس ہوا لیکن حیا نے بہزاد کی طرف نہ کیا۔

''حیا! تم اتنی روڈ تو کبھی نہ تھیں''۔ حیا نے بہزاد کو دیکھنے سے اب بھی احتراز برتا، بہزاد نے اسی ہاتھ سے اس کا چہرہ اپنی طرف کر لیا۔ ٹپ ٹپ حیا کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر اس کے ہاتھ پر گرنے لگے۔

''ارے، ارے کیا آنٹی سے مار کھا کے آئی ہو، جو مسلسل چپ تھیں اور اب رو رہی ہو؟'' بہزاد نے اپنی پوروں سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''اور تھوڑا منہ ٹھیک کرو، بالکل اغوا کی ہوئی لگ رہی ہو''۔ گاڑی پارک کرتے ہوئے بہزاد نے کہا اور ابھی آیا کہہ کر گاڑی کا لاک کھول کے نکل گیا۔ حیا نے سیٹ کی بیک سے سر ٹکا لیا، پندرہ منٹ انتظار کرتے ہوئے گزرے کہ سامنے سے ڈھیر سارے کینو لیے بہزاد آتا نظر آیا، حیا بے ہوش ہوتے ہوتے بچی، پھر آنسوؤں نے رکنے کا نام نہ لیا۔

''حد ہوگئی، میں تم سے باتیں کروں، تم کو کینو لا کر دوں اور تم ہو کے روئے جا رہی ہو''۔ بہزاد نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''حیا! مجھے معاف کر دو''۔ بہزاد نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا، حیا ایک بار پھر چکرا گئی۔

''بہزاد! مذاق مت کریں، میں سیریس ہوں''۔

''حیا! پلیز تم مجھے معاف کر دو، مجھے احساس جرم ستانے لگا ہے، مجھے شادی جیسے حسین رشتے کے بارے میں پتہ ہی نہ تھا، حیا! میں تمہارے بنا ادھورا ہو گیا ہوں، میں پچھلے ایک ہفتے میں بہت ٹوٹا بکھرا ہوں، سمیٹ لو حیا! مجھے سمیٹ لو، حیا! دیکھو تم مجھے معاف کر دو، ورنہ میں مر...!'' حیا نے بے چین مضطرب سے بہزاد کے لبوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''میں نے آپ کو معاف کر دیا بہزاد! میں ناراض ہو ہی نہیں سکتی آپ سے''۔ حیا نے کہتے ہوئے بہزاد کے کندھے پر سر ٹکا دیا اور پرسکون ہو کر آنکھیں موند لیں، بہزاد نے مسکراتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کر دی، آگے راستہ بالکل صاف تھا۔

☆.....☆.....☆

پونم شاہ

افسانہ

سکون

آج چودھویں کی شب تھی، چاند کا حسن کہنے سے تعلق رکھتا تھا، سیاہ اندھیری رات کا ہر منظر چاندنی میں بھیگا ہوا تھا، میں اپنے بیڈروم کی کھڑکی سے ٹیک لگائے بڑی محویت سے ٹکٹکی باندھے بظاہر چاند کو دیکھے جا رہی تھی، لیکن درحقیقت چاند میں اپنا سکون تلاش رہی تھی، ایک ایسا سکون جو بہت عرصے سے روٹھ گیا تھا، سکون کی تلاش میں در بہ در پھرتے ہوئے اب میں تھکن محسوس کرنے لگی تھی، میرے اندر بڑھتی بے چینی، تشنگی کچھ کھو دینے کا احساس مجھے ہر وقت ڈستا رہتا تھا۔ نجانے کیا سکون تھا یا کیا چاہیے تھا؟ کیسا روگ تھا جو میری سمجھ سے باہر تھا، ایسا کیا کھو دیا تھا جس کی تلاش میں، میں عرصے سے بھٹک رہی تھی، سب کچھ تو تھا میرے پاس، میری کلر فل لائف، والدین، بھائی، دوست احباب، روزانہ کی پارٹیاں، فنکشن، ہر وقت کا گھومنا پھرنا، ہر پل انجوائے کرنا، سب کچھ تو ہے میری زندگی میں۔ پھر یہ بے وجہ کی اداسی، بے سکونی کیوں؟ ایسا کیا چاہیے تھا مجھے؟ اب تک مجھے میرے اس سوال کا جواب نہ مل سکا تھا۔ مسلسل دو گھنٹے سے میں چاند کو اپنا حال دل سنا رہی تھی اور چاند بھی جیسے میرے اس دکھ میں شامل تھا، سن رہا تھا اور مجھے حوصلہ دے رہا تھا اپنی چاندنی سے کہ اچانک شان کی پکار پر مجھے واپس اپنے حواس میں آنا پڑا۔

''آ گئی جناب! کیا ہو گیا، کیوں گلا پھاڑ رہے ہو؟''

''یار مانی! کہاں گم تھیں، کب سے تمہارے تاج محل میں تلاش رہا تھا تم کو''۔ شان نے تلخی سے اسے دیکھا۔

''وہ ہی سکون کی تلاش میں بزی تھی''۔ وہ لمبی سی سانس ہوا کے سپرد کر کے گویا ہوئی۔

''پاگل ہو جاؤ گی کسی دن، اپنی اس بچوں والی سوچ پر، چلو آئس کریم کھانے چلتے ہیں، جب دماغ، دل پر ٹھنڈ پڑے گی تو سکون خود بہ خود تمہارے در پر حاضر ہو جائے گا، اسمارٹ گرل!'' وہ اس کی بات کو مذاق میں اڑاتا اسے لے کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔

وہ شرارت بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''بتاؤ ناں مان! کیا ہوا، کیوں اتنی بے رخی کا مظاہرہ کر رہی ہو؟'' لان میں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر وہ اس کی پرابلم کی کھوج میں لگا ہوا تھا۔

''پلیز شان! مجھے خود نہیں پتہ مجھے کیا چاہیے؟ جس سکون کی تلاش ہے وہ میرے اندر کہیں بھی نہیں ہے''۔ وہ اپنی بے بسی پر آنسو بہا رہی تھی۔

''ہوں...!'' اس نے ہلکا سا ہنکارا بھر کر مانی کی طرف سنجیدگی سے دیکھا۔

''مل گیا تمہارے مسئلے کا حل جان عزیز!''

''کیا ملا؟'' وہ حیرانگی سے اس کی گہری براؤن آنکھوں میں جھانکتے ہوئے استفسار کر رہی تھی۔

''تمہیں پتہ ہے یہ بے سکونی، یہ بے وجہ اداسی، کچھ کھونے کا احساس یہ سب کیوں ہے؟''

''کیوں ہے؟ اب بتاؤ ناں! تنگ نہ کرو، ورنہ میں جا رہی ہوں''۔ وہ سوالیہ نگاہوں سے اسے تک رہی تھی۔

''کیونکہ تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں ناں''۔ آخر میں شوخی سے بولا۔

''یو شٹ اپ شان! آئی ایم سیریس ناں!''

''اوکے یار! سوری''۔ اس نے دونوں کانوں کو ہاتھ لگائے۔

''میں تمہارا دوست بھی ہوں اور آنے والے وقت میں تمہارا مجازی خدا بھی، جو تم کو اب تک

پتہ نہیں چل سکا، میں سب جان گیا ہوں، تم دنیا کی محبت میں اس قدر گرفتار ہو، کبھی مڑ کر اللہ کی محبت کو جاننے کی کوشش نہیں کی، ایسا ہی ہے ناں! سب کچھ مل جائے انسان کو، تو صرف دنیا کا ہو کر رہ جاتا ہے، اللہ کی محبت سے غافل ہو جاتا ہے، بھول جاتا ہے کہ جس نے اتنی آسائشات، آرام اور ہر نعمت سے نوازا ہے، اس کے شکر میں دو نفل بھی ادا نہیں کیے جاتے، ایک اللہ ہی ہے جس کے ہم گناہ گار بندے ہیں، سب گناہ کے باوجود وہ ہر نعمت سے مالا مال کرتا رہتا ہے، تمہارے ساتھ بھی یہی مسئلہ ہے جان عزیز! ہر طرف جو بے سکونی راج کر رہی ہے تمہارے وجود میں، وہ تمہیں اپنی طرف بلانا چاہتا ہے، جب وہ اپنے کسی بندے کو خاص رحمت سے نوازنا چاہے، تو ایسے ہی دنیا کے ہر کام سے بے نیاز کر دیتا ہے، اس وقت ہمیں سب کچھ ہو کر بھی خالی پن کا احساس ہوتا ہے، ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرنے والی شہ رگ سے زیادہ قریب تر رہنے والی وہ ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ ہاں مانی! تمہیں اللہ پاک کچھ خاص دینا چاہتا ہے، تم ایک قدم بڑھو، یہ جو ہر وقت تمہارے وجود کے اندر کی بے سکونی تشنگی ہے سب کچھ ختم ہو جائے گا، بس ایک بار دل سے اللہ کا قرب حاصل کر لو''۔ وہ جذب کے عالم میں بولتا چلا گیا، ایسا محسوس ہو رہا تھا اس پل وہ کسی اور دنیا کا باسی لگ رہا تھا۔

''بولو مانی! کرو گی ناں؟'' اچانک آنسو بہاتی مانی کے دونوں ہاتھ تھام کر اس سے پوچھنے لگا۔

''ہاں! شاید تم نے ٹھیک کہا، جس سکون کے لیے میں بھٹک رہی ہوں، اب مجھے یقین ہے وہ مجھے مل جائے گا، شکریہ شان!'' وہ تشکر بھری نظروں سے شان کو دیکھ رہی تھی۔

''واقعی کتنے دنوں سے بلکہ کتنے سالوں سے میں نے ڈھنگ سے عبادت نہ کی تھی نہ سجدۂ شکر ادا کیا، بس یہی وجہ تھی جو مجھے اندر سے بے سکون کیے ہوئے تھی، میں آج سے بلکہ ابھی سے شان! اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو کر ندامت کے آنسو بہا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگ لوں گی اور اپنے اندر کا سکون طلب کروں گی، اچھا شان! میں جا کر وضو کر کے اپنے اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کرتی ہوں، تم بھی دعا کرنا''۔ وہ تیزی سے آنسو صاف کرتی واش روم کی طرف بھاگی۔ شان طمانیت سے مسکراتے ہوئے اسے اندر کی طرف جاتے دیکھ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

ادارہ رداڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

بھیگی ہوئی رت میں
قیمت 150 روپے
صالحہ محمود

کچی کلیاں آنگن کی
قیمت 500 روپے
صالحہ محمود

تم میرے ہو کے رہو
قیمت 500 روپے
صالحہ محمود

ملنے کا پتہ:
ویل کم بک پورٹ اُردو بازار کراچی

سلسلے وار ناول

کبھی آنسو میرے دل کے آنسو

عروسہ کے ساتھ وہ بھی بڑی توجہ اور مہارت کے ساتھ خرمن کو سنوارنے میں مصروف تھی، آج عروسہ نے تمام کلائنٹس کے لیے پارلر بند کر دیا تھا، کوئی بکنگ بھی نہیں رکھی تھی، لہٰذا بہت اطمینان سے وہ اسے دلہن بنا رہی تھیں، منیزہ

نوٹ: ردّا کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی ردّا کو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

کی موجودگی میں ماحول خوشگوار بھی تھا، خرمن کو فائنل ٹچ دینے کے لیے عروسہ کے حوالے کر کے اس نے منیزہ کا میک اپ کیا تھا اور پھر عروسہ کی ہدایت پر خود بھی چینج کرنے کے لیے اوپر چلی آئی تھی، عجلت میں ہی اس نے نادیہ اور چھوٹے فائز کو تیار کیا تھا، کیونکہ خرمن کے ساتھ منیزہ اور عروسہ کو پہلے نکلنا تھا، دونوں بچے بھی ساتھ جا رہے تھے اور ان سب کو لے کر میرج لان تک فاروق جا رہے تھے، اسے تو گھر لاک کر کے آخر میں فاران کے ساتھ پہنچنا تھا، لہٰذا سب طرف سے اطمینان کرنے کے بعد اس نے اپنی تیاری شروع کر دی تھی، کانوں میں آویزے ڈالتی وہ چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوئی تھی، جو انتہائی سنجیدہ تاثرات کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئے تھے، کسی نئی ہدایت یا پابندی

کے لیے وہ ذہنی طور پر نہ تیار تھی اور نہ ہی تیار ہونا چاہتی تھی۔

''آج عروسہ، خرمن کی طرف رکے گی، مگر تم میرے ساتھ واپس آؤ گی، رکنا نہیں ہے تم نے وہاں''۔ ان کے تنبیہی لہجے پر وہ دنگ ہوئی تھی۔

''مگر میں نے بھابی سے کہہ دیا تھا کہ...!''

''تم نے کس سے کیا کہا، کیا نہیں یہ مجھے مت بتاؤ، جو کہا ہے اس پر عمل کرو''۔ وہ انتہائی سختی سے بولے تھے۔

''اگر میں آج رات وہاں رک گئی تو کیا ہو جائے گا؟'' اس کے سرد لہجے پر فاروق کے قدم رکے تھے۔

''میں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی یا آپ؟'' اس کے لرزتے مگر تلخ لہجے پر فاروق کا چہرہ غصے سے انگارہ ہوا تھا۔

''بدزبان لڑکی!'' شعلہ بار آنکھوں سے اسے دیکھتے وہ قریب آئے تھے اگلے ہی پل وہ ان کے زناٹے دار تھپڑ سے لڑکھڑاتی ڈریسنگ کی طرف جا گری تھی۔

''ایسا وقت آنے سے پہلے میں تمہیں زمین میں اتار دوں گا''۔ خونخوار نظروں سے اسے دیکھتے وہ کمرے سے نکل گئے تھے، ڈریسنگ کے کنارے سے پیشانی ٹکائے وہ سسک اٹھی تھی، خون کی ایک باریک لکیر اس کی ناک کی نوک تک چلی آئی تھی۔

☆.....☆.....☆

روشنیوں سے منور اس خطے کی ساری خوبصورتی اس وقت ماند پڑ گئی تھی، جب عروسی لباس میں تمام ہتھیاروں سے لیس وہ ریڈ کارپٹ پر نمودار ہوئی تھی، منیزہ اور عروسہ کی سنگت میں وہ مغلیہ شہزادی ہی لگ رہی تھی، اس کا جھلمل کرتا سراپا آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا، احمد حسین اور فاطمہ نے اسے قیمتی موتی کی طرح سیپ میں چھپا کر رکھا تھا، مگر آج اس کا روشنیاں لٹاتا روپ سب کی بصارتوں کو دنگ کر رہا تھا۔ اس کی مدھم لہروں کی طرح اٹھتی چال میں ایک عجیب سا شاہانہ انداز تھا، وہ جو سب کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی، اس کا دل لرز رہا تھا، ایک خوف کا ہالہ اس کے گرد تنگ ہوتا جا رہا تھا، ارد گرد بکھرے لوگوں میں ایسے کتنے لوگ ہوں گے جن کی نظروں میں تمسخر ہوگا، طنز ہوگا؟ کوئی انگلی بھی تو اس کی طرف اٹھ سکتی ہے، ایسا لگ رہا تھا جیسے ابھی اس کا تماشا لگے گا اور سب لوگ تماش بین بن کر اس کے گرد اپنا گھیرا تنگ کر دیں گے، کسی کے ہاتھ میں پتھر ہوگا اور کسی کی زبان پر اس کی سیاہ حقیقت، نم آنکھوں کے ساتھ فاطمہ اسے ہی دیکھ رہی تھیں، گہری سانس لے کر احمد حسین نے بھی ایک پرتشکر نگاہ آسمان پر ڈالنے کے بعد اس کی طرف دیکھا تھا جو طمطراق کے ساتھ خوبصورت نشست پر براجمان ہو چکی تھی۔

''تم ٹھیک ہو؟'' اس کا عروسی سرخ دوپٹہ درست کرتی منیزہ نے مسکراتے ہوئے اس کی جھکی آنکھوں میں جھانکا تھا، نظر اٹھا کر بس ایک پل میں ہی اس نے اپنے ارد گرد کا جائزہ لیا تھا، مگر اسے تو کہیں بھی نفرت و حقارت نظر آئی، نہ ہی کوئی تمسخر، اپنی طرف متوجہ نظروں میں اسے اشتیاق، تجسس اور تعریف و توصیف ہی نظر آئی تھی۔ احمد حسین اور فاطمہ کے لیے سب کچھ اس وقت مکمل ہو گیا تھا، جب آف وہائٹ لباس میں اپنے نمایاں دراز قد و قامت اور روشن چہرے کے ساتھ وہ خرمن کے قریب نظر آیا تھا۔

فوٹو سیشن شروع ہو چکا تھا لہٰذا منیزہ، عروسہ کو خرمن کے پاس چھوڑ کر عثمان کی طرف چلی آئی تھی، جو فوٹو گرافر کے ساتھ خود بھی اپنے کیمرے میں خرمن اور عارش کے فوکس لے رہا تھا۔

''سب آ گئے، یہ بیلا کہاں رہ گئی ہے؟''

''اس کا میک اپ مکمل ہونے میں ہی دس گھنٹے لگتے ہیں، میری طرح تم بھی صبر کا دامن تھامے رکھو''۔ وہ مسکرایا تھا۔

''میری خیر ہے، مگر تمہیں تو اس کی آمد کے بعد بھی صبر کرنا پڑے گا، بھائی صاحب زیادہ دور نہیں ہیں''۔ فاروق کی طرف اشارہ کرتی وہ کھلکھلائی تھی۔

''انہیں کون گنتی میں لیتا ہے؟'' وہ سر جھٹک کر بولا تھا۔

''بہت کانفیڈنس ہے مگر کچھ اوور ہو رہا ہے''۔ منیزہ ہنستے ہوئے یکدم چونکی تھی۔

''لو بھئی! خوش ہو جاؤ، جس کا انتظار تھا وہ شاہکار آ گیا''۔ عثمان سے مخاطب ہوتی منیزہ خود ہی بیلا کی طرف بڑھ گئی تھی، ایک بار پھر گردن موڑ کر عثمان نے دیکھا تھا وہ دونوں اسی طرف آ رہی تھیں، تب ہی بیلا کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اس کے تاثرات بدلے تھے، عثمان سے نظریں چراتے ہوئے وہ منیزہ کے ہمراہ رکے بغیر خرمن کے پاس جا پہنچی تھی، چند لمحوں تک وہ لب بھینچے بیلا کو دیکھتا رہا تھا، جو اپنا چہرہ چھپانے کی کوشش میں منیزہ اور خرمن کی طرف متوجہ تھی، مگر وہ عثمان سے نہ اپنا چہرہ چھپا سکتی تھی، نہ حقیقت، اشارے سے عارش سے اجازت لیتا وہ پلٹ کر فاران کی تلاش میں نکل گیا تھا، مگر ایک جلتی نگاہ فاروق پر ڈالنا نہیں بھولا تھا، جو مسکراتے ہوئے احمد حسین سے کوئی بات کر رہے تھے۔

عثمان کی پکار پر عروسہ اس کی طرف پلٹی تھیں اور پھر سنجیدہ ہوتے چہرے کے ساتھ اس کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

''آپ جانتی ہیں کیا، کیا ہے انہوں نے بیلا کے ساتھ؟'' وہ مدھم مگر بھڑکتے لہجے میں بولا تھا۔

''بتایا ہے مجھے انہوں نے، بیلا نے ان کے ساتھ زبان درازی کی تھی''۔ اس سے نظر ملائے بغیر وہ کمزور لہجے میں بولی تھیں۔

''زبان درازی کی تھی تو زبان کاٹ دیتے اس کی، گلا گھونٹ دیتے''۔ وہ بھڑکا تھا۔

''وہ بہن ہے ان کی، ان کو جو ٹھیک لگے گا کریں گے''۔ عروسہ نے غصیلی نظروں سے اس کے سرخ چہرے کو دیکھا تھا۔

''میرے سامنے دوبارہ یہ بات مت دہرائیے گا، آج کے بعد بیلا پر اگر کوئی ہاتھ اٹھا تو میں اس ہاتھ کو توڑ کر پھینک دوں گا''۔ اس کے خونخوار لہجے سے زیادہ اس کے چہرے پر پھیلے اشتعال نے عروسہ کو گنگ کر دیا تھا ساکت نظروں سے وہ اسے دیکھ رہی تھیں جو ان کے سامنے سے ہٹ گیا تھا۔

''وہاں وہ تمہارا انتظار کر رہا ہے، جلدی جاؤ، پریشان مت ہو، میں یہاں سب سنبھال لوں گی''۔ منیزہ کے گوشیانہ لہجے پر وہ جو تذبذب میں مبتلا تھی، اثبات میں سر ہلاتی اس کی جانب بڑھ گئی تھی جہاں بالکل الگ تھلگ موجود مصنوعی آبشار جگمگا رہا تھا، آبشار کی خوبصورتی کو نمایاں رکھنے کے لیے آبشار کے ارد گرد ہی بس فینسی لائٹس موجود تھی، ان کی روشنی بس آبشار تک ہی محدود تھی، اس جگہ پر چہل پہل نہیں تھی، شاید اسی لیے عثمان نے اسے یہاں بلایا تھا، آبشار سے کچھ ہی فاصلے پر اس کے قدم رک گئے تھے، دائیں جانب درخت کے چوڑے تنے سے پشت ٹکائے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا، جو نظر جھکائے سامنے آ رکی تھی، مدھم ہوا سے اس کی پیشانی پر بکھرتے نرم تراشیدہ بال گہری چوٹ کے نشان کو اس کی نظروں سے اس وقت بھی نہیں چھپا سکے تھے، روشنی یہاں بہت زیادہ نہیں تھی مگر وہ تو پہلے ہی دیکھ چکا تھا کہ اس کے رخسار پر انگلیوں کے نیلے نشان چھپے ہوئے ہیں جن کو میک اپ سے چھپانے کی کوشش کی گئی تھی۔

''مجھ سے کوئی سوال مت کرنا''۔لرزتے لہجے میں بولتے ہوئے بیلا نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

''کوئی سوال پوچھنے کی کسر نہیں رہی ہے، میں انگاروں پر لوٹ رہا ہوں، تمہاری حالت دیکھ کر''۔بھنچے لہجے میں بولتے ہوئے اس نے بیلا کا ہاتھ تھام کر قریب کیا تھا۔

''عثمان...!''سرعت سے اس کے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بیلا نے فاصلہ قائم رہنے دیا تھا۔

''کیوں....؟اس بے حس انسان کی نفرت تم سمیٹ سکتی ہو، مگر میری محبت نہیں''۔وہ مشتعل ہوا تھا۔

''مجھے ابھی وہ حق حاصل نہیں ہوا''۔اس سے نظر چراتی وہ مدھم لہجے میں بولی تھی۔

''تو پھر ٹھیک ہے''۔فیصلہ کن لہجے میں بولتے ہوئے عثمان نے دھیرے سے اس کے دہکتے رخسار پر ہاتھ رکھا تھا۔

''کل کا سورج تمہیں سارے حق دے کر ہی غروب ہوگا''۔اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتا وہ قطعی انداز میں بولا تھا۔

☆.....☆.....☆

پھولوں کی مسحور کن مہک نے اس خلوت کو کچھ ایسا جادو بخش دیا تھا کہ جس کا توڑ نہیں تھا، اس کے اردگرد جا بجا گلابوں کے دلکش رنگ پھیلے تھے، ایک ایک پنکھڑی سرمست تھی، خوش کن لمحوں کے نشے میں ڈوبی تھی، ماحول کی ساری دلکشی سارے رنگ اس کے وجود سے منسوب تھے، جس کا ہوش اڑاتا رنگ روپ پھولوں کو بھی مات دے رہا تھا، چاندنی اس کی آنکھوں میں اتری ہوئی تھی، ان چھوا کانچ جیسا وجود مشک بو میں جیسے ڈوب کر ابھرا تھا، اور اس کی سانسیں تک روک گیا تھا، جو پتہ نہیں کتنے لمحوں تک بس ساکت نظروں سے اس کے جھلکتے حسن کی رعنائیوں کو دیکھتا رہا تھا، خرمن کو ایک بار پھر اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا تھا، بس ایک پل کو اس نے اپنی بھاری پلکیں اٹھائی تھیں، اس کے بعد یہ کام کرنے کی ہمت نہیں کر سکی تھی۔

اس کے چہرے سے نظر ہٹائے بغیر وہ اس کے قریب ہوا تھا، اس کی پیشانی پر نمایاں ہوتا دودھیا نشان نگاہوں کو مرعوب کرنے کے لیے کافی تھا، مگر آج اس کا دبدبہ عارش کو زیر و زبر کرنے والا نہیں تھا، یہ سچ تھا کہ اس کی دودھیا روشنی آنکھیں چندھیا رہی تھی، اسے حد میں رہنے کی تنبیہہ کر رہی تھی مگر اب ایسا ممکن نہیں تھا، کیونکہ ہر حد توڑنے کا اختیار اب وہ رکھتا تھا، دل اور نظر پر لگے ہزاروں پہرے آج ایک ایک کر کے ہٹنے والے تھے، پہلی بار چاہتوں کی شدت سے بے اختیار ہو کر مگر پورے استحقاق کے ساتھ اس نے دہکتے ہوئے ماہ نیم کو اپنے ہونٹوں میں جذب کر لیا تھا، یہ کیفیت یہ لمس پر کیف تھا وہ اپنے آپ کو بھولنے لگا تھا، اس ماہ نیم کی چاندنی وہ آہستہ آہستہ اپنے دل میں اترتی محسوس کر رہا تھا، دل کے کونے کونے میں جذب ہوتی چاندنی اسے سرشار کر گئی تھی، ایک عجیب سا سرور عارش کی خمار زدہ آنکھوں میں اتر آیا تھا، مگر اس کی جگمگاتی پیشانی کو بھی شاید یہ گستاخی برداشت نہیں ہوئی تھی، جب ہی تو اس پر پڑتی باریک شکنیں عارش کی نگاہوں سے چھپی نہیں رہ سکی تھیں، خرمن کا چہرہ بے تاثر تھا، مگر سنگترے کی قاشوں جیسے اس کے لب لرز اٹھے تھے اس بھرپور لمس پر، وہ کہاں واقف ہوئی تھی، قریب موجود شخص کی شدتوں سے جس کی سلگتی سانسیں اس کی پیشانی کو جھلسا گئی تھیں، جس کی پرتپش گہری نگاہیں اس کے چہرے کو دہکا رہی تھیں، اگر یہ عارش ہے بھی تو وہ اس عارش کو نہیں جانتی تھی، یہ تو کوئی اور تھا جو اسے اپنے وجود میں سمٹ جانے پر مجبور کر رہا تھا، جس کی نگاہیں اسے کہیں چھپ جانے پر اکسا رہی تھیں، دھڑکتے دل کے ساتھ وہ نظر جھکائے اس کے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں موجود اپنے لرزتے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی، ایک جگمگاتی رنگ وہ اس کی انگلی میں پہنا رہا تھا۔

''میں جانتا ہوں کہ یہ وقت تمہارے لیے بہت کٹھن ہے، مجھے کوئی شکایت نہیں اس سچ پر کہ میری محبت کی کوئی حق تمہارے دل میں نہیں ہے، مگر مجھے یقین ہے کہ تم میری محبت کا خیر مقدم کرو گی، میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ ماموں جان کی خوشی کے لیے ہی سہی مگر تم نے مجھے قبول کر لیا، میری زندگی میں شامل ہو کر تم نے مجھ پر احسان کیا ہے، مجھے تاریکیوں میں گھرنے سے بچایا ہے، میں نے تو صرف اپنے جذبے تمہارے لیے وقف کیے ہیں مگر تم نے اپنا سب کچھ میرے اختیار میں دے دیا ہے، اپنے نام کے ساتھ میرے نام کو جوڑ کر تم نے مجھے ساتویں آسمان پر پہنچا دیا ہے، اب اگر بدلے میں تمہارے لیے میں اپنے وجود کے ٹکڑے کر کے تمہارے قدموں میں ڈال دوں، تو اس کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہوگی''۔اس کی لرزتی پلکوں پر نظر جمائے وہ گہرے سنجیدہ لہجے میں بولا تھا اور پھر دھیرے سے اس کا سجا سنورا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام کر اپنی طرف ذرا اٹھایا تھا، اس کے قیامت خیز نقوش اپنی آنکھوں میں جذب کرتے ہوئے عارش کے دل کی دنیا درہم برہم ہوئی تھی، جبکہ آنکھیں بند کیے بیٹھی خرمن کا دل بھی بند ہونے لگا تھا۔

''میں چاہتا ہوں، تم میری آنکھوں میں دیکھو، اس محبت کو دیکھو جو تمہارے لیے میری آنکھوں میں سمٹ آئی ہے''۔مدھم گمبھیر آواز کے ساتھ خرمن کو اپنی پیشانی پر مہکتی سلگتی سانسیں بکھرتی محسوس ہو رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

رات گئے تک احمد حسین اور فاطمہ، عثمان کے والدین اور برہان سے فون پر مصروف گفتگو رہے اس کے بعد کہیں جا کر نشست برخاست ہوئی تھی، عروسہ بھی منیزہ کے ساتھ جا رہی تھیں مگر اچانک ہی عثمان نے انہیں رکنے کے لیے کہا تھا، اس کی سنجیدگی اور معاملے کی نوعیت سے منیزہ واقف تھی مگر اسے یہی بہتر لگا تھا کہ دونوں بہن بھائی تنہائی میں ہی بات کریں تو اچھا ہے، لہٰذا وہ نیند کا بہانہ کرتی ٹیرس سے چلی گئی تھی، خاموش نظروں سے عروسہ نے اسے دیکھا تھا، جو ان کے قریب ہی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

''آپی! میں ہمیشہ سے آپ کے قریب رہا ہوں، اپنی ہر ضد ہر خواہش کے لیے میں آپ کی طرف دیکھتا رہا ہوں، کیونکہ گھر میں ایک آپ ہی ہیں، جن کے نزدیک میری چھوٹی چھوٹی خوشیوں کی بھی بہت اہمیت ہے، امی، ابو کے نزدیک میں جیسا بھی ہوں مگر آپ کے لیے میں برہان بھائی سے بھی زیادہ اچھا ہوں، میرے لیے آپ ان کو بھی نظر انداز کر سکتی ہیں، بچپن سے لے کر آج تک میری ہر مشکل کا حل آپ کے پاس رہا ہے، کیوں مجھے مجبور کیا جا رہا ہے کہ میں اس سے دستبردار ہو جاؤں؟ میری مشکل آسان کرنے کے بجائے کیوں مجھے عذاب میں دھکیلا جا رہا ہے؟ آپ کہہ دیں مجھ سے کہ میں آپ سب کی زندگی سے دور چلا جاؤں، میں آپ کی بات مان لوں گا، جاتے ہوئے یہ بھی بھول جاؤں گا کہ بیلا زندہ بھی رہے گی یا نہیں''۔

''مت کرو ایسی باتیں''۔عروسہ نے دہل کر اسے دیکھا تھا۔

''اگر میرے منظر سے غائب ہونے پر آپ کے گھر کی خوشیاں سلامت رہتی ہیں، تو میں بے وفائی کا مرتکب ہو جاؤں گا، بیلا سے کیا ہر وعدہ توڑ کر میں اپنا سیاہ چہرہ اس کے سامنے بھی نہیں لاؤں گا، امی، ابو کو لگتا ہے کہ میں خود غرض ہو کر اپنی ہی بہن کا گھر توڑنے کا گناہ کر رہا ہوں، کیا آپ کو بھی ایسا لگتا ہے؟''اس کے دزدیدہ لہجے نے عروسہ کے دل میں جیسے خنجر اتارا تھا۔

''وہ غلط کہتے ہیں، فاروق کی وجہ سے وہ تمہیں باز رکھنے کے لیے ایسا کہتے ہیں، ورنہ مجھ سے بڑھ کر یہ کون جانتا ہے کہ تمہیں اپنی بہن کی، اس کے گھر کی خوشیوں کی کتنی پرواہ ہے''۔عروسہ تڑپ کر بولی تھیں۔

''میرا بس چلے تو تمہاری خوشیوں کے لیے اپنی جان تک قربان کر دوں مگر بیلا کے معاملے میں، میں بے بس

ہو چکی ہوں، تمہارے لیے اور بیلا کے لیے میں نے ان منتیں تک کر لی ہیں، میرے پاس کوئی راستہ نہیں بچا ہے، میں تم سے یہ نہیں کہہ سکتی کہ تم یہاں سے کہیں دور چلے جاؤ، اس لیے نہیں کہ میں تمہاری جدائی برداشت نہیں کر سکتی، بلکہ اس لیے کہ میں بیلا کو زندہ لاش بنتے نہیں دیکھ سکتی، تم دونوں سے میں نے اپنی اولاد سے بڑھ کر محبت کی ہے، تم دونوں کی اذیت میرے لیے موت کی اذیت جیسی ہے''۔ شدید بے بسی سے بولتے ہوئے عروسہ کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

''تو پھر آپ کی اذیت وہ کیوں محسوس نہیں کرتے؟ اتنے سالوں سے آپ ان کے ساتھ ہیں، آپ کی اچھائیوں کی کچھ پرچھائی بھی ان کو مجھ میں نظر نہیں آتی، میں آپ کا ہی تو عکس ہوں آپی! آپ نے ہی تو مجھے اچھے، برے کی تمیز سکھائی ہے''۔ شدید اضطراب میں مبتلا وہ ان کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔

''بیلا کے زخمی چہرے نے مجھے جذباتی کر دیا تھا، میں سب کچھ بھلا کر ایک بہت بھاری عہد اس کے سامنے لے چکا ہوں، اور کیا کرتا میں؟ طویل عرصے سے خود پر جبر کرتے کرتے تھک گیا تھا میں، میرے پاس اب وقت بہت کم ہے، میں بیلا کی نفرت برداشت نہیں کر سکوں گا، آپ ان سے ایک بار اور بات کریں، انہیں سمجھائیں''۔ ساکت نظروں سے عروسہ اسے دیکھ رہی تھیں جو التجاء کرتا سیل فون ان کے ہاتھوں میں تھما چکا تھا۔

''آپ ان سے کہیں کہ عثمان ساری دنیا کے لیے برا ہو سکتا ہے مگر بیلا کے لیے نہیں، میں ان کے سامنے آپ کے سر کی قسم اٹھانے کے لیے بھی تیار ہوں، میں اسے بہت خوش رکھوں گا، اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچنے دوں گا، اس پر غصہ بھی نہیں کروں گا، اسے سخت ہاتھ تک نہیں لگاؤں گا، اس کی خوشیوں کے لیے میں اپنے آپ کو فروخت کر دوں گا، ان سے کہیں کہ وہ ایک بار مجھ پر اعتبار کر لیں اپنی اجازت سے وہ بیلا کو میرے حوالے کر دیں، میں ساری زندگی ان کے سامنے سر نہیں اٹھاؤں گا، بس ایک بار میرے لیے اپنے دل کو نرم کر لیں، بس ایک بار...!'' اپنے آنسوؤں کو ضبط کرتے ہوئے عروسہ نے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا تھا جو ان کی گود میں سر رکھے بالکل ساکت تھا، بس چند لمحے لگے تھے عروسہ کو خود کو سنبھالنے کے لیے، آخر وہ کس طرح اسے ٹوٹتا بکھرتا دیکھ سکتی تھیں۔

''میرے لیے تم نے جتنا صبر کرنا تھا کر لیا، جتنا جبر خود پر کر سکتے تھے کر لیا، یہ تمہاری زندگی ہے اور اپنی زندگی کی خوشیاں اب تمہیں خود حاصل کرنی ہیں، کسی سے بھیک نہ اب تم مانگو گے نہ میں تمہیں یہ کام کرنے دوں گی، میں نہیں جانتی کہ تم نے کون سے عہد لیے ہیں، کتنے وعدے کیے ہیں، میں بس اتنا جانتی ہوں کہ میں تمہیں اور بیلا کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں، ایک ساتھ دیکھنا چاہتی ہوں، تمہیں بزدلوں کی طرح منہ چھپا کر بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے، اپنے عہد اور وعدے کو نبھاؤ، مت فکر کرو میری کیونکہ اگر اب بھی میں تمہاری کمزوری بنی رہی، تو میرے لیے اس سے زیادہ شرم کا مقام اور کوئی نہیں ہوگا، میں اپنے آپ کو اس لیے نہیں کوسنا چاہتی کہ میں تمہاری بہن ہوں، اگر حالات تمہارے خلاف ہوتے ہیں تو مجھے یقین ہے کہ آگے جا کر تمہارے حق میں ہو جائیں گے، میں تمہارے قریب رہوں یا نہ رہوں مگر مجھے تمہارے کسی عمل پر تم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی، جاؤ...! اپنی زندگی کو اپنے ڈھنگ سے گزارو، اپنے حصے کی خوشیاں حاصل کرو، میں نے تمہیں اجازت دی''۔ لرزتے لہجے میں وہ بول رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

یہ جلتے ہونٹ، یہ نیند میں ڈوبی ہوئی آنکھیں
مجھے سونے نہیں دیتیں تمہاری ادھ کھلی آنکھیں

مدھم خواب ناک روشنی میں وہ اس کے خوابیدہ چہرے کے پرفسوں نقوش کو بغیر پلک جھپکے تک رہا تھا، مدھم ہوا سے

ں کی پیشانی پر ریشمی بال بکھرتے سمٹتے جا رہے تھے، آنکھوں کو خیرہ کرتا ماہ نیم خفا خفا سا لگ رہا تھا، اس کی گھنی لانبی پلکیں آپس میں جڑی ہوئی تھیں، اس کی سانسوں کے زیر دبیم نیند میں ڈوب جانے کا پتہ دے رہے تھے، دہکتے رخساروں پر آنسوؤں کے نشانات واضح تھے۔ یکدم عارش کو اپنے دل پر ایک بوجھ سا گرتا محسوس ہوا تھا، دھیرے سے ں کے حنائی ہاتھ کو چھوتے ہوئے وہ شاید اپنے قریب اس کی موجودگی پر یقین کر رہا تھا، جب اس کی بند پلکوں میں جنبش ہوئی تھی، وہ یہی تو چاہتا تھا، ابھی وہ اس پر اپنی محبت کی شدت واضح ہی کہاں کر پایا تھا، مگر محبت کو عیاں کرنے کے لیے یہ رات بھی تو بہت مختصر تھی، اس کی جلتی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے عارش نے اس کی مکمل وا ہوتی سرخ آنکھوں کو دیکھا تھا، مگر وہ فوراً ہی آنکھیں بند کرتی چہرہ دوسری سمت پھیر گئی تھی، عارش کی بجھتی آنکھیں اس کی گردن تک آ ٹھہری تھیں، شہ رگ پر واضح دودھیا نشان بھی اتنا ہی سرد مہر دکھائی دیا تھا جتنا کہ وہ دشمن جاں تھی۔

☆.....☆.....☆

دوسرے دن گھر میں ہی ولیمے کا اہتمام بہت سادگی سے رکھا گیا تھا، جس میں مصطفیٰ حسین اور عروسہ کی فیملی کے علاوہ عارش کے چند دوست مدعو تھے، رات میں ہی احمد حسین اور فاطمہ کو مصطفیٰ حسین کے ہمراہ سرگودھا کے لیے روانہ ہو جانا تھا، ان ہی تیاریوں میں آدھا دن گزر گیا تھا۔

کھلے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہوئے اس نے خود کو نارمل رکھنے کی کوشش کی تھی، لاؤنج میں موجود عروسہ کے دونوں بچے ٹی وی پر کارٹون دیکھنے میں مصروف تھے، اس وقت وہ عروسہ کا تو سامنا ہی نہیں کرنا چاہتی تھی کہ ان کی نظریں تو اس کے چہرے کو بھی اچھی طرح پڑھ لیتی تھیں، دبے قدموں کے ساتھ وہ کچن کی طرف بڑھی تھی اسی وقت منیزہ خود ہی کچن سے برآمد ہو گئی تھی۔

''اب فرصت ملی ہے تمہیں، کہاں تھیں اب تک میری کال بھی ریسیو نہیں کی تم نے؟'' شکایت کرتے ہوئے منیزہ اس کا ہاتھ پکڑے کچن میں چلی گئی تھی۔

''کیا ہوا اتنی خاموش کیوں ہو؟'' منیزہ کو یکدم ہی کچھ عجیب سا لگا تھا۔

''بس ایسے ہی، تمہیں تو سب پتہ ہے''۔ اس سے نظر ملائے بغیر بیلا نے کہا تھا۔

''جو ہوا اسے بھول جاؤ، محبت میں بہت طاقت ہوتی ہے، یہ سب کچھ موافق کر دیتی ہے''۔ اس کے شانے کو تھپتھپاتے ہوئے منیزہ نے جیسے ہمت بڑھائی تھی۔

''تم کس کے ساتھ آئی ہو؟'' منیزہ کے سوال پر وہ ایک پل کو گڑبڑائی تھی۔

''فاران کے ساتھ آ رہی تھی تو راستے میں عارش اور عثمان مل گئے، وہ مجھے یہاں ڈراپ کر گئے ہیں''۔

''کیا.... وہ دونوں تمہیں یہاں چھوڑ کر پھر کہیں چلے گئے؟'' منیزہ دنگ ہوئی تھی۔

''تمہیں بتاؤں عارش کی حرکت... صبح سے یہ وقت ہو گیا ہے، اپنی نئی نویلی دلہن کو چھوڑ کر وہ ایسا بھاگا ہے کہ پلٹ کر اس بے چاری کی خبر تک نہیں لی ہے، عارش کے ساتھ عثمان بھی غائب ہے، مجھے معلوم ہوتا کہ وہ دونوں تمہیں گیٹ پر ڈراپ کرنے آ رہے ہیں تو وہیں پہنچ کر طبیعت صاف کر دیتی دونوں کی''۔

''خرمن کہاں ہے؟'' بیلا نے پوچھا تھا۔

''اپنے کمرے میں، ٹمپریچر ہے اسے، سو رہی ہے، تم ذرا جا کر اسے بیدار کرو، اس نے دوپہر میں کھانا نہیں کھایا تھا، میں کھانا گرم کر کے لاتی ہوں، کچھ کھا کر ٹیبلیٹ لے گی تو طبیعت بہتر ہوگی، شام کو پھر سب جمع ہوں گے ولیمے کی فنکشن کو دیکھنے''۔ منیزہ کے مسکراتے لہجے پر وہ خود بھی مسکراتی کچن سے نکل گئی تھی۔

ہلکی سی دستک کے ساتھ بیلا نے کمرے میں پہلے جھانکا تھا اور پھر کمرے میں داخل ہوگئی تھی، کھڑکیوں کے ریشمی پردوں سے چھن چھن کر ڈھلتی دوپہر کی نرم دھوپ کمرے کو کسی حد تک روشن کر رہی تھی، پھولوں کی خوش کن مہک نے کمرے کے ماحول کو مزید پراسرار اور سحر انگیز سا بنا رکھا تھا، چند لمحوں تک وہ مبہوت سی کھڑی نفاست سے سجے کمرے میں گلابوں کی سجاوٹ کو دیکھتی رہی تھی، کنگ سائز بیڈ کے گرد موجود گلاب کی بے شمار لڑیوں کو فی الحال ایک طرف ہٹا دیا گیا تھا، بیلا کو ایک ایک پھول تر و تازہ اور شبنم میں بھیگا دکھائی دیا تھا، دھیرے دھیرے نرم کارپٹ پر چلتی بیڈ کے قریب گئی تھی، گلابی خوبصورت سے لباس میں خرمن دوسری جانب کروٹ لیے یقیناً سو رہی تھی، اس کے شانے پر سجی چوٹی میں موتیا کی سفید کلیاں پروئی ہوئی تھیں، چوڑی دار تنگ پاجامے میں اس کے نازک پیروں کی مہندی کچھ اور زیادہ نکھر گئی تھی، بیلا کو اس پر رشک آ رہا تھا، کتنے اعزاز کے ساتھ کتنی محبتوں اور دعاؤں کے حصار میں وہ عارش کی زندگی میں داخل ہوئی تھی، دل میں اٹھتی ٹیسوں کو ضبط کرتے ہوئے اس نے دھیرے سے خرمن کے ہاتھ کو ہلا کر پکارا بھی تھا، نیند سے گلابی ہوتی خمار آلود آنکھوں سے اس نے بیلا کے مسکراتے چہرے کو دیکھا تھا اور اگلے پل ہی کچھ جھینپے انداز میں اٹھ بیٹھی تھی۔

''اب وقت ملا ہے تمہیں؟'' حسب عادت دوپٹہ پیشانی سے گراتی وہ مدھم آواز میں شکایت کر رہی تھی۔

''اب پچھتا رہی ہوں کہ جلدی کیوں نہیں آ سکی، تمہیں جی بھر کر دیکھ تو لیتی''۔ مسکراتی نگاہوں سے بیلا نے اسے دیکھا تھا جو خاموشی سے اپنے شانے سے گری آتی چوٹی کو ٹھیک کر رہی تھی، بیلا کی نظریں اس کے چہرے پر نہیں ٹھہر رہی تھیں، دل چاہ رہا تھا کہ اس کے حسین روپ کو بس دیکھے ہی جائے، کتنا فرق تھا کل اور آج میں، کل کی نازک کلی آج کھلے ہوئے گلاب کی طرح شاداب نظر آ رہی تھی، ایک شخص کی محبت نے اس کے روم روم کو نکھار دیا تھا، آج تو اس کے وجود سے اٹھتی مسحور کن مہک بھی بدلی اور انوکھی تھی۔

''خرمن! کہیں میری نظر ہی نہ لگ جائے تمہیں''۔ محبت سے مغلوب ہو کر بیلا نے اسے گلے سے لگا لیا تھا۔

''تم میری دوست نہیں، بہن بھی ہو، تمہاری نظر کیسے لگ سکتی ہے مجھے''۔ مدھم آواز میں خرمن نے اسے گھر کا تھا۔

''پتہ ہے، تمہیں دیکھ کر مجھے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں رہی ہے، اندازہ ہو رہا ہے کہ عارش تم سے کتنی محبت کرتا ہے''۔ بیلا کے مسکراتے معنی خیز لہجے پر خرمن کا چہرہ سنجیدہ ہوا تھا مگر اس کے رخسار دہک اٹھے تھے۔

''منیزہ خوامخواہ بے چارے عارش کی گمشدگی پر غصہ ہو رہی ہے، قصور تو اس کی دلہن کا ہے، جس کے قیامت خیز جلوے اس بے چارے کو صبح ہی صبح گھر سے بھاگنے پر مجبور کر گئے''۔ بیلا شرارتی لہجے میں بولتی ہنسی تھی۔

''چپ رہو''۔ خرمن نے خفگی سے اسے دیکھا تھا۔

''اچھا یہ بتاؤ تمہاری طبیعت کو کیا ہو گیا؟''

''مجھے نہیں پتہ''۔

''پھر کسے پتہ ہے، عارش کو؟'' بیلا نے شرارت سے اسے دیکھا تھا۔

''گھور کیوں رہی ہو، جلدی سے بتاؤ کیا پیش کیا حضرت نے تمہاری خدمت میں؟'' بیلا کے ڈپٹنے پر اس نے اپنا ہاتھ اس کے سامنے کر دیا تھا۔

''زبردست.... عارش کی چوائس کو داد دینی پڑے گی''۔ توصیفی نظروں سے بیلا اس کی رنگ کا جائزہ لے رہی تھی جب یکدم خرمن نے اس کا وہی ہاتھ تھام لیا تھا۔

''تمہارے ہاتھ میں یہ کیسی رنگ؟ تم تو رنگ پہنتی نہیں ہو''۔ خرمن نے حیرت سے پوچھا تھا۔

''پہلے یہ بتاؤ، کیسی لگ رہی ہے؟'' سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بیلا نے پوچھا تھا۔

''بہت پیاری لگ رہی ہے، تمہارے ہاتھ میں بہت سج رہی ہے، مجھے یاد آ رہا ہے ایک بار تم نے کہا تھا کہ اگر تم نے کبھی رنگ پہنی تو وہ رنگ وہی ہوگی جو عثمان تمہیں دے گا''۔ خرمن نے جانچتی نظروں سے اس کے بدلتے تاثرات دیکھے تھے۔

''اسی نے یہ رنگ مجھے پہنائی ہے''۔ بیلا کی آواز بہت مدھم تھی۔

''کب؟'' خرمن حیران تھی۔

''یہاں آنے سے کچھ دیر پہلے''۔

''کیا مطلب؟'' خرمن الجھی تھی۔

''اس وقت کوئی سوال نہ کرنا خرمن! میں جواب نہیں دے سکوں گی''۔ بیلا کے لرزتے لہجے پر خرمن کو کچھ کہنے کا موقع نہیں ملا تھا کہ کمرے میں منیزہ کی آمد ہو گئی تھی۔

''چلو بھئی دلہن! کھانا تناول کرو، ہم تمہارا ساتھ دیں گے''۔ کھانے کی ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر منیزہ، خرمن کے قریب ہی آ بیٹھی تھی مگر خرمن پھر بیلا کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

''یہ چوٹ کیسی ہے تمہارے چہرے پر؟'' خرمن کے سوال پر وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''فکر مت کرو، فاروق بھائی ایک نہ ایک دن سمجھیں گے تمہارے جذبات کو''۔

''چھوڑو اس ذکر کو، اب ان کے کچھ سمجھنے یا نہ سمجھنے سے ''ہمیں'' کوئی فرق نہیں پڑنے والا''۔ بیلا کے تلخ لہجے سے زیادہ اس کے جملے نے خرمن کو چونکا دیا تھا مگر وہ مزید کچھ نہیں بولی تھی۔

☆.....☆.....☆

پتہ نہیں کتنا وقت ہو چکا تھا مگر وہ اب تک ٹیرس پر کھڑی دور اس آہنی گیٹ کو دیکھ رہی تھی، جس کا پھاٹک وقتاً فوقتاً آنے جانے والی گاڑیوں کے لیے اٹھ رہا تھا، فاطمہ اور احمد حسین جا چکے تھے اسے بہت ساری تسلیوں اور دعاؤں کے سہارے چھوڑ کر، ان کے جانے کے بعد بھی اس کے آنسو نہیں رکے تھے، ان دونوں کے بغیر یہاں کچھ بھی تو باقی نہیں رہا تھا، ایسا لگ رہا تھا سب کچھ ختم ہو گیا ہے، دل کے اندر بھی اور باہر بھی، اپنے اردگرد تنہائی کا احساس مزید اسے وحشت میں مبتلا کر رہا تھا، منیزہ اور عارش ان تینوں کو سی آف کرنے گئے تھے، خرمن کو ساتھ آنے سے احمد حسین نے روک دیا تھا، عمرہ کے لیے جاتے وقت بھی انہوں نے اسے ایئرپورٹ ساتھ جانے سے روک دیا تھا، ظاہر ہے اس لیے کہ اس کے آنسو وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے، اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے ایک طائرانہ نظر گارڈن ایریا میں ڈالی تھی، جہاں لائٹس آن تھیں، کافی رات ہونے کی وجہ سے وہاں چہل پہل بہت کم تھی، ٹیرس کی باؤنڈری سے دور ہٹتے ہوئے وہ دائیں جانب اونچے چوڑے پنجرے کی طرف آ گئی تھی، جن دنوں وہ سب مل کر اپارٹمنٹ سیٹ کر رہے تھے، ان ہی دنوں میں عارش نے سب سے پہلے ٹیرس پر یہ پنجرہ تیار کروا لیا تھا اور پہلی فرصت میں سارے کبوتر یہاں منتقل کر لیے تھے، پنجرے کے دونوں پورشنز میں سفید براق اور چتکبرے کبوتر بہت شانت بیٹھے مدھم آوازیں نکال رہے تھے، جالیوں میں انگلیاں پھنساتی وہ اداس نظروں سے ان سب کو دیکھتی رہی تھی۔

کال بیل کی آواز نے اسے چونکا دیا تھا، تیز قدموں کے ساتھ وہ ٹیرس سے نکل گئی تھی، دروازہ کھول کر ایک نظر بھی اس کے چہرے پر ڈالے بغیر وہ واپس پلٹتی ٹیرس کی سمت بڑھ گئی تھی، اس کے چہرے کو ایک نظر دیکھتے ہی عارش تشویش میں مبتلا ہو چکا تھا، ٹیرس پر آتے ہوئے ایک پل رک کر عارش نے اس کی پشت کو دیکھا تھا جو پنجرے کے

پاس ہی ساکت کھڑی تھی، آگے بڑھ کر اس نے دھیرے سے اس کا رخ اپنی طرف کرنا چاہا تھا کہ وہ سرعت سے اس کے ہاتھ الگ ہٹاتی اس کی طرف رخ خود ہی کر چکی تھی، وہ چونکا ضرور تھا، لہٰذا فوری طور پر کچھ بول نہیں سکا تھا، بس خاموشی سے اس کے تاثرات جانچتا رہا تھا جو بالکل سپاٹ تھے، اس کی جھکی آنکھوں سے بھی ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کتنا زیادہ روئی ہے مگر یہ سچ تھا کہ اس کا رویا رویا چہرہ بھی دل میں اتر رہا تھا، گہرے سبز رنگ کے لباس میں اس کا سراپا سرسبز نازک شاخ جیسا ہی دکھائی دے رہا تھا، اسکارف اس نے نہیں لیا تھا مگر مہین شیفون کا دوپٹہ اس نے چہرے کے گرد لپیٹ رکھا تھا، کوشش کے باوجود عارش کی نظریں دوپٹے میں چھپے اس کے دودھیا ہتھیار تک نہیں پہنچ سکی تھیں، سارا دن گزرنے کے بعد وہ اب اسے نظر بھر کر دیکھ رہا تھا اور پیاس تھی کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

''تمہاری طبیعت اب کیسی ہے؟'' اس کی جھکی پلکوں کو دیکھتا وہ پوچھ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے''۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی جواب دے گئی تھی۔

''کتنی ٹھیک؟'' اس کے عقب میں پنجرے کی جالیوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ قدرے اس کی جانب جھکا تھا۔

''میں نے پوچھا ہے، کتنی ٹھیک ہے؟'' مسکراتی نظروں سے عارش نے اس کے چہرے پر پھیلتی ناگواری کو دیکھا تھا جو نظر بھی نہیں اٹھا پا رہی تھی، عارش نے کبھی اسے اس طرح نظر چراتے یا خود میں سمٹتے نہیں دیکھا تھا، لہٰذا اب یہ سب اسے بہت دلچسپ بھی لگ رہا تھا۔

''میں تمہارے جواب سے مطمئن نہیں ہوں، میں خود چیک کروں گا''۔ مسکراہٹ چھپاتے ہوئے عارش نے اس کا ہاتھ تھاما ہی تھا کہ وہ کرنٹ کھا کر ہاتھ چھڑاتی اس کے برابر سے نکلتی چلی گئی تھی۔

کمرے میں داخل ہو کر عارش نے متلاشی نظریں اردگرد دوڑائی تھیں، مگر وہ شاید کچن کی طرف تھی، چینج کے بعد جب وہ واش روم سے نکلا تو حیران ہوا تھا، کمرے کی لائٹس آف تھیں، مدھم روشنی میں وہ اسے دیکھ سکتا تھا، جو بیڈ کے کنارے پر دوسری طرف کروٹ لیے سونے کے لیے لیٹ چکی تھی، نیند تو آنکھوں سے کوسوں دور تھی، اسے اپنے سر میں شدید درد محسوس ہو رہا تھا، پنکھے کی تیز ہوا بھی اسے بری لگ رہی تھی، چینج اس نے نہیں کیا تھا اور اس لباس میں اسے ٹھنڈ محسوس ہو رہی تھی، اٹھ کر کمبل لینے کی ہمت نہیں تھی جو پیروں کے پاس ہی تھا، آنکھیں سختی سے بند کیے دوپٹے کے اندر ہی بازوؤں کو اپنے گرد لپیٹے وہ سونے کی کوشش کر رہی تھی، جب اس نے چونک کر ذرا کی ذرا آنکھیں کھولی تھیں، پنکھے کی اسپیڈ کم ہوتے ہوتے بہت معمولی سی رہ گئی تھی، شاید عارش کو بھی تیز ہوا بری لگ رہی تھی یا پھر اسے دیکھ کر عارش نے اندازہ لگا لیا تھا تھا۔ گہری خاموشی میں وہ اپنے دل کی دھڑکن اپنے ہی کانوں میں سن رہی تھی۔

''خرمن! مجھے اب موقع ملا ہے، تم سے باتیں کرنے کا، میں تمہاری آواز سننا چاہتا ہوں، میری یا اپنی نہیں مگر تم ماموں جان اور مامی کے بارے میں تو مجھ سے کوئی بات کر سکتی ہو''۔ بہت قریب سے ہی عارش کی آواز اسے سنائی دی تھی، اس کی آنکھوں میں مرچیں سی بھر گئی تھیں۔

''میں جانتا ہوں، ایسے وقت میں ان کی جدائی تمہارے لیے کرب کا باعث ہے، تم مجھ سے بات کر کے اس کرب کو کم کر سکتی ہو، ہماری خوشیاں اور غم اب الگ الگ نہیں ہیں''۔

''کیا بات کروں اب ان کے بارے میں تم سے، تم جو چاہتے تھے وہ ہو تو گیا ہے، میں ہی تو کانٹا تھی، سب نے مل کر مجھے الگ کر دیا ان سے''۔ اس کے لرزتے لہجے کی اذیت نے عارش کو اتنا شدید دھچکا پہنچایا تھا کہ وہ سرعت سے اس کا رخ اپنی طرف کر گیا تھا۔

''ایسا مت کہو، وہ تم سے الگ نہیں ہوئے ہیں''۔ دنگ نظروں سے عارش نے اس کی جل تھل آنکھوں کو دیکھا

تھا، مدھم سرخ روشنی میں اس کے چہرے پر اذیت ہی اذیت پھیلی تھی۔

''دنیا کی کوئی طاقت تمہیں ان سے الگ نہیں کر سکتی، تم ان کی اولاد ہو، وہ تم سے قریب ہوں یا دور ان سے تمہارا تعلق اٹوٹ ہے''۔ اس کے آنسو پوروں میں سمیٹتا وہ نرم لہجے میں بول رہا تھا۔

''تمہیں یاد ہے تم نے مجھ سے کہا تھا کہ تم چاہتی ہو کہ ماموں جان اپنے بھائیوں سے ملیں، ان کے تعلقات اپنے بھائیوں سے بہتر ہو جائیں، اور میں نے تم سے کہا تھا کہ میں تمہاری اس خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کروں گا''۔ وہ اسے یاد دلا رہا تھا جو گھٹی گھٹی سسکیاں بھر رہی تھی۔

''تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کسی اچھی نیت اور نیک مقصد کے لیے گئے ہیں، وہ صرف تمہارے ہیں اور تمہارے ہی رہیں گے، ان کی زندگی پر تھوڑا بہت حق ان کا بھی تو ہے، ہم اس بارے میں پہلے بھی بات کر چکے ہیں تم بھی متفق تھیں تو پھر اب یہ بے یقینی اور اندیشے کیوں؟'' سوالیہ نظروں سے وہ چند لمحوں تک اس کی بند پلکوں سے پھسلتے قطروں کو دیکھتا رہا تھا اور پھر بے اختیار ہی ان شبنمی قطروں کو اپنے ہونٹوں میں جذب کرنا شروع کر دیا تھا جبکہ خرمن کا وجود اس دہکتے لمس سے جھلسنے لگا تھا۔

''اب میرے سامنے ان موتیوں کو ضائع کرنے سے پہلے تم ہزار بار سوچو گی، مجھے یقین ہے''۔ گہرے مسکراتے لہجے میں بولتے ہوئے عارش نے اس کی کھلتی آنکھوں کو دیکھا تھا جس کے دل کی دھڑکن اب تک رکی ہوئی تھی۔

''کیسے بھول سکتے ہو تم میری حقیقت؟ گناہ تو روح کو بھی پاک نہیں رہنے دیتے، غلاظت سے گھن کھائی جاتی ہے، اس سے بچا جاتا ہے پھر تم کس طرح میرے قریب.....!'' اس سے پہلے کہ وہ لرزتے لہجے میں مزید کچھ کہتی عارش نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''میرے لیے صرف تم اہم ہو، مجھے کسی حقیقت، کسی سچائی سے نہ پہلے غرض تھی نہ کبھی آگے ہوگی، میرے لیے تمہارا وجود اتنا پاکیزہ اور مقدس ہے کہ میں تمہیں چھونے سے ڈرتا ہوں، مگر دور بھی نہیں رہ سکتا کہ یہ میرے اختیار میں نہیں ہے''۔ مدھم گمبھیر لہجے میں وہ بولا تھا اور اس کی پیشانی سے دوپٹہ ذرا سرکا دیا تھا، دمکتے ماہ نیم کی سحر انگیز روشنی نے اسے بے خود ہی تو کر دیا تھا، کچھ بھی یاد نہ رہا تھا، سوائے محبت کے، خرمن کا وجود برف کی طرح سرد اور منجمد ہونے لگا تھا، آج پھر قیامت کا سامنا تھا، اس کی سانسیں رک رہی تھیں، تنگ ہوتے مضبوط حصار کو توڑ کر وہ فرار ہو جانا چاہتی تھی، جبکہ اس کی کیفیت سے بے خبر عارش اس کی پلکوں کی گرتی چلمن کو شرم و حیا پر محمول کرتا فریفتہ ہونے لگا تھا، سانسوں کی تمازت میں، پھولوں سا بدن جیسے اک تھان سا ریشم کا جو کھلتا چلا جائے، محجوب سے چہرے پر، موتی وہ پینے کے ہونٹوں سے کوئی جن کو بس چنتا چلا جائے۔

☆.....☆.....☆

کھڑکی سے ذرا سرکے پردے سے راستہ بناتی دھوپ خوابیدہ چہرے تک آ پہنچی تھی، ادھ کھلی آنکھوں کو دھوپ سے بچاتے ہوئے اس نے وال کلاک کی سمت دیکھا تھا اور اگلے ہی پل اس کی نیند غائب ہو گئی تھی، سرعت سے اٹھتے ہوئے اسے خرمن کی غیر موجودگی کا احساس ہوا تھا اور یہ بھی کہ وہ اتنے دن چڑھے تک بے خبری کی نیند سوتا رہا ہے۔

گیلے بالوں پر ٹاول پھیرتا وہ سائیڈ ٹیبل پر چیختے سیل فون کی طرف بڑھا تھا اور عثمان کی کال ریسیو کر لی تھی۔

''تم زندہ ہو؟'' عثمان شدید حیران تھا۔

''الحمدللہ!''

''مگر ایک گھنٹے پہلے جب میں نے کال کی تھی جو تمہاری بیگم صاحبہ نے ریسیو کی انہوں نے مجھے اطلاع دی تھی کہ

تم فوت ہو چکے ہو"۔عثمان کا لہجہ خشمگیں تھا۔

"اس نے بالکل ٹھیک کہا، میں تو ہر دن اس پر مرتا ہوں"۔

"میری بلا سے، تم تڑپ تڑپ کر اس پر مرو، مگر شرافت سے اکیڈمی پہنچ جاؤ، مجھے بہت ضروری کام سے جانا ہے"۔

"میرے دوست، میرے بھائی! کچھ خدا کا خوف کرو، کل ولیمہ ہوا ہے میرا"۔اس کے حکم پر عارش دنگ ہوتا یاد دلا رہا تھا۔

"کل گزر گیا وہ ماضی کا حصہ بن گیا، کچھ دیر کے لیے استانی کے قدموں سے اٹھ جاؤ ورنہ میں آج پھر تمہارا ولیمہ منعقد کروا دوں گا"۔عثمان نے دھمکی دی تھی۔

"میرے پاس بس یہ آج کا ہی دن ہے، کل سے مجھے آفس بھی جوائن کرنا ہے، اب تو پورا سال میں اپنے باس کے سامنے چھٹی کا نام نہیں لے سکتا، کم از کم آج کے دن تو مجھے بخش دو، خرمن کیا سوچے گی"۔وہ جھلایا تھا۔

"اس کے پاس دماغ کہاں ہے جو سوچے گی، بس ایک زبان ہے جسے ہر صورت چلنا ہے"۔

"بکو مت، زبان تمہاری چلتی ہے بلکہ فراٹے بھرتی ہے، اس معصوم کی زبان سے تو پھول جھڑتے ہیں"۔ ڈریسنگ کے سامنے بالوں میں برش پھیرتا وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

"اتنی سفاک غلط بیانی کے بعد تم ہرگز بھی رعایت کے لائق نہیں رہے، شام سے پہلے اکیڈمی پہنچ جانا کیونکہ میں یہاں سے بھاگ رہا ہوں ہر صورت"۔

"مانی...! پلیز یار!" عارش التجا کرتا رہ گیا تھا مگر عثمان ان سنی کیے لائن ڈسکنیکٹ کر چکا تھا۔

کچن میں تیزی سے داخل ہوتے عارش نے رک کر اس کی پشت پر پھیلے ادھ کھلے نم بالوں کو دیکھا تھا اور پھر شرمندہ ہوتا اس کے قریب گیا تھا۔

"تم یہ کیا کر رہی ہو، چھوڑو سب، میں ناشتہ بناؤں گا"۔عارش نے اسے شانوں سے تھام کر ایک طرف ہٹانا چاہا تھا۔

"بیٹھ جاؤ، ناشتہ تیار ہو چکا ہے"۔اس کی جانب دیکھے بغیر آملیٹ پلیٹ میں نکالتی وہ اسے مزید شرمندہ کر گئی تھی۔

"مامی سے بات ہوئی تمہاری؟" فریج سے پانی کی باٹل نکالتے ہوئے عارش نے ایک گہری نظر اس کے سراپے پر ڈالی تھی۔

"ہاں، امی اور بابا سے بات ہوئی ہے، ناشتے کے بعد کال کر لینا، دونوں تمہارا پوچھ رہے تھے"۔ٹیبل پر تھرماس رکھتے ہوئے خرمن نے اس سے کہا تھا، جو کرسی پر بیٹھ رہا تھا، خاموشی کے ساتھ وہ پلٹ کر جا رہی تھی، جب عارش نے یکدم اس کا ہاتھ تھام کر روک لیا تھا۔

"تم ناشتہ نہیں کرو گی؟"

"وہ میں صبح کر چکی ہوں، یہ دوپہر کا وقت ہے"۔اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکالتی وہ بولی تھی۔

"ہاں! میں بھول گیا تھا مگر میرے ناشتہ کرنے تک تم یہاں بیٹھ تو سکتی ہو"۔سنجیدہ نظروں سے عارش نے اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھا تھا، جو نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

"میں بہت برا انسان ہوں، میری وجہ سے تمہیں اتنی جلدی کچن میں آنا پڑا ہے، ویسے مہندی والے ہاتھوں سے

بنایا گیا یہ ناشتہ بہت لذیذ ہے"۔مسکراتی نظروں سے عارش نے اس کی چمکتی پیشانی پر گری لٹوں کو دیکھا تھا، جبکہ اس کی پرتپش نگاہوں پر بیزاری محسوس کرتے ہوئے خرمن نے نامحسوس انداز میں دوپٹہ سر پر ڈال کر پیشانی تک گرا ہی لیا تھا، اس کی حرکت پر وہ بدمزہ ہوا تھا، مگر توجہ ناشتے کی طرف مرکوز رکھی تھی۔

"مانی کی کال ریسیو کی تھی تم نے؟" خاموشی توڑنے کے لیے عارش نے پوچھ لیا تھا۔

"تو کیا ہو گیا، تم سو رہے تھے تو میں نے اس کی کال ریسیو کر لی، کوئی اعتراض ہوا ہے تو بتا دو؟" یکدم خرمن کے ناگوار لہجے نے اسے حق دق کر دیا تھا۔

"میں نے ویسے ہی پوچھ لیا تھا، مجھے کوئی اعتراض کیوں ہوگا"۔عارش کے دنگ لہجے پر وہ ناگواری سے دوسری طرف ہی متوجہ رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے تمہیں، کیا مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے؟" وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

"عروسہ آپی کا صبح سے دو بار فون آ چکا ہے، تم مجھے ان کی طرف ڈراپ کر دینا"۔اس کا سوال نظر انداز کیے وہ بولی تھی۔

"مگر کیوں؟" وہ حیران ہوا تھا۔

"کل تمہارے سامنے ہی تو انہوں نے کہا تھا کہ میں آج سارا دن ان کی طرف رہوں گی، رات کو کھانے پر تم بھی انوائٹ ہو"۔ناگوار لہجے میں خرمن نے یاد دلایا تھا۔

"مگر میں آج سارا وقت تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا تھا"۔عارش کا چہرہ اتر گیا تھا۔

"میں تیار ہونے جا رہی ہوں، تم ذرا جلدی ناشتے سے فارغ ہو جاؤ"۔کوفت سے بولتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور ایک نگاہ بھی اس پر نہیں ڈالی تھی، جو شکایتی نظروں سے اسے کچن سے نکلتے دیکھ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

دھیرے سے گیٹ کھولتے ہوئے بیلا کا چہرہ فق تھا، بوکھلا کر اس نے عثمان کو باہر ہی روکا تھا، جو اطمینان سے اندر داخل ہونا چاہ رہا تھا۔

"رات کے تین بجے تم یہاں آ گئے، کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" بیلا نے ہول کر اسے گھر کا تھا۔

"کیوں....تم نہیں جانتیں؟" مسکراتی نظروں سے عثمان نے اس کے گھبرائے تاثرات کو دیکھا تھا۔

"مان! خدا کے لیے....گھر جاؤ، مجھے اپنی نہیں تمہاری پرواہ ہے"۔

"اور مجھے کسی کی پرواہ نہیں، بات نہیں کرنی تو ویسے ہی کہہ دو"۔وہ ناراضی سے بات کاٹ گیا تھا۔

"بات تو میں روز تم سے کرتی ہوں، یہ کیوں سوچا تم نے؟"

"فون پر بات پہلے بھی ہوتی تھی مگر اب سب کچھ پہلے جیسا نہیں رہا ہے، تم جانتی ہو، تمہیں دیکھے بغیر اب میں نہیں رہ سکتا"۔اس کے گہرے لہجے پر وہ نظر چرا گئی تھی۔

"تو پھر آ جاؤ مجھے ساتھ لے جانے"۔

"بس کچھ مہلت دو کہ میں تمہارے گھر کو تمہارے قابل بنا لوں، اس کے بعد میں پلٹ کر تمہیں اس گھر کی طرف دیکھنے بھی نہیں دوں گا"۔

"میں اس گھر میں جانا چاہتی تھی، جہاں تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کا خواب میں نے دیکھا تھا"۔وہ بجھے لہجے میں بولی تھی۔

''وہ گھر میرے باپ کا ہے، جو تھا ہو چکا ہے، اسے وہ اتنی آسانی سے قبول نہیں کریں گے، اور میری غیرت یہ گوارا نہیں کرے گی کہ میں تمہیں ان کے گھر میں رکھوں''۔

''انکل، آنٹی سب جانتے ہیں، تھوڑا وقت لگے گا مگر جب ان کا غصہ کم ہوگا، تو وہ ہمارے رشتے کو قبول کر لیں گے اور پھر برہان بھائی بھی تو ہیں ان دونوں کو سنبھالنے کے لیے''۔ بیلا کا لہجہ پر امید تھا۔

''اپنے باپ کو میں جانتا ہوں، ان کے لیے بیٹی داماد زیادہ اہم ہیں، تم میرے ساتھ اس گھر میں جاؤ گی جو ہمارا ہوگا، رہ گئے بھائی، تو ابھی ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں کہ یہاں کیا ہو چکا ہے، فوری طور پر وہ اچانک سب کچھ نہیں سنبھال سکیں گے، اب میں خود بھی انہیں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا، بہت کچھ کیا ہے انہوں نے میرے لیے، مگر اب جو کرنا ہے مجھے خود کرنا ہے''۔ وہ قطعی لہجے میں بولا تھا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو''۔ بیلا نے ایک گہری سانس لے کر اسے دیکھا تھا۔

''آج خرمن اور عارش کھانے پر انوائیٹڈ تھے، مجھے تمہاری کمی بہت محسوس ہوئی، تم نے کھانا کھایا ہے؟''

''ہاں! ریڈیو اسٹیشن پر آج ایک چھوٹی سی گیٹ ٹو گیدر تھی، ڈنر ختم ہونے تک اتنا وقت ہو گیا، راستے میں سوچا کہ تم سے ملتا چلوں''۔

''مجھ سے ملنا تھا سو مل چکے اب یہاں سے بھی چلتے بنو''۔ وہ نخوت سے بولی تھی۔

''سوچ لو، میں تو چلا جاؤں گا، مگر تمہیں میرے پاس ہی آنا ہے''۔ اس کے دھمکانے پر وہ دھیرے سے ہنسی تھی۔

''بس... تمہارا یہی ہنستا ہوا چہرہ دیکھنے آیا تھا، اب چلتا ہوں''۔

''بائیک تیز مت چلانا''۔ بیلا نے تاکید کی تھی۔

''اچھا میری سرپرست''۔ عثمان کے خشمگیں لہجے پر وہ مسکراتی ہوئی بائیک اسٹارٹ کرتا دیکھتی رہی تھی۔

احتیاط سے گیٹ لاک کرتی وہ جانے کے لیے پلٹی تھی مگر اگلے ہی پل اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی تھی، سیڑھیوں کے قریب رکے ہیولے کو وہ پہچان سکتی تھی، بیلا کی سانس رک چکی تھی جب وہ جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھے تھے، دوسرے ہی لمحے وہ اس کا بازو جکڑے کھینچتے ہوئے اوپر لے جا رہے تھے، سفید پڑتے چہرے کے ساتھ عروسہ ان کو دیکھ رہی تھیں، جو بیلا کو ایک جھٹکے سے ان کی سمت دھکیل چکے تھے۔

''پوچھو اس سے اور کتنی بار یہ رات کی سیاہی میں اپنا منہ کالا کرتی رہی ہے، میری ناک کے نیچے میری ہی عزت کے جنازے نکالتی رہی ہے''۔ فاروق کی گرجتی بلند آواز نے لاؤنج کی دیواروں کو لرزا دیا تھا، بمشکل عروسہ اسے دیکھ سکی تھیں، جس کے چہرے پر کوئی خوف نہیں تھا، اس کے تیور فاروق کے اشتعال سے کسی طور کم خطرناک نہیں تھے۔

''اپنی عزت، اپنی میں، اپنی اولاد، ان سب کے علاوہ کچھ نظر ہی کہاں آتا ہے آپ کو، جن کی پرواہ کرتے ہیں ان سے عزت کی توقع رکھیں، مجھ سے نہیں''۔ وہ حلق کے بل چیختی مزید فاروق کو بھڑکا گئی تھی، فاران نے سرعت سے درمیان میں آ کر انہیں روکا تھا۔

''مت روکو مجھے، آج میں اس کی زبان کاٹ دوں گا اور اسے بھی دیکھتا ہوں جس نے اس کو یہ زبان دی ہے، بے غیرت لڑکی، میری آنکھوں کے سامنے منہ کالا کرنے کے بعد بھی میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے چیخ رہی ہے، جانے کب سے میری آنکھوں میں دھول جھونک رہی ہے یہ''۔

''کوئی دھول نہیں جھونکی، سب جانتے ہیں، کچھ چھپا نہیں ہے آپ سے، آپ نے جو پردے اپنی عقل پر خود ڈال رکھے تھے، آج میں نے وہ ہٹا دیا تو برداشت نہیں ہو رہا؟''

''میری عقل سے پردے ہٹاؤ گی تم؟'' ایک جھٹکے سے فاران کو الگ ہٹاتے وہ پھر کر بیلا کی طرف بڑھے تھے، سانس روکے عروسہ پتھرائی نظروں سے سب کچھ دیکھ رہی تھیں، فاروق کو انہوں نے پہلے کبھی ایسے بھیانک اشتعال میں نہیں دیکھا تھا، ان کے ہاتھ بیلا کے چہرے پر لگاتار برس رہے تھے، اسے بچاتے ہوئے فاران بھی ان کے بھاری ہاتھوں کی زد میں آ رہا تھا۔

''یہاں کیا کرنے آیا تھا وہ ذلیل انسان؟ کب سے یہ تماشے چل رہے ہیں اس گھر میں؟''

''ملنے آیا تھا مجھ سے، میں نے بلایا تھا اسے، نہیں رہ سکتی اس کے بغیر، مر جاؤں گی اس کے بغیر''۔ وہ جنونی انداز میں چیخی تھی۔

''بے شرم، بدذات ہو تم، میں جان سے مار دوں گا تمہیں''۔ شدید جلال میں وہ ایک بار پھر اس پر ہاتھ اٹھا گئے تھے۔

''بس کریں پاپا! کیا جان سے مار دیں گے؟'' فاران بمشکل ان کا ہاتھ روکتا چیخ اٹھا تھا۔

''ہاں! مار دوں گا اسے، اسی ذلیل انسان کے ساتھ اسے قبر میں اتاروں گا، اسے تو پیدا ہوتے ہی مر جانا چاہیے تھا''۔

''مار دیں مجھے، پوری کر لیں اپنی خواہش، میرا وجود آپ کے لیے نفرت ہی نفرت ہے، آج تک آپ سے مجھے نفرت اور حقارت کے سوا ملا ہی کیا ہے، آپ نے کبھی مجھے انسان بھی نہیں سمجھا، کیا حیثیت دی ہے آپ نے مجھے اپنے گھر میں، کونے میں پڑے ایک کوڑے دان کی اہمیت بھی مجھ سے زیادہ ہے، شرم آتی ہے مجھے آپ کو اپنا بھائی کہتے ہوئے، میرے لیے آپ کی زبان پر زہر کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا، کسی بہن کو آپ جیسا بھائی نہیں ملنا چاہیے، میرا آپ سے کوئی رشتہ نہیں ہے، نامحرم ہیں آپ میرے لیے''۔ وہ ہذیانی انداز میں چیختی فاروق کے غصے کو آسمان تک پہنچا گئی تھی۔

''تم اسی قابل تھیں کہ تم سے نفرت کی جائے، بے حیثیت رکھا جائے، وہ محرم ہے جسے رات کے اندھیرے میں ملاقات کے لیے بلایا تھا؟''

''ہاں! وہ محرم ہے، وہی مجھ پر سارے حق رکھتا ہے، یہ حق میں نے اسے دیا ہے، رات کی تاریکی میں ہی نہیں اسے دن کے اجالے میں بھی میرے پاس آنے سے کوئی نہیں روک سکتا، آپ بھی نہیں''۔ بے خوفی سے چیختی وہ جیسے دھماکے کر چکی تھی۔

''کیا کر چکی ہو تم؟'' فاروق کا چہرہ لال بھبھوکا ہوا تھا۔

''وہ میرا شوہر ہے اور کیا کچھ جاننا چاہتے ہیں؟'' بیلا کی گونجتی آواز عروسہ کے وجود سے جان نکال گئی تھی۔

''جو آپ نے شروع کیا تھا، وہ میں نے ختم کر دیا ہے''۔ وہ غرائی تھی مگر اگلے ہی لمحے اس کی گردن فاروق کے ہاتھوں کے شکنجے میں جکڑ گئی تھی، اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔

''ابھی آپ کے پاس وقت ہے، مار ڈالیں مجھے، میں بھی دیکھتی ہوں، کیا منہ دکھائیں گے آپ میرے ماں باپ کو جو مجھے آپ کے سہارے چھوڑ گئے تھے، ان کو بھی مجھ پر رحم نہیں آیا تھا، کاش وہ مجھے اس دنیا میں نہ لاتے، لے آئے تھے تو آپ جیسے بے حس انسان کا محتاج بنا کر نہ چھوڑ جاتے، آپ کے سینے میں کچھ نہیں ہے سوائے پتھروں کے ڈھیر کے''۔ تنگ ہوتی گرفت کی اذیت کے باوجود وہ گھٹے لہجے میں بولی تھی، قہر آلود نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے فاروق نے ایک جھٹکے سے اس کی گردن چھوڑ دی تھی۔

''آج سے تم میرے لیے اور میں تمہارے لیے مر چکا ہوں''۔ فاروق کے لہجے میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔

☆.....☆.....☆

(جاری ہے.....)

سیدہ فرزانہ حبیب فرزین

افسانہ

وفا کا پیکر

''تم بدکردار عورت ابھی میری نظروں کے سامنے سے دفع ہوجاؤ، میں نے تم پر اعتماد کیا، رہنے کے لیے گھر، ضرورت کی ہر چیز مہیا کی اور بدلے میں تُو نے مجھے کیا دیا؟ رسوائی، ذلت، بس ابھی اسی وقت اپنا ناپاک وجود لے کر یہاں سے دفع ہوجاؤ''۔ وہ تو پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس مرد کو دیکھ رہی تھی جو اس کا شوہر، اس کا سائبان تھا، مگر صرف ایک لمحے میں اس نے اپنے شک اور بدگمانی سے اسے اس کی ہی نظروں میں گرادیا، عرش سے اٹھا کر فرش پر پٹخ دیا، اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے کچھ کہنا چاہا۔

''دانیال! آپ.... آپ پلیز میری بات تو سنیں میں تو اس گھر کی عزت بچانے گئی تھی وردہ کی خوشی کے لیے''۔

''بس.... اپنی ناپاک زبان سے میری معصوم بہن کا نام مت لینا، اس نے مجھے سب بتا دیا ہے، اتنے دنوں سے میری ہی ناک کے نیچے عشق کا کھیل رچاتی رہیں اور جب میری بہن نے سمجھانے کی کوشش کی تو اسے دھمکیاں دینے لگیں، وہ معصوم اس گھر کی عزت کے لیے، میری محبت میں خاموش رہی مگر اب نہیں، آج میں نے خود تمہیں اس بدقماش رامس کے ساتھ ریسٹورنٹ سے نکلتے دیکھا ہے اور یہ تصویریں... کہہ دو یہ سب جھوٹ ہے اور یہ خطوط جس میں اس نے کھلم کھلا اپنی محبت کا اظہار کیا ہے کیا یہ سب غلط ہے؟'' وہ یہ سب دیکھ کر حیران رہ گئی، اس نے وردہ کی طرف بے بسی سے دیکھا جہاں ایک تمسخر بھری زہریلی مسکراہٹ اور اپنی سازش میں کامیابی کا غرور تھا۔

''اوہ.... تو وردہ! یہ تمہاری چال ہے، جب میں نے تمہیں رامس سے ملنے سے روکا اس کا اصل چہرہ دکھانا چاہا کہ وہ کس طرح تمہاری معصومیت سے کھیل رہا ہے، تو بجائے اس کے کہ تم اپنے کیے پر نادم ہوتیں الٹا میرے ہی خلاف سازش کا ایسا جال بچھایا، جس میں، میں پھنستی چلی گئی اور مجھے پتہ ہی نہیں چلا آج تمہارے ہی کہنے پر کہ، رامس تمہیں بلیک میل کر رہا ہے، اس کے پاس تمہارے خطوط اور تصاویر میں جس کے عوض وہ 20,000 مانگ رہا ہے، اور میں ہی ہوں جو تمہیں اس ذلت کے دلدل سے نکال سکتی ہوں اور میں کتنی بے وقوف تھی جو تمہاری چالاکیوں کو نہیں سمجھ سکی، آج بغیر سوچے سمجھے اپنے شادی کے کنگن جو میری ماں کی آخری نشانی تھی، اس ذلیل انسان کو تمہاری عزت کے عوض دینے چل دی، اور تم نے مجھے ہی رسوا کر دیا''۔ مگر اس کے پاس کوئی

ثبوت نہیں تھا، یہ تصویر اسی وقت لی گئی تھی جب آج صبح وہ رامس سے ملنے اور سمجھانے گئی تھی، اور یہ وہ خطوط تھے جو رامس نے وردہ کو لکھے تھے مگر اب بڑی مہارت سے وردہ کے نام کی جگہ اس کا نام لکھا تھا۔

''اب کیا سوچ رہی ہو؟ کیا کوئی نئی چال، نیا ڈرامہ؟ مگر اب سب کچھ واضح ہو چکا ہے، مکار عورت! میں تمہیں طلاق دیتا ہوں، طلاق، طلاق...!'' اور وہ اس شخص کو دیکھتی رہ گئی جس نے 2 سال کی رفاقت، اس کی وفا، قربانیوں کا صلہ طلاق کے طوق کی صورت اسے دیا تھا، وہ آخری نظر اس شخص پر، اس گھر پر جسے اس نے بڑی محبتوں سے سجایا تھا ڈال کر وہاں سے، اس کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے نکل گئی، اس کا باپ بیٹی کے اس غم کو برداشت نہیں کر سکا اور ہمیشہ کے لیے ابدی نیند سو گیا، اب وہ اپنے بھائی اور بھابی کے رحم و کرم پر تھی، دن رات گھر کے کام کرنا، بھابی کی جلی کٹی سننا اس کا مقدر تھا، مگر کہتے ہیں ناں! خدا کسی کو اس کی برداشت سے زیادہ دکھ نہیں دیتا، وہ منصف ہے، مہربان ہے، لہٰذا اس کی خزاں رسیدہ زندگی میں اللہ نے دامیان سوری کو مضبوط سائبان بنا کر بھیجا، دامیان جو اس کی بھابی کا کزن تھا اسے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا، حزن و ملال میں ڈوبا یہ شرم و حیا کا پیکر اس کے دل کی آرزو بن گیا اور پھر اسے اپنی زندگی میں شامل کر کے چھوڑا۔

☆.....☆.....☆

''وفا! آپ واقعی اپنے نام کی طرح ہیں، مجھے بھابی سے سب معلوم ہو چکا ہے، اگرچہ انہوں نے مجھے بہت منع کیا کہ آپ سے شادی کا خیال دل سے نکال دوں، مگر مجھے بھی اتنا تجربہ ہے، زندگی کی پرکھ ہے جو کچھ بھی آپ کے ساتھ ہوا وہ سب غلط ہے، آپ جیسی حیادار لڑکی کبھی کوئی غلط قدم نہیں اٹھا سکتی، میں وعدہ تو نہیں کرتا کہ آپ کی زندگی میں کبھی غم، کبھی کوئی تکلیف نہیں آئے گی مگر پوری کوشش کروں گا، آپ کی خوشیاں، آپ کی ذات کا غرور واپس لوٹ آئے''۔ اور وہ اس شخص کو دیکھ کر رہ گئی، جو اسے صحیح طرح جانتا بھی نہ تھا اور اس کی وفا، اس کے بے قصور ہونے پر اعتبار کر رہا تھا، اور پھر واقعی وقت نے ثابت کر دیا، دامیان سوری نے اپنے عمل، اپنی محبت سے اس ٹوٹی بکھری لڑکی کو سمیٹ لیا، اس کی کھوئی ہوئی خوشیوں کو اسے واپس لوٹا دیا، اس کی بے رنگ آنکھوں میں اپنی چاہت کے رنگ بکھیر دیے۔

آج پانچ سال ہو گئے تھے دامیان کو اس کی زندگی میں شامل ہوئے، آج اس کے پاس سب کچھ تھا، محبت کرنے والا شوہر، پیاری سی بیٹی اور اس کا گھر جو زمین پر ہی اس کی جنت تھا، آج ان کی 5th Wedding Aniversery تھی، اس نے تیار ہو کر شیشے میں ایک طائرانہ نظر ڈالی تو اپنے پیچھے دو شوخ سی آنکھوں کو وفور شوق سے اپنی طرف دیکھتے پایا۔

''Oh my sweet wife! تم تو دن بہ دن خوبصورت ہوتی جا رہی ہو، سوچو یہی حال رہا تو میرا دل ایک دن دھڑکنا بھول جائے گا''۔ دامیان نے اس کی چھوٹی سی ناک دباتے ہوئے کہا تو وہ شرم سے گلنار ہو گئی۔

''آپ بھی ناں بس.... نہ وقت دیکھتے ہیں نہ موقع بس فوراً شروع ہو جاتے ہیں، جلدی باہر چلیں سب لوگ ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے''۔ اس نے اسے دروازے کی طرف دھکیلا تو دامیان نے مصنوعی آہ بھری۔

''اونہہ.... ڈیئر وائف! سارے موڈ کا ستیاناس کر دیتی ہو، مجال ہے جو کبھی Romantic ہونے دیا ہو، اچھا خیر! تمہیں تو بعد میں دیکھ لوں گا''۔ یہ کہہ کر منہ بناتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف بڑھا تو اس کی تین سالہ بیٹی موموا س کی طرف بھاگتی ہوئی آئی۔

''ماما... ماما! باہر ایک آنٹی آئی ہیں، آپ کو بلا رہی ہیں''۔ اس نے ماں کی بانہوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے توتلی زبان میں کہا تو وہ دونوں ہنس دیے۔

''اچھا انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ ہم آتے ہیں''۔ اس کا خیال تھا کوئی Guest آئے ہوں گے، آج کی تقریب میں شرکت کے لیے، جب وہ ڈرائنگ روم میں دامیان کے ساتھ پہنچی تو وہاں موجود ہستی کو دیکھ کر اس کی آنکھیں پتھر کی ہو گئیں۔

''تم.... وردہ! اب کیا لینے آئی ہو؟ کیا ایک بار پھر

میرے ہنستے بستے گھر کو اجاڑنے آئی ہو، جاؤ چلی جاؤ یہاں سے''۔ اس نے نفرت سے منہ پھیرتے ہوئے کہا تو دامیان جو اس کی ذہنی حالت دیکھ کر حیران ہو گیا تھا، اسے فوراً سمجھ میں آ گیا کہ وہ عورت کون ہے؟

''پلیز وفا! ایک بار میری بات سن لیں''۔

''مجھے کچھ نہیں سننا، آج سے 6 سال پہلے میں بھی اسی طرح روئی تھی، گڑگڑائی تھی، مگر تم نے اور تمہارے اس کچے کان کے بھائی نے میری ایک نہ سنی، مجھے دربدر کر دیا، اگر آج دامیان کا ساتھ نہیں ہوتا تو کبھی میں دوبارہ زندگی پر بھروسہ کرنے کے قابل نہ ہوتی''۔ وفا نے رندھی ہوئی آواز میں کہا تو وردہ کی شرم سے نظریں جھک گئیں، یہ وہی وردہ تھی جس کو اپنی خوبصورتی پر ناز تھا، جو اس کی ہر پسندیدہ چیز کو استعمال کرنا اپنا حق سمجھتی تھی، جسے اس نے ہمیشہ اپنی چھوٹی بہن کی طرح سمجھا، آج اجڑی اجڑی کسی پرانے کھنڈر کی عمارت کا نمونہ لگ رہی تھی۔

''پلیز وفا! آج اپنے انہی گناہوں کی معافی مانگنے آئی ہوں، میں نے آپ کے کردار پر الزام لگایا آپ کو برا بھلا کہا تو میں بھی آباد نہ رہی، رامس کے ساتھ مل کر میں نے جو سازش آپ کے خلاف کی، جو گڑھا آپ کے خلاف کھودا خود اسی میں گر گئی، آپ نے صحیح کہا تھا کہ رامس ایک بدکردار انسان ہے، مگر اس وقت اس کی جھوٹی محبت کے فریب میں آپ کے خلوص کو نہ پہچان سکی، اور اسی رامس نے مجھے اپنے ناپاک مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہا، زیور، نقدی تو وہ پہلے ہی اپنے بہانے سے لے چکا تھا، جب مجھے اس کی اصلیت کا پتا چلا تو بہت دیر ہو چکی تھی، میں نے غلط کاموں میں اس کا ساتھ دینے سے انکار کیا تو اس نے وہ ساری تصاویر اور خطوط بھائی کو دکھا دیے اور سب کچھ بتا دیا کہ کس طرح اس نے مجھے کہنے میں آ کر آپ کے خلاف جھوٹے ثبوت پیش کیے، وہ تو خیر اس شہر سے روپوش ہو گیا، مگر میں بھائی کی نظروں میں ہمیشہ کے لیے گر گئی، میں نے بہت معافی مانگی مگر بھائی تو جیسے سکتے ہو گیا، کہ میں نے کس طرح ان کی شفقت، محبت، ان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی، آپ جیسی وفادار بیوی کے خلاف بھڑکایا، وہ آپ سے بہت شرمندہ ہیں ہم نے آپ کو بہت تلاش کیا، مگر آپ وہ شہر چھوڑ چکی تھیں، اس کے بعد بھائی کی صحت دن بہ دن گرتی چلی گئی، وہ پچھتاووں کی آگ میں جل رہے ہیں، ہمارا سارا کاروبار ختم ہو گیا، یہ سب میری وجہ سے ہوا، کھلے والے مجھے حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، کسی پل مجھے چین نہیں، اب کل ایک میگزین میں آپ کا انٹرویو دیکھا تو پتہ چلا آپ دامیان سوری جیسے کامیاب بزنس مین کی بیوی ہیں تو دل کو تھوڑا سکون ہوا کہ اللہ نے آپ کو، آپ کی وفاؤں کا صلہ اتنے اچھے انسان کی صورت میں دیا اور آج میں آپ کے پاس اسی لیے آئی ہوں کہ پلیز! مجھے معاف کر دیں، میرے اس بھائی کو معاف کر دیں، جس نے مجھ جیسی خود غرض، بہن کی محبت میں آپ پر شک کیا، آپ کے کردار کو رسوا کیا، وہ آج بستر مرگ پر ہیں، ڈاکٹر نے انہیں کینسر بتایا ہے، صرف ان کی روح کو اسی وقت قرار آئے گا، جب آپ انہیں معاف کر دیں گی''۔ وردہ نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے تو اس نے دامیان کو دیکھا، اس نے اثبات میں سر ہلایا تو اس نے وردہ کے ہاتھوں کو تھام لیا۔

''میں نے تمہیں معاف کیا، میرا اللہ بھی تم دونوں کو معاف کرے''۔ تو وردہ اس کا شکریہ ادا کرتے اور اس کو دائمی خوشیوں کی دعائیں دیتی وہاں سے چلی گئی، دامیان نے محبت سے اس کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''آج کے بعد میں ان آنکھوں میں آنسو نہ دیکھوں، یہ انمول موتی بے مول ہونے کے لیے نہیں''۔ دامیان نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا تو وہ اس کی اتنی محبتوں اور اللہ کی مہربانیوں پر خوشی سے مسکرانے لگی، آج اللہ نے اسے سرخرو کر دیا تھا، اس کے کردار پر لگا جھوٹا داغ مٹ چکا تھا، اور اس کی وفاؤں، حیا اور خلوص کے بدلے دامیان جیسا اعلیٰ ظرف، قابل اعتبار شخص اس کا ہم سفر تھا، اسے یقین تھا اب اس کی زندگی میں صرف راحت اور سچی محبت تھی، یہ سوچتے ہوئے وہ اپنے ہم سفر کے ساتھ باہر آنے والے مہمانوں کو اپنی خوشیوں میں شامل کرنے چل دی۔

☆.....☆.....☆

سعدیہ عابد

قسط نمبر 14۔

سلسلے وار ناول

بندِ قبا کھلنے لگی جاناں

"میری طرف سے تو معذرت، میں نہیں آپاؤں گی"۔ اس کا کورا جواب ماہ لاج کے چہرے کو تاریک کر گیا تھا اور اس کے چہرے کو دیکھ کر وہ اسے تاسف سے دیکھنے لگی تھیں جسے کسی کا دل رکھنا نہیں آتا تھا، رواداری اور دنیا نبھانے کا طریقے

نوٹ: ردا کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی ردا کو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

نہیں آتا تھا۔

"لیکن کیوں؟ اگر اجازت کا مسئلہ ہے تو میں تمہاری ممی سے بات کرلوں گی"۔ وہ خود کو کمپوزڈ کر کے سوال داغنے کے ساتھ ہی حل بھی پیش کر گئی تھی۔

"مجھے پارٹیز وغیرہ میں جانا قطعاً پسند نہیں ہے اور تایا ابو کو بھی یہ سب ناپسند ہے وہ مجھے کبھی اجازت نہیں دیں گے کیونکہ ویسے بھی میں خود ہی تمہارے گھر نہیں آنا چاہوں گی اسی لیے اجازت لینے کی کوشش بھی نہیں کروں گی"۔ پہلے تو پھر بھی اس کا لہجہ کچھ نرم تھا اب کے وہ بے رخی سے ناک چڑھا کر بولی تھی اور پیپسی کا ٹین خالی کر کے ان لوگوں کو لائبریری

جانے کا بتا کر کینٹین سے نکلتی چلی گئی تھی۔

''آئی ایم سوری لاج! میں جانتی ہوں تم صرف میری وجہ سے حنین کا مس بی ہیویئر برداشت کر لیتی ہو''۔ سحرش نہایت شرمندگی سے کہہ رہی تھی۔

''حنین سے دوستی میں نے صرف اور صرف اس لیے کی کہ میں نہیں چاہتی تھی کہ مجھ میں یا حنین میں سے تمہیں کسی ایک سے دوستی ختم کرنی پڑے، لیکن مجھے اندازہ نہیں تھا کہ حنین دوستی کر لینے کے بعد بھی میرے ساتھ گزری تلخیوں کی کڑواہٹ نکالے گی''۔ وہ نہایت متاسفانہ لہجے میں بول رہی تھی۔

''ایسی بات نہیں ہے کہ وہ کنعان بھائی کا غصہ تم پر نکال رہی ہے، وہ بائے نیچر ہی ایسی ہے، اسے کسی کا دل رکھنا نہیں آتا، بلیومی کچھ عرصہ اس کے ساتھ رہو گی، دوستی پکی ہو گی تو تم ہی نہیں وہ بھی تمہیں سمجھنے لگے گی کہ وہ منہ پھٹ ضرور ہے مگر کسی کو ہرٹ نہیں کر سکتی، خاص کر جان کر کے، انجانے میں اپنی فطرت کے آگے مجبور ہو کر ہی بس وہ تمہارے ہی نہیں کسی کے بھی ساتھ مس بی ہیو کر جاتی ہے، مگر احساس ہوتا ہے تو ازالے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہے زیادہ نہیں تو سوری تو کر ہی لیتی ہے اور وہ احساس ہوتے ہی تم سے بھی معذرت کر لے گی، بس تم اسے کچھ وقت دے دو''۔ سحرش اور اس کا ساتھ بچپن کا تھا، حنین کی تمام تر نازک مزاجیوں کے باوجود اسے اپنی دوست بے حد عزیز تھی اور اسے لگا کہ اس کی دوسری دوست اس سے بدگمان ہو رہی ہے تو اس نے اس کی بھرپور طریقے سے وکالت کی تھی۔

''سحرش ٹھیک کہہ رہی ہے، حنین جیسی دکھتی ہے یا ظاہر ہوئی ہے وہ ایسی بالکل نہیں ہے کہ دل میں برائی رکھ کر تو وہ کسی سے بھی نہیں مل سکتی کہ اسے کنعان بھائی کی پرخاش تم سے نکالنی ہوتی تو وہ تم سے دوستی ہی نہ کرتی''۔ سمیرا نے بھی دوستی کا حق ادا کرتے ہوئے فوراً ہی اسے سپورٹ کیا تھا۔

''اس کے مزاج کو میں بھی سمجھنے لگی ہوں، لیکن یہ بات بہت زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے کہ کوئی ہمارے عزیز سے اتنا بدگمان اور متنفر ہے کہ اس کی موجودگی کو برداشت کرنا تو دور کی بات اس کا نام تک سننا گوارا نہ کرے''۔ وہ اداسی سے بول رہی تھی۔

''مجھے یہ بات سمجھ نہیں آ رہی کہ محض اچانک ٹکرا جانے کے سبب حنین میرے لالہ جان کو اتنا سخت ناپسند کرنے لگی ہے تو کیوں؟ کہ اچانک تو کسی سے بھی ٹکرایا جا سکتا ہے ایسے میں اتنی شدید ناپسندیدگی ورد عمل کا ظاہر کرنا میری تو سمجھ سے باہر ہے''۔ وہ ہر بار الجھ جاتی تھی مگر اس کی الجھن کوئی بھی سلجھانے کے موڈ میں نہ تھا اور وہ دونوں تو خود اس کی طرح الجھن کا ہی شکار تھیں۔

''حنین فطرتاً ہی نازک مزاج اور حساس طبیعت رکھتی ہے، وہ معمولی سی بات کو بھی بھلا نہیں پاتی کہ اس کے اردگرد بسے لوگ صرف اس کی راحت کا سبب ہیں ایسے میں کوئی تکلیف پہنچا دیتا ہے تو اس کی حساس طبیعت پر نہ صرف گراں گزرتا ہے بلکہ وہ برداشت نہیں کر پاتی، بات کچھ نہیں ہے بس مسئلہ حساسیت کا ہے، کچھ عرصے میں وہ سب بھول جائے گی تو نارمل ہو جائے گی اور اس سارے عرصے میں تمہیں بھی سروائیو کرنا پڑے گا کہ میں نہ تمہارے لیے کچھ کر سکتی ہوں نہ اسے سمجھا سکتی ہوں کہ وہ کسی بھی بات پر قائل تو ہو جاتی ہے مگر مطمئن صرف اپنے دل و دماغ کے فیصلے کے بعد ہے اور یہ بات حنین کی فطرت کی ہر مضبوطی و کمزوری اس کا ہر رشتہ جانتا ہے اسی لیے اسے اسی حساب سے ٹریٹ بھی کرتا ہے، میں بھی اسے غلط مانتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتی سوائے اس کے کہ تم سے اس کے ہر برے رویے کی معذرت کر لوں''۔ حنین اس کی بیسٹ فرینڈ تھی اسے بہت عزیز تھی اسے مکمل سپورٹ کر رہی تھی مگر ایسے کہ ماہ لاج ناراض نہ ہو کہ وہ بھی اس کی دوست تھی، وہ لاج یکدم ہی مسکرا دی۔

''تم معذرت نہ کرو کہ اب وہ اچھی ہے، بری ہے جیسی بھی ہے میری دوست ہے، لالہ جان کی وجہ سے ہرٹ ہو جاتی ہوں کہ ان سے بہت محبت کرتی ہوں اور ان کے ذکر پر اس کا منہ بنانا مجھے تکلیف دیتا ہے، لیکن مجھے رشتوں کو بیلنس کرنا آتا ہے میں انشاء اللہ دوست کی وجہ سے بھائی اور بھائی کی وجہ سے دوستی کے رشتے میں دراڑ نہ آنے دوں گی، حنین کو دوست بنایا ہے تو اب دوستی نبھاؤں گی بھی، اسی لیے اس سارے ذکر کو جانے دو اور یہ سوچو کہ میری برتھ ڈے پارٹی میں، میں اس کی شرکت کو کیسے یقینی بناؤں؟'' وہ اداسی بھلا کر بشاشت سے کہتی ان دونوں کو ہی پرسکون کر گئی تھی۔

''لیکن! مجھے نہیں لگتا کہ وہ آئے گی؟'' سمیرا نے خیال ظاہر کیا تھا۔

''اوہوں....! مجھے بھی یہی لگتا ہے اس لیے میری مانو تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دو، اسے فورس بالکل مت کرو''۔ سحرش اس کی ہمنوا بن گئی تھی۔

''خیال ظاہر نہ کرو، آئیڈیا سوچو کہ وہ کسی طرح میری برتھ ڈے پارٹی میں شریک ہو جائے''۔ اس نے ان دونوں کو ہی گھور کر کہا تھا۔

''اگر میں زرمین بھابی سے بات کروں تو کیسا رہے گا؟ کہ اگر وہ مان گئیں تو وہ خود ہی حنین کو منا لیں گی''۔ سمیرا کا مشورہ ان دونوں کو ہی پسند آیا تھا اور وہ زرمین سے بات کرنے کا کہتی اٹھ گئی تھی کہ بریک ٹائم ختم ہو گیا تھا ان کی کلاس شروع ہونے والی تھی۔

☆.....☆.....☆

''پلیز! زرمین بھابی! اس میں حرج ہی کیا ہے؟ ماہ لاج ہماری مشترکہ دوست ہے اور اس کی فیملی بھی کوئی انجان نہیں ہے، آپ تو جانتی ہی ہیں کہ لاج، فیصل کے دوست کی بہن ہے، میں فیصل کے ساتھ ان کے گھر بھی گئی ہوں، آپ بات کریں گی تو نوید انکل حنین کو اجازت دے دیں گے''۔ جب سمیرا نے اسے ساری بات بتائی تھی تو اس نے بڑے تحمل کا مظاہرہ کیا تھا اور بڑے سبھاؤ سے نوید عالم کو ڈھال بنا کر حنین کے نہ جانے کا جواز پیش کر دیا تھا مگر وہ کہاں مانی تھی الٹا اسے قائل کرنے کی کوشش کرنے لگی تھی جبکہ اسے بھی قائل نہ ہونا تھا کہ وہ ہر بات سے واقف تھی اور وہ حنین کو ہرگز بھی اس شخص کے گھر نہ بھیجتی جس کی بے باکی کی داستان اسے آج بھی مضطرب کر دیتی تھی۔

''سمیرا! ابو نے ہم بہنوں کو اس طرح دوستوں کے گھر آنے جانے کی اجازت کبھی نہیں دی، اور حنین کو تو وہ کبھی اکیلے کہیں جانے ہی نہیں دیتے''۔

''میرے اور سحرش کے ہوتے ہوئے وہ اکیلی کیسے ہو گی؟ کہ ویسے بھی پارٹی میں تو آپ نے بھی جانا ہے وہ ہماری بڑی فیملی کو انوائٹ کرے گی''۔ اس نے فوراً ہی زرمین کے جواز کو مسترد کر دیا تھا۔

''وہ انوائٹ کرے گی جب کی جب دیکھی جائے گی کہ اگر ابو چاہیں گے تو اسے اجازت دے دیں گے''۔ وہ بہت دوٹوک کا مظاہرہ کرتی بولی اور بات ہی ختم کر کے اٹھ گئی۔

''بھابی! اصل میں بات انکل کی اجازت کی نہیں ہے، حنین کی مرضی کی ہے کہ وہ جانے سے صاف انکار کر چکی ہے، ہماری شادی میں جو کنعان بھائی اس سے ٹکرا گئے تھے اس کی وجہ سے وہ ان پر کچھ غصہ ہے اور وہ اپنا غصہ نہ چاہتے ہوئے لاج پر نکال دیتی ہے اور آپ خود بتائیے! کہ کیا یہ سب صحیح ہے؟'' وہ سمیرا کی بات پر پلٹی اور اسے دیکھنے لگی۔

''لاج تو اس کے ساتھ فیئر ہے لیکن وہ لاج کے ساتھ اکثر روڈلی ہیو کر جاتی ہے اور یہ بات تو انتہائی غلط ہے ناں کہ کسی کے کیے کی سزا کسی اور کو دی جائے اور ویسے بھی لاج ٹھیک ہی کہتی ہے کہ اچانک تو کسی سے بھی انسان ٹکرا سکتا ہے انسان کی غلطی نہ ہو اور وہ پھر بھی معافی مانگ لے تو اس کے بعد آپ کا برا رویہ کیا معنی رکھتا ہے؟ حنین کا رویہ ہم میں

سے کسی کو بھی سمجھ نہیں آ رہا، کنعان بھائی جان کر تو نہیں ٹکرائے تھے جو وہ یوں ان پر غصہ ہے کہ جان کر ایسا کرتے تو اس کا غصہ کرنا بنتا بھی، لیکن ان کے معافی مانگ لینے کے بعد بھی اس کا رویہ ہنوز ہے تو کیوں؟'' سمیرا نے نہ صرف اپنے ذہن کی بلکہ ماہ لاج کی کہی بھی ہر بات کہہ ڈالی تھی اور زرمین کے لیے سوچوں کے کئی در وا کر دیئے تھے۔

''جو بات کسی کے علم میں نہیں ہے وہ تم سب کو خبر کرنے کیوں چلی ہو؟'' ارحم الحسن کا خائف لہجہ کانوں میں گونجا تھا۔ اس نے سمیرا سے کہہ دیا تھا کہ وہ حنین کو سمجھائے گی اور تب سے وہ کمرے میں بند ان ہی سب باتوں کو سوچے جا رہی تھی۔

''ارحم نے ٹھیک کہا تھا کہ جو ہو گیا وہ لوٹایا نہیں جا سکتا، ہاں آگے احتیاط کی جا سکتی ہے تاکہ آئندہ ایسا کچھ نہ ہو اور نہ ہی کسی کو کسی بھی سبب کچھ بھی پتہ چلے اور اس کے لیے مجھے حنین کی برین واشنگ کرنی ہوگی کہ کہیں وہ اپنی ازلی بے وقوفی دکھاتے ہوئے لاج کو یا سحرش و سمیرا میں سے کسی کو کچھ نہ بتا دے کہ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ منظر عام پر نہ ہی آئیں تو بہتر ہوتا ہے اور اس کے لیے مجھے ہی کچھ کرنا ہوگا''۔ وہ یک دم ہی فیصلے پر پہنچ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

''میری بنی کا موڈ کیوں آف ہے؟'' اس نے سب گھر والوں کو شام کی چائے پیش کی تھی کہ اسی وقت ملازمہ اس کا سیل فون لیے چلی آئی تھی، حنین کا لنگ دیکھ کر وہ اپنا کپ لیے بڑی سرعت سے ''ایکسکیوزمی'' کہتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی، سب نے تو اتنا محسوس نہیں کیا تھا مگر نہ جانے کیوں فیصل کو برا لگا تھا جبکہ اسے محض اندازہ ہی تھا کہ زرمین بھابی کے پاس حنین کا فون آیا ہوگا، اسے چھوٹی سے چھوٹی بات کے لیے حنین کا زرمین کو فون کرنا بہت برا لگتا تھا، مگر ہائے ری مجبوری، کہہ کچھ نہیں سکتا تھا اس نے ایک نظر بھائی پر ڈالی تھی جو سینڈوچ کھاتا مکمل طور پر سحرش کی جانب متوجہ تھا کہ وہ بھائی کو اپنی کوئی بات بتا رہی تھی جسے وہ دلچسپی سے سن رہا تھا، اس نے ایک سانس خارج کی اور چائے کے سپ لینے لگا، کمرے میں آتے ہی اس نے کال ریسیو کی تھی اور ہائے ہیلو کے درمیان ہی وہ اس کے خراب موڈ کی بُو پا گئی تھی اس لیے نہایت پیار سے بولی تھی۔

''لاج کی وجہ سے میرا موڈ آف ہے''۔ اس نے فوراً ہی اس کی بات کی تصدیق کر دی تھی، مگر وہ بے طرح چونک اٹھی تھی۔

''کیوں.... کیا نئی دوست سے جھگڑا ہو گیا ہے؟'' وجہ جاننے کو نرمی سے استفسار کیا تھا۔

''نہیں، جھگڑا نہیں ہوا آپی! اس سنڈے کو اس کی برتھ ڈے ہے اور آج وہ انویٹیشن کارڈ لے کر گھر آئی تھی، جب میں نے اسے منع کر دیا تھا کہ میں پارٹی اٹینڈ نہیں کروں گی تو وہ کیوں کارڈ لے کر گھر آئی؟'' اس نے تپے تپے سے لہجے میں موڈ آف ہونے کی وجہ بتا دی تھی۔

''تو تم نے کیوں منع کر دیا؟ وہ تمہاری دوست ہے تم اپنی دوست کی برتھ ڈے پارٹی میں چلی جانا''۔ وہ چونکہ سوچ چکی تھی فیصلہ لے چکی تھی اس لیے نارملی کہہ گئی تھی جبکہ اسے کہاں امید تھی کہ زرمین اسے جانے کو کہے گی اس لیے وہ حیران ہوئی تھی اور حیرانگی سے نکلی تھی تو خفگی سے بولی تھی۔

''آپی! آپ مجھے وہاں جانے کو کیسے کہہ سکتی ہیں وہ فیصل بھیا کے دوست کا گھر ہے، وہ دوست جنہوں نے آپ کے ریسپشن میں میرے ساتھ کتنی غلط حرکت کی تھی''۔ ان ساعتوں کا خیال ہی اس کو مضطرب کر گیا تھا، گردن پر چیونٹیاں سی رینگتی محسوس ہونے لگی تھیں، وہ سرخ پڑتی لب کچلنے لگی تھی، جس دوپہر اس نے لاج کے بہت کہنے پر بھی ماہ کنعان کی وجہ سے ماہ لاج سے لفٹ نہیں لی تھی اس دوپہر اس نے روتے روتے ساری تفصیل زرمین کو بتا دی تھی مگر زرمین نے اس سے نہ کہا تھا نہ ظاہر کیا تھا کہ وہ یہ سب ماہ کنعان کے منہ سے سننے کے بعد وہ ارحم الحسن سے بھی تصدیق کر چکی تھی۔

''میں سب کچھ جاننے کے باوجود بھی ایسا کہہ رہی ہوں کیونکہ تم نے بریو بننا ہے کہ لڑکیوں کو اپنے معاملے میں خاص کر اپنی عزت کے معاملے میں بہت مضبوط ہونا چاہیے، اتنا کہ کوئی انہیں غلط بات نہ کہہ سکے، چھونا کوئی غلط حرکت کرنا تو بہت دور کی بات ہے''۔ وہ اس کے لیے مخصوص نرمی سے بول رہی تھی۔

''لیکن آپی!'' وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اس نے موقع نہ دیا۔

''تم نے اس شخص سے یا کسی بھی مرد سے ہرگز بھی ڈرنا نہیں ہے، اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کرنی ہے، تم اس شخص کے سامنے جاؤ مگر ایسے کہ وہ تمہاری طرف چاہ کر بھی پیش رفت نہ کر سکے کہ تم ڈروگی، کمزوری دکھاؤ گی تو وہ تمہیں تر نوالہ سمجھ کر تم پر حاوی ہونے کی کوشش کرے گا، خود اعتمادی سے اس کا سامنا کرو گی تو وہ قدم تمہاری طرف چاہ کر بھی نہیں بڑھا سکے گا''۔ وہ اسے نہایت نرمی سے ایک ایک بات سمجھا رہی تھی۔

''لیکن آپی! مجھے بہت ڈر لگتا ہے، وہ اچھے انسان نہیں ہیں، انہوں نے مجھے پھر پریشان کیا تو؟'' وہ کچھ سمجھی تھی، کچھ نہیں سمجھی تھی مگر جب بولی تھی تو ہزار خدشے اور خوف عیاں ہو گیا تھا۔

''وہ تمہیں اب پریشان نہیں کریں گے بالفرض کریں تو تم نے ان سے ڈرنا نہیں ہے بلکہ انہیں ان کی اوقات بتانی ہے کہ لڑکیاں اگر ڈریں تو مرد انہیں مزید ڈراتے ہیں جبکہ لڑکیوں کو ڈرنے کی بجائے اپنی عزت کی حفاظت کرنی آنی چاہیے''۔ اب وہ اسے کافی کچھ ڈھکے چھپے انداز میں سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''آپی! مجھے آپ کی باتیں سمجھ نہیں آ رہیں، میں نے لاج کے گھر جانا ہی نہیں ہے تو آپ کو اتنا سب کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے''۔ وہ قدرے اکتائے ہوئے ناسمجھ انداز میں بولی تھی۔

''ضرورت ہے تب ہی کہہ رہی ہوں، تم نے میری باتوں پر غور کرنا ہے اور عمل بھی کرنا ہے اور تم پارٹی میں بھی جا رہی ہو کہ میں نہیں چاہتی اس سب کا کسی کو بھی پتہ چلے اور تمہاری ایکشن سب کو تشویش میں مبتلا کر رہا ہے، اس لیے تم نے سب کچھ بھول کر ایک دم نارمل بی ہیو کرنا ہے''۔ زرمین کو اس کی معصومیت پر پیار سا آیا تھا اور اب کے وہ اسے مزید نرمی سے آسان لفظوں میں سمجھا رہی تھی اس کا انداز ایسا تھا کہ بات اس کی سمجھ میں آ جائے اور اس کے ذہن پر بھی کوئی برا اثر نہ پڑے۔

''او کے! آپ کے کہنے پر چلی جاؤں گی، کسی سے اب کچھ کہوں گی بھی نہیں، نہ ہی خود کو کسی کے بھی سامنے کمزور پڑنے دوں گی''۔ ایک گھنٹے کی مغز ماری کے بعد اس کا جواب اسے کچھ پرسکون کر گیا تھا۔

''مگر اتنا یاد رکھیے گا آپی! کہ وہ مجھے نہیں پسند، اب انہوں نے کوئی غلط حرکت کی تو اس کی ذمے دار آپ ہوں گی کہ آپ کے کہنے پر ہی میں ان کے گھر جاؤں گی''۔ اس کا ہر بات کی ذمے داری اس پر ڈال دینا اسے مضطرب کر گیا تھا کہ وہ خود یہ سب نہیں چاہتی تھی بہت سوچ کر کڑے دل سے فیصلہ لیا تھا۔

''شاید... وہاں حنین کو جانے کے لیے راضی کرنے کا میرا فیصلہ درست نہیں ہے''۔ اس نے اضطراب اور بے چینی سے ٹہلتے ہوئے باآواز بلند خود کلامی کی تھی۔

''نہیں، تمہارا فیصلہ ایک دم درست ہے''۔ فضیل کی آواز پر وہ چونکی۔

''آئی ایم سوری زرمین! مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اب تک حنین سے فون پر بات کر رہی ہوگی، میں نے تمہاری گفتگو کا محض آخری حصہ ہی سنا ہے اور اس کے لیے معذرت خواہ ہوں، مگر سن لیا ہے، اس لیے کہہ رہا ہوں کہ تم نے ایک صحیح فیصلہ وقت لیا ہے''۔ اس کی آنکھوں میں یکدم ناراضی اترتے دیکھ کر اس نے جلدی سے وضاحت دی تھی اور ساتھ ہی اپنا مشورہ بھی دے ڈالا تھا، اور وہ اتنی پریشان و الجھی ہوئی تھی کہ اس سے اپنا مسئلہ شیئر کر گئی تھی، اس نے زرمین کو بغور دیکھا

تھا، ہی گرین کاٹن کے پرنٹڈ سوٹ میں وہ تمام تر سادگیوں کے ساتھ الجھی سی اس کے سامنے تھی۔

''جو ہوا ہرگز بھی ہونا نہیں چاہیے تھا زرمین! مگر جو ہو گیا اسے بدل نہیں سکتے مگر سچائی سے کہوں تو جو فیصلہ تم نے لیا ہے اس میں تم ڈر اور وسوسے کا شکار ہو، مگر میں ذہن و دل سے مطمئن ہو کر تمہارے فیصلے کی حمایت کر رہا ہوں''۔ اس کی خوبصورت آنکھوں میں الجھن و اضطراب کی لکیریں گہری ہونے لگی تھیں۔

''حنین ہمیشہ سے میرے لیے سحرش کی طرح ہی ہے اور اگر اس شخص کو میں برا پاتا تو سب سے پہلے میں سحرش کی حفاظت کے لیے حکمت عملی تیار کرتا مگر میں ایسا نہیں کر رہا کیونکہ اس شخص کو بدنیت و بدفطرت نہیں پایا کبھی اور جب سحرش کو اس کے گھر جانے یا اس کے سامنے آنے سے نہیں روک رہا تو کوئی تو وجہ ہو گی ناں؟ تو بس تم اسی بات کو سوچ کر مطمئن ہو جاؤ کہ میں سحرش کو کسی غلط جگہ نہیں بھیج سکتا اور جب میں اپنی بہن کو نہیں بھیج سکتا تو تمہیں کیسے اجازت دوں گا یا حمایت کروں گا کہ تم ایک غلط جگہ اپنی بہن کو جانے دو؟ کہ تمہاری بہن میری بھی بہن ہے اور یقین رکھنا کہ جیسا میں کبھی سحرش کا برا نہیں چاہ سکتا، حنین کا بھی برا چاہ ہی نہیں سکتا کہ سحرش اس لیے عزیز و قابل احترام ہے کہ وہ میری بہن ہے اور حنین اس لیے کہ وہ تمہاری بہن ہے اور ہم جب ایک ہیں تو ہمارے رشتے، ہمارے احساسات کیسے الگ ہو سکتے ہیں؟'' اس کا وہی ازلی نرم ٹھہرا ہوا لہجہ تھا جو زرمین کی ہر الجھن ہر بے چینی کو ختم کرتا چلا گیا تھا۔

''تھینکس فضیل! آپ سوچ بھی نہیں سکتے کہ آپ نے میری کتنی بڑی پرابلم کو سولو کر دیا ہے''۔ اس کے چہرے پر اطمینان جھلکنے لگا تھا اور لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی اور سادگی سے اس کے چہرے کی طرف دیکھتا فضیل یکدم ہارٹ بیٹ مس کر گیا تھا کہ اس کا گلابی چہرہ کھل کر گلاب کی طرح مہک اٹھا تھا اور وہ مہک اسے اپنی جانب کھینچنے لگی تھی۔

''حنین! میرے لیے مجھ سے زیادہ اہم ہے، اس کی آنکھوں میں آنسو برداشت نہیں ہوتے، اس کی خوشی مجھے اپنی خوشی سے بڑھ کر عزیز ہے اور میں جانتی ہوں کہ جو ہوا اس کے ننھے ذہن پر ضرب لگا گیا ہے وہ ظاہر نہ کرے مگر میں محسوس کر سکتی ہوں کہ وہ جب سے ہی مضطرب ہے اور میں چاہتی تھی کہ وہ ہر ٹینشن سے آزاد ہو جائے مگر میں اپنی ٹینشن کے چلتے اسے ٹینشن فری نہیں کر پا رہی تھی، لینے کو فیصلہ لے لیا تھا مگر ہزار ہا خوف کے سائے میرے گرد منڈلا رہے تھے مگر اب آپ کا ساتھ میرے لیے بہت بڑی ڈھارس ہے، آپ نے مجھے ٹینشن فری کر دیا ہے اور اب میں انشاء اللہ حنین کو اس فیز سے نکال لوں گی''۔ وہ اس کی بدلتی کیفیت سے انجان حنین کے لیے اپنے جذبات بیان کرتی اسے تشکر سے دیکھ رہی تھی اس کے مسکرانے پر وہ دھیمے سے جوابی مسکراہٹ اچھالتا پلٹ گیا تھا، ان کی شادی کو تقریباً تین ماہ ہو گئے تھے، اجنبیت بھلے نہ تھی مگر دوریاں اور فاصلے ان کے درمیان ہنوز تھے، اس نے اگر اسے وقت دیا تھا تو اپنی بات، اپنے فیصلے پر قائم بھی تھا اور وہ تھی کہ سب کے لیے سایہ دار شجر ثابت ہونے والی اس کے لیے تو دھوپ بھی ثابت نہیں ہو رہی تھی، اس کا خیال رکھتی تھی، اس کی پرواہ کرتی، کھانے پینے، کپڑوں اور ہر چیز کا دھیان رکھتی تھی، اس سے ہر کسی کی بات کر لیتی تھی، اب تو بلا جھجک ہر موضوع پر عام سے انداز میں بات کر لیتی تھی، بات نہیں ہوتی تھی تو ان دونوں کی، ان کی خواہشات و ضروریات کی، رشتے کے تقاضے اور محبت کی۔ وہ جس طرح انجان بنتی تھی وہ الجھ جاتا تھا لیکن اس سے کوئی سوال نہیں کرتا تھا، وہ انجان تو پہلے بھی نہیں رہنا چاہتا تھا اور وقت کے گزرتے انجان بنے رہنا جذبات کو جھٹکنا، جذبوں پر بندھ باندھنا بہت مشکل لگتا تھا مگر وہ اس کی خوشی کے لیے ان ساری مشکلات سے نبرد آزمائی کر رہا تھا کہ اس کی سوچ یہی تھی کہ اجنبیت کی دیوار گر گئی ہے، وقت کے چلتے دوریاں بھی سمٹ جائیں گی اور وہ جو اسے انجان سمجھ رہا تھا وہ اتنی بھی انجان نہ تھی کہ اس کی نگاہ کا اٹھنا، پھر ٹھہرنا اس کا دل دھڑکا دیا کرتا تھا مگر دھڑکنوں کا ساز الگ ہی تان اٹھاتا تو وہ گھبرا جاتی تھی کہ وہ شخص جو کچی عمر میں نگاہ میں سمایا تھا، دل میں ٹھہرا تھا، دعا بن کر لبوں کی سدا بنا تھا وہ نصیب نہ تھا، نہ ملا تھا، نہ ملنے کی امید تھی لیکن دل کا کیا کرتی کہ اب

ہر دعا میں اسے دل سے نکل جانے کی التجا کرتی، اسے بھول جانے کی کوشش میں آج کل شدتوں سے یاد کر رہی تھی اور اسی لیے اس کی محبت اور اس کی طلب کو نظر انداز کر رہی تھی کہ وہ بٹے ہوئے دل، کبیدہ ذہن کے ساتھ اس کے جیون میں شامل تو ہو گئی تھی، اس کی بننا نہیں چاہتی تھی کہ اس پیارے سے سادہ شخص کے ساتھ وہ جو ناانصافی کر چکی تھی مزید نہیں کرنا چاہتی تھی کسی اور کو دل میں بسا کر جیون میں شامل ہونا اس کی مجبوری تھی، مگر اب وہ اس مجبوری کو توڑ کر ذہن و دل کی پوری آمادگی سے اس شخص کی بننا چاہتی تھی لیکن یہ سب اتنا آسان بھی نہ تھا وہ روز ٹوٹنے اور جڑنے کے مرحلے سے گزرتی، خود کو فضیل کا مجرم پاتی، معافی کی آس میں جی رہی تھی، کب پرانی محبت دل سے نکلتی اور فضیل کی محبت سما جاتی؟

☆.....☆.....☆

''تھینکس فار کمنگ حنین! میں بتا نہیں سکتی کہ تمہیں اپنی برتھ ڈے پارٹی میں دیکھ کر مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے''۔ وہ حنین سے والہانہ انداز میں ملی تھی اس کی خوشی اس کے چہرے و انداز سے ہی عیاں ہو رہی تھی۔

''میں صرف زرمین آپی کے مجبور کرنے پر آئی ہوں کہ میں ان کی کسی بات سے چاہوں بھی تو انکار نہیں کر سکتی''۔ اس کے چہرے پر کوئی خوشی نہ تھی ایک عجیب سا ہی تاثر تھا جبکہ وہ مسکرا دی تھی۔

''میرے لیے تمہارا آ جانا ہی کافی ہے، وجہ چاہے کچھ بھی ہو ہاں یہ ضرور ہے کہ زرمین بھابی سے جب ملوں گی تب ان کا دل سے شکریہ ادا کروں گی''۔ وہ اس کا موی ہاتھ اپنے خوبصورت ہاتھ میں تھامے گرمجوشی سے بولی تھی۔

''زرمین آپی! کو فضیل بھیا کے ساتھ ان کے دوست کی ویڈنگ اینی ورسری میں جانا تھا ورنہ وہ بھی آتیں''۔ وہ اس کی محبت کے جواب میں دھیمے سے بولی تھی۔

''اوہوں.... بھابی نے صبح ہی مجھے فون کر کے وش کیا تھا اور آنے سے معذرت کر لی تھی، آؤ میں تمہیں اپنے پیرنٹس سے ملواتی ہوں''۔ وہ مسکرائی تھی اور اس کا ہاتھ تھامے اپنے پیرنٹس کی جانب بڑھ گئی تھی، اسے ماہ لقا سے مل کر بالکل بھی خوشی نہیں ہوئی تھی کہ انہوں نے بلیک نیٹ کی ساڑھی پر گہرے گلے کا سلیولیس بلاؤز پہنا ہوا تھا اور نیٹ کی سیاہ ساڑھی سے ان کا جھلکتا سفید دودھیا جسم دعوت نظارہ دے رہا تھا اسے گھبراہٹ ہونے لگی تھی کہ اکثر خواتین نے اسی قسم کی ڈریسنگ کی ہوئی تھی مکس گیدرنگ تھی ہنستے مسکراتے کپلز اس کو یکدم ہی بے چینی ہونے لگی تھی اور وہ جانے کا سوچنے لگی تھی کہ سمیرا اور سحرش آ گئی تھیں اور اتنے اجنبی لوگوں میں ان دونوں کو دیکھ کر اسے گونا گوں سکون کا احساس ہوا تھا۔

''بہت پیاری لگ رہی ہو''۔ حنین نے سمیرا کی دل سے تعریف کی تھی وہ مہرون رنگ کی اسٹائلش ساڑھی میں لائٹ سے میک اپ اور ڈائمنڈ جیولری میں لگ ہی بہت اچھی رہی تھی اور وہ لاشعوری طور پر اس کا موازنہ وہاں ہنستی مسکراتی عورتوں سے کرنے لگی تھی کہ اس نے ان سب کے برعکس ساڑھی کو بہت سلیقے سے پہنا ہوا تھا اور اس کے ذہن میں جو کھچڑی پک رہی تھی اس نے سمیرا کے استفسار پر کہہ ڈالی تھی۔

''ہر انسان کا اپنا لائف اسٹائل ہوتا ہے، اپنی پسند ہوتی ہے''۔ سمیرا دھیمی سی مسکان کے ساتھ بولی تھی اور وہ تینوں ہی ماہ لاج کے ساتھ آتے عین العارفین کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھیں اور ماہ لاج نے اس کا یہ کہہ کر تعارف کروایا تھا کہ وہ اس کے اکلوتے ماموں کا اکلوتا بیٹا ہے۔

''یہ تمہارے کزن ہیں، یہ تم نے اس دن کیوں نہیں بتایا تھا؟'' سحرش نے سوال کیا تھا۔

''اس دن موقع نہیں ملا تھا اور بعد میں عارفین بھائی یونی بھی نہیں آئے کہ مجھے بتانے یا تعارف کروانے کا خیال آتا''۔ عین العارفین کے فادر ہارٹ سرجری کے لیے باہر گئے ہوئے تھے اور وہ ان کے ساتھ ہی گیا تھا اس کی واپسی دو دن قبل ہی ہوئی تھی۔

''اتنے سارے اسٹوڈنٹس میں صرف آپ نے ہی کیسے جج کرلیا تھا کہ میں فول بنا رہا ہوں؟'' اس کی نگاہ حنین کے صبیح چہرے پر ٹھہری ہوئی تھی۔

''جب آپ پلاننگ کر رہے تھے تو میں نے آپ کی باتیں سن لی تھیں''۔ اس نے دھیمے سے کہا تھا کہ ماہ کنعان کی وجہ سے وہ سب سے الگ ہو کر کھڑی ہوگئی تھی اور وہ تھوڑی دیر میں ایکسکیوز کرتا وہاں سے ہٹ گیا تھا اور اس کے جاتے ہی اس کو گونا گوسکون کا احساس ہوا تھا کہ وہ اس کی نگاہیں خود پر جمی محسوس کر کے ان کمفرٹ فیل کر رہی تھی۔ ماہ لاج کو سب کو ہی کمپنی دینی تھی اس لیے وہ وقتاً فوقتاً ان کو جوائن کر رہی تھی جو ساتھ کھڑیں دنیا جہان کی باتیں کر رہی تھیں۔ مردانہ قہقہے پر اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا اور اتفاق سے اسی پل سہرینہ کی بات پر قہقہہ لگاتے ماہ کنعان کی نگاہ بھی اٹھی تھی اور جہاں اس کی اٹھی نگاہ میں ناگواری و ڈر آن سمائے تھے اس کی آنکھیں خوشگوار حیرت سے پھیلتیں شوق کا ایک جہان آباد کر بیٹھی تھیں اور وہ اردگرد کا ہوش بھلائے 20، 25 قدموں کے فاصلے پر موجود حنین عالم کا جائزہ لینے لگا تھا، فیروزی ایئر لائن فراک، چوڑی دار پاجامے پر ہائی ہیل، بالوں کی پونی ٹیل بنائے، ایک ہاتھ میں فیروزی چوڑیاں، دوسرے میں گھڑی باندھے، کانوں میں ننھے ننھے سوٹ کے ہم رنگ آویزے اور گلے میں لاکٹ پہنے میک اپ کے نام پر کاجل اور لپ گلوز لگائے تمام تر سادگیوں، چہرے پر نوعمری کا بانکپن لیے وہ اسے مبہوت کر گئی تھی۔

''ہے.... کنعان! کہاں کھو گئے بھئی؟'' سہرینہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تھا اور بے تکلفی سے شانے پر رکھ دیا تھا اس کی پلٹتی نگاہ یکدم رکی رہ گئی تھی اور ناگواری پہلے سے کہیں گنا بڑھ گئی تھی۔

''ایکسکیوزمی...!'' وہ بڑی عجلت میں اپنے ڈیڈ سے باتیں کرتے فیصل کی جانب بڑھا تھا جبکہ وہ پیچ و تاب کھاتی رہ گئی تھی۔

''اس شخص کی ساری بے اعتنائی ایک دن نکال نہ دی تو میرا نام بھی سہرینہ فاروق نہیں''۔ اس کی پشت پر نگاہ جمائے کلس کر سوچا تھا۔

''تُو نے بتایا کیوں نہیں کہ حنین بھی آئی ہے؟'' وہ دوست سے خفگی سے بولا تھا۔

''میں سمجھا نہیں....'' اسے گھورا اور کچھ فاصلے پر سمیرا کے ساتھ کھڑی حنین کی طرف اشارہ کیا جسے دیکھ وہ بھی حیران ہوا تھا۔

''حنین میرے ساتھ نہیں آئی، مجھے تو اس کی موجودگی ہی اچھنبے کا باعث لگ رہی ہے''۔ وہ الجھا الجھا سا بولا تھا۔

''اوہوں.... یقین تو مجھے بھی نہیں آ رہا، مگر خوشی بہت ہو رہی ہے اور آج میں اس سے اپنے سابقہ تمام رویوں و حرکات کی معافی طلب کرلوں گا''۔ وہ دلکشی سے مسکرایا تھا۔

''ہرگز نہیں، تُو اس سے بات بھی نہیں کرے گا''۔ اس نے سختی سے اسے ٹوک دیا تھا وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''وہ یہاں یقیناً کسی کے فورس کرنے پر آئی ہوگی اس لیے بہتر ہوگا کہ تُو اس سے کوئی بات نہ کرے''۔ وہ کچھ کہتا کہ ماہ لاج چلی آئی تھی۔

''السلام علیکم! فیصل لالہ! کیسے ہیں آپ؟'' وہ صرف اس کو دیکھ کر سلام دعا کے لیے ہی آئی تھی۔

''وعلیکم السلام! میں ٹھیک ہوں''۔ مسکرا کر کہا تھا اور اسے برتھ ڈے وش کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا پریزنٹ بھی دے دیا تھا جسے وہ تھینکس کہہ کر تھام گئی تھی۔

''کیا حنین اکیلی آئی ہے؟'' دوست کی بے چینی محسوس کر رہا تھا اس لیے پوچھ لیا تھا۔

''جی، حنین کے بھائی (اسجد) اس کو چھوڑ کر چلے گئے ہیں، سچ کہوں مجھے تو ابھی تک اس کے آنے کا یقین نہیں

آ رہا''۔ وہ دونوں ہی اس کی آخری بات پر چونک اٹھے تھے۔

''ارے، وہ کیوں بھئی؟'' خوش دلی سے استفسار کیا تھا اس کی ماہ لاج سے کافی حد تک بے تکلفی تھی کہ وہ ماہ کنعان کی طرح ہی اس کی عزت کرتی تھی اور وہ اسے سحرش کی طرح ٹریٹ کرتا تھا اور اس نے بھی مختصراً ساری بات اس کے گوش گزار کی تھی اس کا مقصد ماہ کنعان کو بتانا تھا وہ لب بھینچے کھڑا تھا اس کے چہرے پر اشتعال کا رنگ آ رہا تھا، جا رہا تھا۔

''سنا تُو نے وہ یوں ہی مجھے ذلیل کر رہی ہے، اس دن کتنی شدت سے اس نے لفٹ لینے سے انکار کر دیا، مجھے دیکھ کر چہرے کا رنگ یوں اڑتا ہے جیسے میں اسے کھا جاؤں گا''۔ ماہ کنعان دبے دبے انداز میں غرا رہا تھا، فیصل اسے غصے سے ٹہلتے دیکھ رہا تھا کہ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے میں آ گیا تھا ناچار اسے بھی آنا پڑا تھا۔

''غصہ نہ کر کہ بہرحال جو تُو کر چکا ہے اس کے بعد اس کا ڈرنا یا ناپسندیدگی کچھ ایسی غلط بھی نہیں ہے''۔ وہ سچائی و سنجیدگی سے بولا اور بیڈ پر نیم دراز ہو گیا جبکہ وہ اسے خونخوار نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''میں اپنی غلطی مان رہا ہوں، معافی بھی مانگنے کی کوشش کر چکا اور اب بھی معافی مانگنے کو تیار ہوں اس کے علاوہ کیا کروں کہ فیصل! اپنے کیے پر شرمندگی ہے مگر اپنی تذلیل بہرحال برداشت نہیں کر سکتا اور وہ بے اعتباری دکھا کر مجھے ذلیل کر رہی ہے اور یہ تو میں ہرگز نہیں چاہوں گا کہ بات لاج کے علم میں آئے کہ جو کر چکا ہوں وہ کیوں کر گیا اس کے لیے میں خود سے ہی روز سوال کرتا لڑ رہا ہوں، مگر بہرحال مجھے اپنی نیک نامی بہت عزیز ہے اور جس طرح کا اس کا بی ہیویئر ہے میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ غصے میں کچھ کر بیٹھا تو تُو مجھے کوئی الزام نہ دینا کہ تیری بھی ساری ہمدردیاں اسی کے ساتھ ہیں، وہ معصوم، بے قصور لگتی ہے اور میں جلاد قصوروار''۔ اس کی خوبصورت آنکھیں لہو رنگ ہو گئی تھیں، ماتھے پر رگیں ابھر آئی تھیں، وہ اسے گھورتا خونخوار لہجے میں بول رہا تھا اس نے فوراً ہی مسکین سی شکل بنالی تھی۔

''تو تُو سارا غصہ مجھ پر کیوں نکال رہا ہے، میرا کیا قصور ہے؟ اب میں تجھے تیری غلطیاں بھی نہ بتاؤں؟'' وہ اسے جانتا تھا کہ اشتعال نکال دینے کے بعد وہ پرسکون ہو جائے گا اس لیے وہ اس کے غصہ دکھانے سے ہرگز بھی متاثر نہ ہوا اور اسے گھور کر ٹی وی آن کرلیا۔

''قصور کے بچے.... تُو جیسے اس کی سائیڈ لیتا مجھے بہت غلط ثابت کرنے پر تل جاتا ہے ناں، کسی دن میرے ہاتھوں ضائع ہو جائے گا''۔ بیڈ سے اٹھا کر تکیہ اسے مارا تھا اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر پاؤں پھیلا لیے تھے۔

''تُو مجھے اس کی سائیڈ لینے پر مجبور کرتا ہے، تجھے جانتا ہوں اسی لیے تجھے کچھ نہ کہا نہ سرزنش کی کہ تیرے عمل پر میں خود حیران ہوں، مگر جب میں کہہ رہا ہوں کہ سب بھول جا، وہ جو بھی ری ایکشن دے رہی ہے اس کو مت فیل کر کہ وہ حق پر ہے، تُو یوں ری ایکٹ کر کے اس کے ری ایکشنز میں اضافہ کر رہا ہے، تُو نظر انداز کر وہ بھی بھول جائے گی، مگر نہیں، تجھ پر تو اب عشق کا بھوت سوار ہونے لگا ہے، اسے دیکھ کر تیری آنکھوں میں جو جذبے ابھرتے ہیں، فاصلے پر ہونے کے باوجود میں محسوس کر گیا تھا، لیکن کہیں تیری یہی بے اختیاریاں تیرے اور اس کے لیے مسائل کھڑے نہ کر دیں، اس لیے اپنے جذبات کو کنٹرول کرنا سیکھو''۔ چینل پر چینل بدلتا وہ اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔

''اسے دیکھ کر وہی تو نہیں ہوتا میرے یار!'' وہ اس سے کسی عقل کی بات کی توقع کر رہا تھا شرارت سے کہنے پر قدرے ناراضی سے اس کی طرف دیکھا تھا اور اس کے آنکھ دبانے پر اسے بھی غصہ آ گیا تھا کہ وہ اسے جو سمجھا رہا تھا وہ

اسے سمجھنے کو ہی تیار نہ تھا۔

''اب تُو نے کوئی چھچھوری حرکت کی ناں تو وہ تو نہیں میں تجھے جان سے ضرور ماردوں گا''۔ فیصل نے اسے گھورا اور ریموٹ دیوار پر مارتا اٹھ کھڑا ہوا مگر کمرے سے جا نہیں سکا تھا کہ اس نے قہقہہ لگا کر اس کے غصے کو ہوا دی تھی مگر ہاتھ تھام کر اسے جانے سے روک گیا۔

''سالے صاحب! جب اتنا غصہ دکھا رہے ہیں تو بہن صاحبہ کتنا دکھائیں گی؟'' وہ جتنا غصے میں آ رہا تھا وہ اتنی ہی شوخی دکھا رہا تھا۔

''پلیز ماہ! تُو یہ چیپ حرکتیں اور باتیں ترک کر دے تُو مجھے بہت عزیز ہے اور میں تجھے بہت زیادہ خوش دیکھنا چاہتا ہوں اور اگر تُو ایسی ہی حرکتیں و باتیں کرتا رہا تو میں تجھے سپورٹ نہیں کر پاؤں گا''۔ وہ فی الحال اپنی فیلنگز کو کوئی نام نہیں دے پا رہا تھا جبکہ وہ اس کی تمام فیلنگز کو نہ صرف محسوس کر گیا تھا بلکہ اس کے لیے پریشان بھی ہو رہا تھا اور وہ اس کی نئی بات پر متحیر ہو کر کچھ کہتا کہ دروازے پر دستک ہوئی تھی، ملازمہ تھی جو ماہ لاج کا پیغام لے کر آئی تھی۔ اس نے آنے کا کہا تھا اور اپنی کہی بات کے برعکس اس نے کوٹ اتار کر دور اچھالا اور جوتے اتارنے لگا۔

''واٹ ہیپن؟ لاج کیک کاٹنے کے لیے تمہارا ویٹ کر رہی ہے اور تم...!'' وہ قدرے مشکوک نگاہوں سے اسے دیکھتا متحیر سا بولا تھا۔

''تم چلے جاؤ، میرا موڈ نہیں ہے''۔ عام سے لہجے میں کہہ کر واکنگ چیئر پر جا بیٹھا تھا۔

''اب کیا مصیبت آ گئی ہے؟'' وہ بے حد چڑ چکا تھا۔

''مصیبت تو آئی ہوئی ہے اسی لیے میرا یہاں رہنا ہی ٹھیک ہے کہ اس مصیبت کو گلے لگانا مجھے ضرور اچھا لگے گا مگر نہ وہ مصیبت میرے گلے لگنے کو تیار ہو گی اور نہ ہی یہ تجھ سے برداشت ہو گا''۔ وہ معنی خیزی سے بول رہا تھا۔

''اب تُو نے بکواس کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا''۔ وہ غرا کر بولا تھا اس نے کن اکھیوں سے اس کا سرخ چہرہ دیکھا تھا۔

''تجھے مجھ پر بھروسہ نہیں ہے، تجھے یقین ہے کہ میں ضرور کوئی الٹی حرکت کروں گا تو میں نہیں جاتا، اس کے باوجود کہ اس محفل کا حصہ بننے کو میرا دل شدتوں سے تیار و بے قرار ہے''۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کہا کہ تجھ پر تو خود سے زیادہ بھروسہ ہے اور تجھ پر میرا یقین اتنی سی بات پر نہیں ٹوٹ سکتا''۔ اسے ناگواری سے گھورا اور کمرے سے نکل گیا اور وہ جو اس کو ستانے کے لیے فضول باتیں کر گیا تھا اس کے ناراض ہو کر چلے جانے سے اس کی ساری شرارت و شوخی ہوا ہو گئی وہ اٹھا، پیر میں لیدر کی انگوٹھے والی خوبصورت اسٹائلش چپل ڈالی اور شرٹ کے کف فولڈ کرتا لان میں آ گیا، نظر دوڑائی تو وہ اسے سمیرا کے ساتھ کھڑا نظر آ گیا۔

''اوہو... تو بھابی کی یاد ستانے لگی تھی تو صاف کہتا مجھ پر غصہ کر کے ناراضی کا بہانہ کر کے کیوں چلا آیا؟'' ماہ کنعان کی آنکھیں اپنی شرارت پر متبسم تھیں، فیصل نے اسے گھورا تھا اور سمیرا... وہ تو بری طرح جھینپ گئی تھی۔

''السلام علیکم بھابی! کیسی ہیں آپ؟'' وہ فیصل کو آنکھ مارتا سرخ پڑتی سمیرا کی جانب متوجہ ہوا تھا اور نہایت ادب و شائستگی سے سلام کر کے اس کی خیریت دریافت کی تھی، اس نے نہایت دھیمی آواز میں جواب دے کر اپنی خیریت بتائی تھی۔

''بھابی! آپ کو اتنا خوبصورت و پیارا نظر نہیں آنا چاہیے تھا کہ اس کا میرے پاس دل ہی نہیں لگا آپ کی خوبصورتی و پیاری کشش میں یہ کھنچا چلا آیا''۔ وہ اسے احترام بھری نگاہوں سے دیکھتا شرارت پر آمادہ تھا، وہ شرم و حیا سے سرخ پڑ گئی

تھی، فیصل نے اس کے حسین چہرے و لرزتی پلکوں کو دیکھا اور ایک دھپ اس کی پشت پر رسید کی تھی۔

''زیادہ بکواس نہ کر...!'' مسکرا کر اسے ڈپٹا تھا اس کا موڈ بحال دیکھ کر وہ مطمئن سا مسکرا دیا تھا۔

''بھابی ہی نہیں تُو بھی بہت اچھا لگ رہا ہے''۔ اس نے فیصل کا جائزہ لیا تھا بلیک تھری پیس میں اس کا دراز قد اور گوری رنگت اور تیکھے نین نقش والا چہرہ نمایاں تھا، وہ اس کے انداز پر مسکرا دیا وہ سحرش وغیرہ کی طرف بڑھ گئی تھی۔

''تُو اتنے رف حلیے میں پارٹی میں آ گیا؟'' اس کا جائزہ لیا تھا۔

''اوہوں... کیا برا لگ رہا ہوں؟'' اشارے سے ویٹر کو بلا کر کولڈ ڈرنک کے گلاس اٹھائے تھے ایک گلاس اس کی طرف بڑھا کر خود سپ لینے لگا تھا''۔

''نہیں، تُو تو ہر حال میں اچھا لگتا ہے، تھوڑا حیران ہوں کہ مجھے نہیں یاد کہ تُو نے اس طرح ڈریس اپ ہو کر کبھی کوئی پارٹی اٹینڈ کی ہو گی''۔ وہ سچائی سے کہہ رہا تھا کہ بلیک ڈریس پینٹ پر وائٹ شرٹ کی آستین فولڈ کیے وہ انفارمل ڈریسنگ میں بھی کافی ڈیشنگ لگ رہا تھا کہ وہ تھا ہی مردانہ وجاہت کا شاہکار۔

''یار! فارمیلیٹیز بہت نبھالی تھیں اس لیے انفارمل ڈریس اپ ہو کر آ گیا، تُو بتا تو لگا لوں اس مصیبت کو گلے؟'' وہ پھر پٹڑی سے اترا تھا اور نگاہ فاصلے پر نان اسٹاپ بولتی حنین پر جا ٹھہری تھی، فیصل نے ایک گہرا سانس لیا تھا اس کی چونکہ اپنی جانب غیر توجہی محسوس کر چکا تھا اس لیے کچھ نہیں بولا تھا کہ وہ اس کی توجہ کے تمام ارتکاز حنین کی جانب محسوس کر چکا تھا، حسین سے سراپے والی وہ دلکش حسینہ کسی بات پر ہنسی تھی، سفید گالوں میں پڑتے بھنور، چمکتے موتیوں سے دانت، اس نے ماتھے پر جھولتی لٹ کو دو انگلیوں کی مدد سے پیچھے کیا تھا اور ماہ لاج کے ہاتھ پر ہاتھ مارتی ایک بار پھر ہنسی تھی، وہ بے خود سا اس پر نگاہ جمائے ہوئے تھا جس نے ہوا سے اڑتے فیروزی آنچل کو پکڑ کر شانوں پر صحیح سے برابر کیا تھا اور اب وہ ہرنی سی چال چلتی ان سب کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔

''کنعان!'' اس نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا اس نے خفیف ہو کر نگاہ چرا لی تھی۔

''اس لڑکی میں ایسا کچھ ہے فیصل! کہ یہ مجھے اپنے حصار میں باندھ لیتی ہے، اس پر پڑنے والی ہر نگاہ جادو کا سا اثر رکھتی ہے، پلٹنے سے انکاری، جھکنے سے متنفر، یہ مجھے پاگل کر دے گی، اپنا بنا کر چھوڑے گی''۔ ماہ لاج کے اشارے پر وہ لان کے اس حصے کی طرف بڑھتے ہوئے فیصل سے بے خود سے لہجے میں کہہ رہا تھا جہاں کیک کی ارینجمنٹ کی گئی تھی، فیصل کچھ نہیں بولا تھا اور وہ جو ماہ لاج کے ساتھ ہی دائیں طرف کھڑی تھی کہ بائیں طرف سحرش اور خود اس کے برابر میں سمیرا کھڑی تھی اس کو دیکھ اس کی آنکھوں میں بے اختیار ناگواری اتری تھی اور وہ نامحسوس طریقے سے وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی، مگر وہ اسے بھاگنے کو پر تولتے دیکھ چکا تھا۔

''تم اپنی دوستوں کے ساتھ مل کر کیک کاٹو، بس ہمیں بھی کیک کھلا ضرور دینا''۔ وہ ٹیبل کے اس پار اس کے سامنے رکا اس سے شائستگی سے بولا تھا اور لاج نے مسکرا کر بے حد خوبصورت اور مہنگے کیک پر چھری پھیری تھی وہ اس کو دیکھ رہا تھا جس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بحالت مجبوری ٹھہری ہے کہ اس سے تالیاں تک نہیں بجائی گئی تھیں، وہ بروس سی لب کچل رہی تھی، اس کی نگاہ خود پر محسوس کرتی اسے بے چینی ہونے لگی تھی کبھی گھبراہٹ میں وہ انگلیاں مروڑتی کبھی جھنجھلا کر ماتھے پر لہراتی لٹیں پیچھے کرتی۔ ماہ لاج نے کیک پیس سامنے کھڑے بھائی کی طرف سب سے پہلے بڑھایا تھا جسے اس نے مسکرا کر منہ میں رکھ لیا تھا اور اس کے ہاتھ سے باقی کیک لے کر اس کو کھلایا تھا۔ اب وہ اپنی دوستوں کی جانب گھومی تھی۔

''سوری... بٹ میں چاکلیٹ کیک کے علاوہ کوئی کیک نہیں کھاتی''۔ سحرش کے بعد وہ حنین کو کھلانے لگی تھی کہ وہ

شرمندگی سے معذرت کرگئی تھی اور وہ بناء کچھ کہے سمیرا کی جانب بڑھ گئی تھی۔

''میں امجد بھیا کو بلا رہی ہوں، مجھے آئے کافی دیر ہوگئی ہے''۔ وہ اب تک وہیں کھڑا تھا وہ سحرش کی طرف کھسک کر منمناتے لہجے میں بولی تھی اور ہوا سے اڑ کر بال منہ پر آنے لگے تھے وہ حد درجہ جھنجھلا گئی تھی اور قدرے بے زاری سے خوبصورت بال کاندھے سے پشت پر کیے تھے۔

''لیڈیز اینڈ جینٹل مین!'' وہ کچھ دیر اسے دیکھتا میوزک کارنر کی جانب بڑھا تھا اور میوزک بند کروا کر مائیک لے کر سب کو مخاطب کیا تھا اور سب کے متوجہ ہوجانے کے بعد اس نے اعلان کیا تھا کہ وہ کچھ روکھی پھیکی سی اس تقریب کو اپنی آواز کے سارے رنگ عطا کرنے والا ہے، پورا لان تالیوں سے گونج اٹھا تھا کہ ان میں سے اکثر لوگ ان کے بے حد قریبی رشتے دار تھے اور جانتے تھے کہ وہ کافی اچھا گا لیتا ہے۔ اس کے کزنز عین العارفین، وقاص اور حماد وغیرہ نے تو باقاعدہ سیٹیاں بجا کر اپنے ساتھ کا یقین دلا کر اس کے فیصلے کو سراہا تھا۔ جبکہ فیصل متحیر سا اس کو دیکھ رہا تھا کہ اسے جانتا تھا کہ گانا گانے کا اسے شوق تھا مگر اس طرح پارٹیز میں گایا نہیں کرتا تھا اور کبھی ایسا کیا تھا تو اس حال میں لینے والے کے پیر پکڑ لینے کی کسر رہ گئی تھی اور کہاں وہ خود ہی شروع ہوگیا تھا، اس کی نظر سحرش کے ساتھ کنفیوژ سی سرخ پڑتی حنین پر تھی اور سب مسکرائے تھے اور گنگنانے لگے تھے۔

چھو لے اگر تجھ کو ہوا
کہتا ہے دل دیکھے نہ اب تجھ کو کوئی میرے سوا

فیصل نے نروس سی حنین کو دیکھ کر اس کو سرزنش کرتی نگاہوں سے دیکھا تھا کہ وہ اس کی روہانسی شکل دیکھ کر لب بھینچ گیا تھا کہ وہ اس کے معاملے میں اتنا بے اختیار ہو رہا تھا کہ وہ کر بھی کیا سکتا تھا؟ وہ اپنی خوبصورت آواز میں بے حد پُر سوز گا رہا تھا اور اس کے قدم آگے بڑھ رہے تھے اور وہ اسے اپنی طرف آتے دیکھ کر خوف سے پیلی پڑتی پیچھے ہو رہی تھی، وہ آگے بڑھ رہا تھا وہ آگے دیکھتی پیچھے کھسک رہی تھی، یکدم درد سے چلا اٹھی تھی۔

''ممی...!'' بناء دیکھے پیچھے ہونے کے نتیجے میں وہ ٹیبل سے بری طرح ٹکرائی تھی وہ مائیک ہاتھ سے چھوڑتا اب کے اس کی طرف بڑی تیزی میں بڑھا تھا کہ وہ پہلے تو فیصل کی جانب پیش رفت کر رہا تھا جو سحرش اور حنین سے فاصلے پر سمیرا کے ساتھ کھڑا تھا مگر اس کی غلط فہمی اور اندر کے ڈر نے اسے اتنا بوکھلایا تھا کہ وہ ٹیبل سے ٹکرا گئی تھی۔

''آر یو او کے؟'' اس کے لہجے و انداز میں حنین کے لیے فکر تھی اور وہ اسے اپنے نزدیک پا کر مزید خوف کا شکار ہوئی تھی، پیچھے ہونا چاہتی تھی مگر پسلی سے اٹھتا درد وہ کراہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کی مدد سے کمر کے گرد حصار باندھ گئی تھی، آنسو تیزی سے رخساروں پر لڑھکنے لگے تھے۔

''تم ٹھیک ہو حنین؟'' سمیرا نے آگے بڑھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''سمیرا! درد سے میری جان نکل جائے گی''۔ وہ بمشکل بولی تھی۔ وہ بری طرح کانپ رہی تھی سمیرا کو ڈر لگا تھا کہ وہ گر نہ جائے اس لیے اس نے اسے کاندھے سے پکڑ لیا تھا۔

''لاج! تم حنین کو اپنے کمرے میں لے کر جاؤ، کنعان! تم ڈاکٹر کو فون کرو''۔ وہ اس کی آنکھوں میں ناگواری و خوف دیکھ کر ہی تھم گیا تھا اور اسے بری طرح بلکتے دیکھ کر وہ تینوں ہی پریشان ہو رہی تھیں تو فیصل نے آگے بڑھ کر لاج سے کہا تھا اور ساتھ ہی ساکت کھڑے کنعان کو بھی ہدایت دی تھی۔

''مجھے کہیں نہیں جانا ہے، مجھے بہت درد ہو رہا ہے، فیصل بھیا! آپ پلیز مجھے میرے گھر لے جائیں، مجھے ممی کے پاس

جانا ہے''۔ درد کی ٹیس برداشت کرنا اسے محال لگ رہا تھا وہ بری طرح روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''تم فی الحال اندر چلو، ڈاکٹر کو بلا لیتے ہیں، پتہ تو چلے کہ لگی کہاں اور کتنی ہے؟ اس کے بعد میں خود تمہیں کاشانۂ عالم چھوڑ دوں گا''۔ وہ آگے بڑھ کر نہایت نرمی و شفقت سے بولا تھا اور اس وقت تکلیف کی شدت اتنی تھی کہ وہ مزاحمت کے قابل بھی نہ تھی اور جیسے ہی جانے کو قدم بڑھائے تھے پسلی سے اٹھتا درد وہ بلبلا اٹھی تھی قدم بھی لڑکھڑا گئے تھے، فیصل نے اگر بروقت اس کا بازو تھام نہ لیا ہوتا تو وہ گر بھی سکتی تھی اور اس کے اشارے پر ہی سمیرا اسے سہارا دے کر اندر کی طرف بڑھنے لگی تھی اس کی آنکھوں کے نیچے اندھیرا آنے لگا تھا، کمر سے اٹھتیں درد کی لہریں وہ یکدم ہی لہرا گئی تھی اور نازک سی سمیرا اسے سہارا تو دیئے ہوئے تھی مگر اسے مزید سہارا نہیں دے سکی تھی اور وہ زمین پر گرتی چلی گئی تھی، ان سب کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہوگئے تھے اس نے جھک کر اس کا سر اپنے زانوں پر رکھا تھا اور گال تھپتھپایا تھا۔

''فیصل! پلیز کچھ کریں یہ تو بے ہوش ہوگئی ہے''۔ سمیرا کی پریشانی اس کے لہجے سے عیاں تھی اور ڈاکٹر نرگس کو فون کر کے اسی طرف آتا، ماہ کنعان لمحہ ضائع کیے بنا اس تک پہنچا اور کسی کے بھی سمجھے بناء اسے بانہوں میں اٹھا کر سامنے ہی ایستادہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ اسے بیڈ پر لٹا کر سیدھا ہوا تو آنسوؤں سے تر اس کا زرد چہرہ اس کے دل کو کچھ ہونے لگا وہ اس کو ہوش میں لانے کے ارادے سے اس کا گال تھپتھپانے کو تھا کہ کھلے دروازے سے وہ چاروں آگے پیچھے داخل ہونے لگے وہ پیچھے ہوگیا، فیصل نے ایک نظر اس کے پریشان خوبرو چہرے پر ڈالی اور سمیرا کو ہدایت کی کہ وہ اس کے چہرے پر پانی کی چھینٹیں مارے، وہ نیم غنودگی میں کراہتے ہوئے پکاری تھی۔

''ممی... ارحم بھیا!'' سمیرا نے اس کا ہاتھ ہاتھ میں لے لیا۔

''حنین! پلیز آنکھیں کھولو!'' مگر وہ چاہتے ہوئے بھی ایسا نہ کر سکی، لب بھینچے کھڑے ماہ کنعان نے ڈاکٹر نرگس کا نمبر دوبارہ ملایا رابطہ ہوتے ہی ناراضی و غصے سے بولا۔

''ویئر آر یو ڈاکٹر نرگس؟ ارجنٹ کا مطلب نہیں سمجھتیں آپ؟'' بات فون پر کر رہا تھا مگر نگاہ اپنے بیڈ پر بے سدھ پڑی اس دشمنِ جاں پر ٹھہری تھی، کچھ دیر بعد ڈاکٹر نرگس کے آجانے پر وہ اور فیصل باہر نکل گئے تھے، ڈاکٹر نرگس نے سب سے پہلے اسے ہوش میں لانے کی تدبیر کی تھی اور اس کے بتانے پر اس کی کمر کا جائزہ لیا تھا جو بے حد سرخ ہونے کے ساتھ کہیں کہیں سے نیلوں نیل بھی ہو رہی تھی اور ان کے ذرا سا ہاتھ لگانے پر اس کی چیخیں بلند ہوگئی تھیں۔

''ڈاکٹر آنٹی! کوئی پریشانی والی بات تو نہیں ہے؟'' بے حد پریشان ماہ لاج آنکھوں میں آنسو لیے استفسار کر رہی تھی۔

''بظاہر تو ٹھیک ہے مگر ایکسرے کروانا پڑے گا کہ اندرونی چوٹ لگی ہے، اصل پرابلم ایکسرے کے بعد ہی سامنے آئے گی''۔ وہ پرسکرپشن لکھتے ہوئے بولی تھیں اور نہایت نرمی سے مساج کر رہی تھیں لیکن تکلیف کی شدت یوں تھی کہ وہ کراہوں کو روکنے کے لیے لب سختی سے جمائے آنسو بہا رہی تھی اور وہ اسے ہی نہیں ان تینوں کو بھی ریلیکس رہنے پریشان نہ ہونے کا کہتیں روم سے نکلی تھیں اور انہی کی طرح ان دونوں کو مطمئن کرتیں چلی گئی تھیں۔

''یہ سب صرف میری وجہ سے ہوا ہے، وہ مجھے دیکھ کر ہی خوف کا شکار ہوگئی تھی اور اسی لیے ٹیبل سے ٹکرا گئی''۔ ماہ کنعان اس کے لیے فکر مند تھا، فیصل کوئی جواب دیتا کہ ملازمہ چلی آئی تھی اور ماہ کنعان کی سوالیہ نگاہوں کے جواب میں بولی تھی۔

''صاحب! باہر کوئی ارحم الحسن صاحب آئے ہیں، اپنی سسٹر حنین عالم کو لینے کے لیے''۔ وہ تو پریشان ہوگیا تھا، فیصل

نے ہی ملازمہ سے کہا تھا کہ وہ انہیں مدر بلا لائے۔

''ارحم ہر بات جانتا ہے وہ کوئی غلط رائے قائم نہ کرلے جبکہ تم یہ جانتے ہو ناں کہ جو کچھ ہوا وہ محض ایک حادثہ تھا''۔ ارحم الحسن کی آمد اس کے لیے ناگوار اور پریشانی کا باعث تھی۔

''آئی نو! اور میں ارحم بھائی کو جانتا ہوں وہ بے سوچے سمجھے رائے قائم نہیں کیا کرتے''۔ پولیس یونیفارم میں اپنی ڈیشنگ پرسنیلٹی کے ساتھ اسے آتے دیکھ کر اس نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

''نہیں فیصل! بیٹھنے کا بالکل ٹائم نہیں ہے، بہت تھکا ہوا ہوں، گھر جا کر آرام کروں گا، اسجد سو گیا تھا اس لیے میں مائدہ کے کہنے پر اسے لینے آ گیا''۔ سلام دعا کے بعد وہ شائستگی سے بولا تھا کہ وہ پولیس اسٹیشن سے گھر جا رہا تھا کہ مائدہ کی فون کال کے بعد ''ماہ ولاز'' آ گیا تھا کہ اپنے جانے کا حنین اسے پہلے ہی بتا چکی تھی اس لیے اسے بالکل حیرت نہیں ہوئی تھی، فیصل نے اسے ساری بات بتائی تھی جسے سن کر وہ بے حد متفکر ہو گیا تھا اور جس پل وہ تینوں آگے پیچھے کمرے میں داخل ہوئے اس کو دیکھ کر تو اس کی جان میں جان آ گئی تھی اور وہ اس کا آنسوؤں سے بھیگا زرد چہرہ دیکھ کر پریشانی سے اس کی طرف بڑھا تھا جو بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی، اور وہ اسے دیکھ کر پھر سے رونا شروع ہو گئی تھی اسے روتے دیکھ کر وہ اس کے پیروں کے پاس ٹکتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام گیا۔

''نینی! کیا ہو گیا ہے؟ تم ٹھیک ہو؟'' وہ نرمی سے متفکر لہجے میں دریافت کر رہا تھا اور وہ اس کے چوڑے سینے میں سماتی بچوں کی طرح بلکنے لگی تھی۔

''مجھے بہت درد ہو رہا ہے ارحم بھیا!'' مستقل رونے سے اس کی آواز بھاری ہو گئی تھی۔

''ڈونٹ کرائے نینی! میں آ گیا ہوں ناں! میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گا، رو نہیں، تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی''۔ اسے نرمی سے خود سے الگ کرتے ہوئے اسے پچکارا تھا اور آنسوؤں کی وجہ سے رخساروں پر چپک جانے والے بال ہٹاتے ہوئے اس کے آنسو پونچھے تھے۔

''مجھ سے اٹھا نہیں جا رہا ارحم بھیا!'' وہ سسکی تھی، ارحم نے پہلے اس کے شانے سے ڈھلک جانے والے فیروزی آنچل کو اس کے شانوں پر برابر کیا تھا اور پھر اسے سہارا دے کر بیڈ سے اتارا تھا اور اجازت طلب کرنے کو تھا کہ وہ اس کے سامنے رکتی ایکسکیوز کرنے لگی تھی کیونکہ وہ اس کی حالت کی ذمے دار بھلے نہ تھی مگر اسے تکلیف چونکہ اس کی برتھ ڈے پارٹی میں پہنچی تھی اسی لحاظ سے اسے حد درجے شرمندگی کا سامنا تھا۔ ارحم الحسن نے اسے دیکھا پنک کلر کی ایئر لائن فراک اور ٹراؤزر میں وہ بے حد خوبصورت سی لڑکی لائٹ سے نیچرل میک اپ میں بھیگی بھیگی پلکوں کے ساتھ بے حد شرمندہ نظر آتی اس کے سامنے تھی۔

''حادثات بھی زندگی کا حصہ ہوتے ہیں، ہونے والی بات تھی ہو گئی، آپ کو شرمندہ ہونے اور ایکسکیوز کرنے کی ضرورت نہیں ہے''۔ وہ اسے احترام بھری نگاہوں سے دیکھتا شائستگی سے کہہ کر مروتاً مسکرایا تھا اور اس کا گلٹ نہ جانے کیوں اس کے چند نرم لفظوں سے ہی قدرے کم ہو گیا تھا۔

''مجھے حنین کی تکلیف کا اندازہ ہے، بٹ یہ بات مجھے بالکل اچھی نہیں لگ رہی کہ یہ کھانا کھائے بغیر زخمی ہو کر میری پارٹی سے چلی جائے''۔ اس نے کھانے کے لیے روکنا چاہا تھا اور اس کے شائستگی سے معذرت کرنے پر گلٹ کے ساتھ بولی تھی۔

''میں نینی کو جانتا ہوں، اب یہ بالکل کچھ نہیں کھا پائے گی، جہاں تک کھانا کھائے بغیر جانے کی بات ہے تو آج کا ڈنر آپ پر ادھار رہا، حنین کی صحت یابی کے بعد یہی نہیں میں بھی آپ کے ہاں ڈنر پر آؤں گا''۔ وہ اس پیاری سی لڑکی کی

شرمندگی زائل کرنے کو اس کا دل رکھنے کو اپنی عادت کے برخلاف وعدہ کر گیا تھا، اور ان سے اجازت لے کر وہ اسے سہارا دے کر گاڑی تک لے گیا تھا۔

''بہت درد ہو رہا ہے تو ہم ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں''۔ اس کے زرد چہرے کو دیکھ کر اسے تشویش ہوئی تھی، مگر اس نے انکار کر دیا تھا اور بتایا تھا کہ ڈاکٹر نے اسے پین کلر ہی نہیں انجکشن بھی لگایا تھا۔

''تمہارے لگی کیسے؟'' ڈرائیونگ کرتے ہوئے سوال کیا تھا اور اس نے دھیمے لہجے میں بتایا تھا۔

''وہ میں.... فیصل بھیا کے دوست کو دیکھ کر ڈر گئی تھی، بغیر دیکھے پیچھے ہوئی تو بری طرح ٹیبل سے ٹکرا گئی''۔ وہ بہت مشکل سے بیٹھی تھی کہ کمر اور پسلی سے درد کی لہریں اٹھتی محسوس ہو رہی تھیں۔

''اس نے تم سے کچھ کہا تھا؟'' چونک کر اس نے سوال داغا تھا اور اس نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''ان سے میری کوئی بات نہیں ہوئی، سامنا بھی بس دور سے ہی ہوا تھا بس میں ہی ان کو دیکھتے ہی گھبرانے کے ساتھ کچھ ڈر بھی گئی تھی اور اسی لیے تو میں پارٹی میں نہیں آنا چاہتی تھی، مگر زرمین آپی.... انہوں نے مجھے زبردستی بھیج دیا''۔ پلکوں پر چمکتے آنسو اس نے پوروں پر چنے تھے اور دھیمے سے سچائی سے پر لہجے میں بتا رہی تھی اور زرمین کے ذکر پر وہ اپنی آج کی تکلیف زرمین کے کھاتے میں ڈال گئی تھی، اور اپنا ارادہ بھی ظاہر کیا تھا۔

''میں زرمین آپی سے اب بات نہیں کروں گی نہ میں ان کے مجبور کرنے پر آتی نہ مجھے اتنی تکلیف اٹھانا پڑتی، آئی سوئیر ارحم بھیا! مجھے بہت درد ہو رہا ہے، درد سے جان نکل رہی ہے، بیٹھا بھی نہیں جا رہا''۔ وہ سسکیاں بھرنے لگی تھی۔

''نینی! ہونے والی بات ہو کر رہتی ہے، گھر جا کر آرام کرو گی تو تکلیف ختم ہو جائے گی، رہ گئی بات زرمین کی تو وہ تم سے بہت محبت کرتی ہے تمہیں بہت بہادر اور پرفیکٹ گرل کے روپ میں دیکھنا چاہتی ہے، وہ تمہارے ذہن و دل کے ڈر و خدشات نکال کر تمہیں پرسکون کرنا چاہتی ہے، تم اس سے بدگمان ہونے کی بجائے اپنے لیے اس کے احساسات کو سمجھو، وہ اپنا برا چاہ سکتی ہے مگر تمہارا برا نہیں چاہ سکتی کہ وہ تمہیں تکلیف میں دیکھ ہی نہیں سکتی، اور آج جو ہوا اگر اس کا الزام تم زرمین کو دو گی تو وہ ہرٹ ہو گی اور کیا تم اپنی زرمین آپی کو ہرٹ کر سکتی ہو؟'' زرمین اور ارحم الحسن وہ دو لوگ تھے جو اس کی رگ رگ سے واقف تھے اسے قائل کر لینے، اسے راضی کر لینے کے فن سے واقف تھے۔

''کبھی بھی نہیں ارحم بھیا! میں جانتی ہوں آپی کو پتہ چلے گا تو وہ میری تکلیف خود محسوس کریں گی، میں بھی آپی سے بہت محبت کرتی ہوں، ان کو الزام نہیں دے رہی، لیکن میں آپی تو ان کے ہی کہنے پر تھی ناں، زرمین آپی بہت بدل گئی ہیں، پہلے میری ہر بات مان لیتی تھیں اور اب میری ماننے کی بجائے آرگیومنٹس دے کر اپنی منوا لیتی ہیں، اب وہ میری نہیں مانیں گی تو میرا ان سے ناراض ہونا تو بنے گا ناں؟'' وہ اس کی تکلیف کے احساس کو کم کرنے کے لیے اسے باتوں میں لگا گیا تھا، اور اس میں کامیاب بھی رہا تھا اس کے معصومیت سے پوچھنے پر وہ دھیمے سے مسکرا دیا۔

''اوہوں.... ناراض ہونا بنتا ہے، تم اس سے ناراض ہو جانا، مگر وہ تم سے بہت محبت کرتی ہے، تمہیں ناراض رہنے نہیں دے گی فوراً منا لے گی''۔ وہ بھی دھیمے سے مسکرا دی تھی، روتے روتے مسکرا دینے پر وہ اس قدر معصوم و حسین لگی تھی یہ کوئی اس وقت دیکھنے والی آنکھ ہوتی تو اس سے پوچھتا۔ اس نے اسے مسکراتے دیکھ کر اس کے ہمیشہ مسکرانے کی دعا کی تھی اور اس کی باتوں کا دھیمے لہجے میں جواب دینے لگا تھا کہ وہ اس کا ذہن بٹانے میں کامیاب رہا تھا۔

(جاری ہے.....)

☆.....☆.....☆

صدف سعد

رداکی ڈائری

پونم شاہ کی ڈائری سے

ایک خوبصورت نظم

جینا نہیں آتا
سنو مجھے رونا نہیں آتا
مجھے کھونا نہیں آتا
تم بن جینا مشکل ہے
جو درد تم دینا چاہتے ہو
مجھے سہنا نہیں آتا
تم تو رہ لوگے ساتھ
کسی اور کے مگر
میں کیا کروں کہ مجھے
راستہ بدلنا بھی نہیں آتا
تم تو واقف ہو اندازِ گفتگو سے
کہ مجھے تو بات کرنے کا
سلیقہ بھی نہیں آتا
تم تو جیت جاتے ہو
لڑ جھگڑ کر بھی
دیکھو! مجھے تو لڑنا بھی نہیں آتا
تم تو خوش رہ لوگے میرے بغیر بھی
دیکھو! تمہارے بن مجھے
جینا نہیں آتا

مناحل ناز کی ڈائری سے

عکاشہ سحر ایمان کی نظم

اب کے برس دسمبر میں
جب ہم تنہا سیڑھیوں پر بیٹھیں گے
پھر یاد تمہاری آئے گی
ہر پل مجھے ستائے گی
تم سنگ بیتے اچھے پل
میرا آنے والا کل
دکھ کے روگ میں ڈھل جائے گا
تیرے بن جاناں...!
دسمبر مجھ کو بہت رلائے گا
گزرے دسمبر کی بیتی باتیں
مجھ سے ہر پل سوال کریں گی
جینا پھر سے محال کریں گی
اب کے برس دسمبر میں
جاناں...!
لوٹ کر آ جاؤ
تڑپتے دل کو اب اور نہ تڑپاؤ
اب کے برس دسمبر میں ہم تنہا نہ رہ سکیں گے
تیرے ہجر کا ہر ستم سہہ نہ سکیں گے
دسمبر کی مہکی بھیگی ہوائیں
تیرے ہی بارے میں سوال کریں گی
اس سے پہلے کہ
دسمبر بیتے
اور میرے ضبط کا دامن چھوٹ جائے
جس میں تم رہتے ہو
پیار بھرا وہ دل ٹوٹ جائے
لوٹ کر آ جاؤ
جاناں...!
دسمبر میرے سنگ بتاؤ
بیت گئے جو کٹھن لمحے
جاناں...!

اب ان کو بھول بھی جاؤ...!

افشاں علی کی ڈائری سے

سالہا سال کا انتظار لا حاصل جائے مگر پھر بھی یہ دل ہے کہ ہر نئے سال کے آغاز پر نئے سرے سے چراغِ امید جلائے آنکھیں راستوں میں بچھا دیتا ہے کہ بچھڑنے والا راستہ بھٹک کر پھر لوٹ آئے۔

فرحت عباس شاہ کی نظم

جاناں
میں نے اب کے سال بھی سبز رُتوں کا پہلا پھول
اک تیری خاطر شاخِ شجر سے توڑ کے
اپنی زرد کتاب میں لا رکھا ہے
کوئی نہ جانے
کبھی کوئی آوارہ بھولا بھٹکا بادل
عمر کے ترسے پیاسے دشت کی
پل میں پیاس بجھا دیتا ہے
کوئی نہ جانے
بعض اوقات اک بھولی بسری ہوئی دعا بھی
ایسے پوری ہو جاتی ہے
جیسے غیر آباد جزیرے
رستہ بھول کے آنے والے لوگوں سے بس جاتے ہیں
یوں میں نے
اب کے سال بھی جاناں
سبز رُتوں کا پہلا پھول
اک تیری خاطر
شاخِ شجر سے توڑ کے اپنی زرد کتاب میں لا رکھا ہے...!!

نگہت اکرم کی ڈائری سے

ایک خوبصورت نظم

دسمبر تم گواہ ہوناں
کہ اس نے میرے سنگ ہی چاہتوں کے خواب دیکھے
میری باتیں اسے پہروں بہت مسرور رکھتی تھیں
میری آنکھوں میں کھو کر خود کو بھی وہ بھول جاتی تھی
دسمبر تم گواہ ہوناں
تمہاری سرد راتوں میں
اسے مجھ کو ہی پیروں سوچنا تسکین دیتا تھا
عجب سی بے خودی میں شادماں ہو کر
وہ کیسے مجھ سے کہتی تھی
اگر تم ہو تو میرے دل میں دھڑکن رقص کرتی ہے
تمہیں ہی سوچ کر جاناں یہ میری سانس چلتی ہے
اگر تم ہو تو میرے واسطے دنیا حسین تر ہے
نہیں ہو تم تو پھر میرے لیے مرجانا بہتر ہے
کہ جب تک سانس چلتی ہے
فقط تم کو ہی چاہوں گی
محبت کا یہ رشتہ میں مر کے بھی نبھاؤں گی
دسمبر تم گواہ ہوناں
وہ جس نے میرے سنگ ہی چاہتوں کے خواب
دیکھے تھے
میری الفت ہی جس کا کل اثاثہ تھی
اسی نے مجھ کو ہر ایک خواب کی ایسی تعبیریں دیں
کہ ہنستے ہی رلا ڈالا
ستاروں کی طرح روشن نگاہوں کو
ہمیشہ کے لیے پتھر بنا ڈالا

مریم مغل کی ڈائری سے

ایک خوبصورت نظم

یہ تم سے کہہ دیا کس نے
کہ ہم بن رہ نہیں سکتے
یہ دکھ ہم سہہ نہیں سکتے
چلو یہ مان لیتے ہیں
کہ تمہارے دور جانے سے
ہم بہت روئے
کہ راتوں کو نہیں سوئے
مگر تم اب جو لوٹو گے
ہمیں تبدیل پاؤ گے

بہت مایوس ہو گے تم
مگر جو پوچھنا چاہو
کہ ایسا کیوں کیا ہم نے
تو سن لو غور سے جاناں...
پرانی ایک روایت توڑ دی ہم نے
محبت چھوڑ دی ہم نے...
محبت چھوڑ دی ہم نے...

سحر انجم کی ڈائری سے

ایک خوبصورت نظم

مجھے معجزوں پہ یقین نہیں مگر آرزو ہے کہ جب قضا
مجھے بزمِ دہر سے لے چلے
تو پھر ایک بار یہ اذن دے
کہ لحد سے لوٹ کے آ سکوں
تیرے در پہ آ کے صدا کروں
تجھے غمگسار کی ہو طلب
تو تیرے حضور میں آ رہوں
یہ نہ ہو تو سوئے رہِ قدم
میں ایک بار روانہ ہوں

عانیہ نیازی کی ڈائری سے

یونس فوز کی نظم

کیا اچھا کیا برا

ٹھہرو
کچھ پل بھلا کر ان پرانی باتوں کو
جو دوری کا سبب تھیں
دسمبر کی دھوپ میں بیٹھ کر
مل جل کے باتیں خوب کریں
کیا اچھا کیا برا
جنوری کی دہلیز پر
کچھ رنگت زیست کے بکھیریں
فروری میں ان رنگوں کو یکجا ہم کریں
مارچ اپریل میں پر کیف ہواؤں اور بہاروں سے
صبح و شام ہم کریں
مئی جون کی جھلستی اور لو دیتی گرمی کو
امن و سلامتی کے پنکھوں سے کچھ سرد ہم کریں
کیا اچھا کیا برا
اس بات کو بھول کر
جولائی اگست میں محبت کے گیت الاپ کر
ساون کی بھیگی رتوں کا
مسرور و مگن ہو کر استقبال ہم کریں
اک دوجے کے سنگ خوشنما ہم کریں
اف ہائے اوری سی میں خوش گزران ہم کریں
فوز کیا اچھا کیا برا چھوڑ دان رسمی باتوں کو
آؤ اپنی چاہت کا اقرار ہم کریں
کہیں سہانے پل دسمبر کے بیت نہ جائیں

حنا علی کی ڈائری سے

ایک خوبصورت غزل

اب کس سے کہیں اور کون سنے جو حال تمہارے بعد ہوا
اس دل کی جھیل سی آنکھوں میں اک خواب بہت برباد ہوا
یہ ہجر ہوا بھی دشمن ہے اس نام کے سارے رنگوں کی
وہ نام جو میرے ہونٹوں پر خوشبو کی طرح آباد ہوا
اس شخص کے کتنے چہرے تھے کچھ یاد نہیں سب بھول گئے
اک شخص کتابوں جیسا تھا وہ شخص زبانی یاد ہوا
وہ اپنے گاؤں کی گلیاں تھیں دل جن میں ناچتا گاتا تھا
اب اس سے فرق نہیں پڑتا نا شاد ہوا یا شاد ہوا
بے نام ستائش رہتی تھی ان گہری سانولی آنکھوں میں
ایسا تو کبھی سوچا بھی نہ تھا دل اب جتنا بے داد ہوا

☆.....☆.....☆

اشعار

حجاب زہرہ.....خیر پور
سرِ راہ کچھ بھی کہا نہیں کبھی اس کے گھر میں گیا نہیں
میں جنم جنم سے اس کا ہوں اسے آج تک پتہ نہیں

مناحل ناز.....کراچی
ضمیر مرتا ہے احساس کی کمزوری سے
یہ وہ وفات ہے جس کی خبر نہیں ہوتی

افشاں علی.....کراچی
ہجر کے لمحات جب دل پہ تحریر ہو جاتے ہیں
انسان پتھر، لہجے تصویر ہو جاتے ہیں
خوابوں کی دنیائیں عجیب ہیں، بہت عجیب
کچھ خواب تحلیل، کچھ تعبیر ہو جاتے ہیں

سباس گل.....رحیم یار خان
زندگی مختصر سہی لیکن!!
کتنی اچھی ہو گر فریب نہ ہو

نوشین طاہر.....دیہاڑی
محور سوچ دونوں کا ایک سا ہے غالب
مجھے اس سے اور اسے خود سے فرصت نہیں ملتی

سحر انجم.....کراچی
وقت کے سائے میں ڈھلتے جاتے ہیں
ہم بھی چپ چاپ جلتے جاتے ہیں
جن سے برسوں میں دوستی کی تھی
وہ دنوں میں بدلتے جاتے ہیں

تبسم فیاض.....کراچی
جب بھی سونے جانا جانم
ہم کو ضرور یاد کر لینا
ورنہ ہم خفا ہو جائیں گے
اور خواب میں بھی نہیں آئیں گے

نوشین مدثر.....لاہور
آج پھر تیری یاد مانگی تھی
آج پھر وقت ہم کو ٹال گیا
تُو دسمبر کی بات کرتا ہے
ہمارا تو سارا سال گیا

امبرین حیدر.....اسلام آباد
تیری یاد اور برف باری کا موسم
سلگتا رہا دل کے اندر اکیلے
ارادہ تھا جی لوں گا تجھ سے بچھڑ کر
گزرتا نہیں اِک دسمبر اکیلے

حنا علی.....ملتان
اداس راتوں میں، تیز کافی کی تلخیوں میں
وہ کچھ زیادہ ہی یاد آتا ہے سردیوں میں
مجھے اجازت نہیں ہے اسے پکارنے کی
جو گونجتا ہے لہو میں، سینے کی دھڑکنوں میں

دھنک ناز.....کراچی
میں تو یہ جانتا ہوں کہ جس شب مجھے چھوڑ کر تم گئے
آسمانوں سے شعلہ نکلتا رہا چاند جلتا رہا
یہ دسمبر کہ جس میں کڑی دھوپ بھی میٹھی لگنے لگے
تم نہیں تو دسمبر سلگتا رہا چاند جلتا رہا

نور بانو.....کوئٹہ
جہاں جہاں تیری خوشبو کے رنگ بکھرے ہیں
وہاں وہاں یہ وہی سردیوں کا موسم ہے
وہ مجھ کو سونپ گیا قربتیں دسمبر میں
درختِ جاں پہ وہی سردیوں کا موسم ہے

صباسحر.....ہارون آباد

خنک رُت میں تنہائی بھی چوکھٹ پہ کھڑی ہے
جاڑے کی اداس شام ہے دسمبر آن پہنچا ہے

نگہت توقیر.....چیچہ وطنی

سب کو خوشیاں مل جاتی ہیں
میرا حصہ کیوں کھو جاتا ہے

رابعہ منیر.....سرگودھا

میری آنکھوں میں ایک مدت سے
قافلے رتجگوں کے ٹھہرے ہیں

عاصمہ رشید.....فیصل آباد

مجھے لکھ کر کہیں محفوظ کرلو محسن
تمہاری باتوں سے نکلتا جارہا ہوں میں

شبنم شاہد.....خان پور

میری روح میں جو اتر سکیں وہ محبتیں مجھے چاہئیں
جو سراب ہوں نہ عذاب ہوں وہ رفاقتیں مجھے چاہئیں
انہی ساعتوں کی تلاش ہے جو کیلنڈروں سے اتر گئیں
جو لمحے کے ساتھ گزر گئیں وہی فرصتیں مجھے چاہئیں

عالیہ بیگ.....اسلام آباد

یہ جان کر بھی کہ دونوں کے راستے تھے الگ
عجب حال تھا جب اس سے ہو رہے تھے الگ
خیال ان کا بھی آیا کبھی تجھے جاناں
جو تجھ سے دور بہت دور جی رہے تھے الگ

زاہرہ ممتاز.....گجرات

کچھ تجھ کو محبت پہ یقین تھا نہ وفا پر
کچھ دکھ مری تقدیر میں لکھا بھی بہت ہے
بینائی اندھیروں سے بھلا کیسے بچاتا
اِک شخص ترے ہجر میں جاگا بھی بہت ہے

نمرہ احمد.....کراچی

محبت ہار کے جینا بہت دشوار ہوتا ہے
اسے بس اتنا کہہ دینا بھرم توڑا نہیں کرتے

صدف منیر.....سرگودھا

رونے سے نہیں حاصل کچھ اے دل سودائی
آنکھوں کی بھی بربادی دامن کی بھی رسوائی
ہم لوگ سمندر کے بچھڑے ہوئے ساحل ہیں
اس پار بھی تنہائی اس پار بھی تنہائی

فوزیہ خان.....لاہور

کیا ضروری ہے کہ ہاتھوں میں تیرا ہاتھ بھی ہو
چند یادوں کی رفاقت ہی بہت کافی ہے
لوٹ چلتے ہیں اسی پل سے گھروں کی جانب
یہ تھکن اتنی مسافت ہی بہت کافی ہے

فرزانہ شوکت.....کراچی

باندھ لیں ہاتھ پہ، سینے پہ سجا لیں تم کو
جی میں آتا ہے کہ تعویذ بنا لیں تم کو
کبھی خوابوں کی طرح آنکھ کے پردے میں رہو
کبھی خواہش کی طرح دل میں بلا لیں تم کو

مریم مغل.....کراچی

نشے سے چُور ہیں ان کی یہ غزالی آنکھیں
تاب نہ لاسکے ہم اور جھکالی آنکھیں

ثمینہ سلیم.....کراچی

اِک میٹھا درد بھی دل میں کبھی پیدا ہو
کیا اکیلے میں کسی دن آپ نے سوچا ہمیں
تُو سمندر ہے ہماری پیاس کی کچھ لاج رکھ
یوں نہ اِک دو گھونٹ پانی کے لیے ترسا ہمیں

فاطمہ.....چکوال

سارا حصول عشق کی ناکامیوں میں ہے
جو عمر رائیگاں ہے وہی رائیگاں نہیں
ہوتا ہے راز عشق و محبت انہی سے فاش
آنکھیں زباں نہیں ہیں مگر بے زباں نہیں

انشال اریب ازلی.....وہاڑی

میرے خوابوں کے سب نقش مٹا دے کوئی
سوکھے پتوں کا ڈھیر جلا دے کوئی
میری پہچان کا اِک شخص ہے اس شہر میں
میں ابھی زندہ ہوں ذرا اس کو بتا دے کوئی

☆.....☆.....☆

اس ماہ میں

اس ماہ کا نعتیہ کلام

میرے نقش گر، میرے کوزہ گر
مجھے توڑ دے، مجھے توڑ دے
میں خزاں رسیدہ شجر ہوں اِک
مجھے پھر سے اذنِ بہار دے
مجھے بخش پھر سے حیاتِ نو
مجھے گوندھ طیبہ کی خاک میں
میرا گھر مدینے میں ہو کہیں
میرے دل میں ''طیبہ'' کی دھول ہو
میرے نقش گر، میرے کوزہ گر
میرے نقش پھر سے بنا نئے
میرے خال و خد کو سنوار دے
جو میرے نصیب میں یہ نہیں
مجھے چاک پر سے اتار دے

سیدہ فرزانہ حبیب فرزین.....کراچی

اس ماہ کے اقتباس

منافقت

منافقت انسان کو اللہ کے قرب سے محروم کردیتی ہے منافق وہ شخص بھی ہے جو اسلام سے پیار کرے اور مسلمانوں سے نفرت، منافق وہ بھی ہے جس کے ظاہر و باطن میں فرق ہو، خلوت جلوت میں فرق ہو، منافق وہ بھی ہے جس کی باتیں سچی ہوں اور وعدے جھوٹے ہوں، منافق وہ ہے جو دشمنوں کے ساتھ ہنس ہنس کر بات کرے اور دوستوں کی ہنسی اڑائے جو محسنوں کے ساتھ وفا نہ کرے جو امانت کی حفاظت نہ کرے، جس کو اپنے سے بہتر کوئی انسان نظر نہ آئے جو اپنے دماغ کو سب سے بڑا سمجھے جو یہ نہ سمجھے کہ اللہ جب چاہے مکڑی کے کمزور جالے سے بھی طاقتور پیدا کرسکتا ہے۔

اقتباس: واصف علی واصف کی کتاب ''دل دریا سمندر'' سے

انتخاب: عانیہ نیازی ربوہ

اس ماہ کا فلسفہ

☆ دکھ کی دراڑیں چہروں سے تو رخصت ہوجاتی ہیں لیکن وہ انسان کے اندر اتر کر اس ایک گوشے کو ویران کر دیتی ہیں جو کسی ایک شخص کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔

☆ خیال رکھیے گا ان لوگوں کا جنہوں نے آپ کی جیت کے راستے میں اپنا بہت کچھ ہار دیا اور یاد رکھیے گا اس ذات پاک کو جس نے آپ کے لیے آپ سے بڑھ کر سوچا اور آپ کی سوچوں سے بڑھ کر نوازا ہے۔

☆ یقین لہجے میں بولتا ہے، کردار میں نظر آتا ہے اور اندھیرے کو روشنی میں بدلتا ہے کیا یہ روشنی آپ کے پاس ہے؟

دھنک ناز.....کراچی

اس ماہ کے اقوال

☆ غم کی ہمسفری، انکشاف کا دَر وا کرتی ہے۔
☆ غلطی پر اعتماد، حادثات کا سبب بنتا ہے۔
☆ خواہشوں کا طواف کبھی رُکا نہیں کرتا۔
☆ جس صبر میں جبر ہو اس کا اجر نہیں ملتا۔
☆ جینے کی خواہش ہے تو اچھے مسلمان بن کر جیو۔
☆ لڑنے کی خواہش ہے تو اللہ کے دین کی خاطر لڑو۔
☆ عقلمند سوچ کر بولتا ہے اور بیوقوف بول کر سوچتا ہے۔
☆ نایاب رشتے کی قدر و قیمت کا احساس عقلمند کو اسے کھونے سے پہلے اور بیوقوف کو بعد میں ہوتا ہے۔
☆ اعتقاد، دعا کو زیادہ موثر بنا دیتا ہے۔

نور بانو.....کوئٹہ

اس ماہ کا افسانچہ

میں بس اسٹاپ پر ہر روز کھڑا ہوتا تھا، جہاں میں نے وہ لڑکی دیکھی تھی، میں نے اس کو غور سے دیکھا تو وہ مجھے دیکھ کر مسکرائی، میرے دل میں محبت کی کرنیں پھوٹنے لگیں، میں نے فوراً فائل سے کاغذ اور جیب سے قلم نکالا ایک رقعہ لکھا اور اس لڑکی کے برابر میں پھینک دیا، لڑکی فوراً میرا رقعہ اٹھا کر چلی گئی، تو مجھے بہت خوشی ہوئی، دوسرے دن وہ لڑکی اسی جگہ کھڑی تھی، میں نے پھر ایک خط لکھا اور اس کے برابر میں پھینکا تو وہ اسے اٹھا کر چلی گئی، تیسرے دن میں نے ایک پوری کاپی اپنے جذباتی مکالموں اور شاعری سے بھر دی، میں نے وہ کاپی اس کے سامنے پھینکی تو وہ اسے اٹھا کر چلی گئی، لیکن اگلے دن میں نے اسے کچھ نہیں لکھا کیونکہ مجھے پتہ چل گیا تھا کہ وہ ''محبت'' کرنے والی نہیں بلکہ کاغذ چننے والی لڑکی تھی۔

نوشین مدثر.....لاہور

اس ماہ لفظوں کے موتی

☆ ہر ہنسنے والا چہرہ دل سے خوش نہیں ہوتا۔
☆ ہر کلی چمن میں کھلنے والی پھول نہیں بنتی۔
☆ ہر حسین چہرہ وفا کا پجاری نہیں ہوتا۔
☆ ہر موڑ پر زندگی میں خوشی نہیں ملتی۔
☆ ہر غم سے انسان سمجھوتا نہیں کر سکتا۔
☆ ہر شخص اچھی بات کرنے والا اچھا نہیں ہوتا۔
☆ ہر محبت کرنے والے کو منزل نہیں ملتی۔
☆ ہر دوست اندر سے خیر خواہ نہیں ہوتا۔
☆ ہر شخص اپنی زندگی سے مطمئن نہیں ہوتا۔
☆ ہر شخص سچا دوست ڈھونڈتا ہے مگر خود سچا بننے کی زحمت گوارا نہیں کرتا۔

مریم مغل.....کراچی

اس ماہ کی خوشی

یہ میری چاہت، ریاضت کا ہی تو صلہ ہے کہ میں نے تجھے ہارتے ہارتے آخر پا ہی لیا ہے۔

سعدیہ عابد.....کراچی

اس ماہ ذرا سوچیے!

☆ ایک ایسی غلطی جو آدمی میں عاجزی پیدا کر دے وہ اس کارنامے سے بہتر ہے جو غرور پیدا کر دے۔
☆ اکثر لوگ اپنے بہترین دوستوں کی کمتری سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔
☆ غلطی کرنا انسان کی فطرت میں شامل ہے اور معاف کر دینا ملکوتی عمل ہے۔
☆ حقیقی دوست وہ ہے جو آپ کی طرف اس وقت آتا ہے جب ساری دنیا آپ کو چھوڑ چکی ہوتی ہے۔
☆ میرے خیال میں موت تکلیف دہ ہے لیکن اتنی نہیں جتنی زندگی۔
☆ ہر چیز کو اس طرح دیکھو جیسے پہلی دفعہ یا آخری بار دیکھ رہے ہو، پھر اس دنیا میں تمہارا وقت بہت شادمانی سے گزرے گا۔
☆ دل پر مصیبتیں مت لو، کیوں کہ دل پر مصیبتیں آنکھوں کی وجہ سے آتی ہیں۔

سیدہ امبر ہاشمی.....کراچی

اس ماہ کی خوبصورت بات

بونے

☆ اکثر بڑی بڑی باتیں کرنے والے بظاہر قد آور لیکن اندر سے نہایت بونے ہوتے ہیں۔ اتنے بونے کہ ذاتی پسند و ناپسند اور مفاد کے معیار پر پورا نہ اترنے والوں کو بڑے سے بڑا نقصان پہنچانے سے گریز نہیں کرتے۔

عمل

☆ لفظ کسی بھی تعلق یا رشتے میں بہت اہم ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھی بڑے بڑے لفظ بھی بے جان اور کھوکھلے ہو کر رہ جاتے ہیں اور ایک چھوٹا سا عمل بہت جاندار اور موثر ثابت ہوتا ہے۔

افشاں علی.....کراچی

☆.....☆.....☆

خوشبو

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا! ''اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے پھر جب اسے پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں'' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔
ترجمہ: ''آپ کے پروردگار کی پکڑ کا یہی طریقہ ہے جب وہ بستیوں میں رہنے والے ظالموں کو پکڑتا ہے''۔

فوائد مسائل:-
مجرم کو اگر اللہ کی طرف سے فوری سزا نہ ملے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ چھوٹ گیا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ایک خاص وقت تک مہلت دیتا ہے پھر اچانک پکڑ لیتا ہے مجرموں کو مہلت دینے میں اللہ تعالیٰ کی صفت و رحمت کا اظہار ہے کہ وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر ہدایت قبول کر لیں اور اس طرح وہ عذاب سے بچ کر انعام کے مستحق بن جائیں۔ (صحیح مسلم)

فرمان علیؓ

☆ جو تم کو خوشی میں یاد آئے سمجھو تم اس سے محبت کرتے ہو، اور جو تم کو غم میں یاد آئے تو سمجھو وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے۔

(ریما نور رضوان.....کراچی

رب کائنات

حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت تک کھانا تناول نہ فرماتے جب تک کوئی مہمان دسترخوان پر موجود نہ ہوتا۔ ایک دن کوئی بھی مہمان نہ آیا تو وہ مہمان کی تلاش میں بستی سے باہر گئے وہاں ایک بوڑھا راہ گیر جا رہا تھا حضرت ابراہیمؑ اسے لے آئے اور کھانے میں شریک کیا لیکن کھانا شروع کرتے وقت اس نے اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا۔ حضرت ابراہیم نے دل میں ارادہ کیا کہ ایسے ناشکرے کو آئندہ کبھی اپنے دسترخوان پر نہیں بلواؤں گا اسی لمحے غیب سے آواز آئی ''اے ابراہیمؑ! اس بوڑھے نے ایک دفعہ شکر ادا نہیں کیا تو تم نے آئندہ کے لیے اسے نہ کھلانے کا عزم کر لیا ذرا میری فیاضی کا اندازہ لگاؤ کہ بچپن سے لے کر اب تک اس نے ایک مرتبہ بھی میرا نام نہیں لیا لیکن آج تک میں نے اس کا رزق بند نہیں کیا۔

ریما علی.....ملتان

رشک

دولوگوں پر رشک کرنا چاہیے ایک وہ جو دولت مند ہو اور اللہ کے راستے پر مال خرچ کرتا ہو اور دوسرا وہ جو عالم ہو اور علم کے ذریعے فیصلے کرتا ہو۔

دھنک ناز.....کراچی

عشق

مولانا رومی ایک دن خرید و فروخت کے سلسلے میں بازار تشریف لے گئے۔ ایک دکان پر جا کر رک گئے۔ دیکھا کہ ایک عورت کچھ سودا سلف لے رہی ہے۔ سودا خریدنے کے بعد اس عورت نے جب رقم ادا کرنی چاہی تو دکان دار نے کہا، عشق میں حساب کتاب کہاں ہوتا ہے، چھوڑو پیسے اور جاؤ۔
مولانا رومی یہ سن کر غش کھا کر گر پڑے۔ دکان دار سخت گھبرایا اس دوران وہ عورت وہاں سے چلی گئی۔ خاصی دیر بعد جب مولانا رومی کو ہوش آیا تو دکاندار نے پوچھا:
مولانا صاحب آپ کیوں بے ہوش ہوئے؟
مولانا رومی نے جواب دیا،
میں اس بات پر بے ہوش ہوا کہ تم دونوں میں اتنا قوی اور مضبوط عشق ہے کہ آپس میں کوئی حساب کتاب

نہیں جب کہ اللہ کے ساتھ میرا عشق کتنا کمزور ہے کہ میں تسبیح کے دانے گن گن کر گراتا ہوں۔

عانیہ نیازی.....کراچی

اقوال

☆ ہر کام صرف اس وقت تک مشکل لگتا ہے جب تک کہ اس کو سرانجام دینے کے لیے پہلا قدم نہ اٹھالیا جائے۔

☆ خون کا رشتہ کتنا ہی اذیت ناک کیوں نہ ہو تادم آخر ہمارے احساسات کے ساتھ جڑا رہتا ہے۔

☆ کسی کے ساتھ بداخلاقی کا مظاہرہ کرنے والا مقابل سے زیادہ اپنا نقصان کرتا ہے۔

☆ زندگی میں ہر کام نہایت سوچ سمجھ کر کیجیے کیونکہ زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر اس کے نتائج آپ کے لیے اہمیت اختیار کر جائیں گے۔

☆ اگر آپ دوسروں سے جلد متاثر ہو جاتے ہیں تو بہتر یہی ہے کہ لوگوں سے دور رہا جائے تاوقت یہ کہ آپ ان کے خلاف خود میں مدافعت پیدا نہ کرلیں۔

☆ آپ دوسروں سے واقف ہوں نہ ہوں لیکن خود کو ضرور جانتے ہیں۔

☆ اگر آپ معافی کا مطلب سمجھنا چاہتے ہیں تو ایک ایسے شخص کو معاف کرنے کی سعی کرکے دیکھیں جو آپ کی کردار کشی کا مرتکب ہوا ہو، آپ جان جائیں گے کہ معاف کردینے کا اجر اتنا زیادہ کیوں رکھا گیا ہے۔

فوزیہ خان لاہور

حماقت

☆ پانی سے آگ بجھ سکتی ہے چھتری سے دھوپ رک سکتی ہے لکڑی سے دوسرے جانور رک سکتے ہیں ہر بیماری کے لیے ایک دوا ہے ہر گناہ کی تلافی کے لیے کوئی نہ کوئی طریقہ ہے لیکن احمقوں کی حماقت کسی طرح دور نہیں ہوسکتی۔

(فرینکلن)

سمجھداری

پیش لاکٹ کیا تو فرمایا
یہ تو مجھ سے بھی خوبصورت ہے
دیا دل تو بولیں رہنے دو
اس تکلف کی کیا ضرورت ہے

نگہت توقیر.....چیچہ وطنی

سوالیے

ایک خاتون کے ہاں چوری ہوگئی، پولیس افسران کے گھر پہنچا اور اس نے تفتیش شروع کرتے ہوئے خاتون سے کئی سوال کیے ایک سوال کے جواب میں خاتون نے قدرے روتے ہوئے ان سے کہا:

''آج کل کون کسی پر اعتبار کرے، دیکھیے میری پرانی نوکرانی نقد رقم کے علاوہ تین بہترین لباس بھی لے بھاگی، جو میں نے پیرس سے واپسی پر کسٹم کے ذریعے اسمگل کیے تھے۔

نور بانو.....کوئٹہ

قطعہ

کوئی راستہ ہی نہیں سوجھتا تھا
غموں میں کچھ اس طرح گھر گیا تھا
نجانے گئیں مشکلیں پھر کہاں سب
ابھی نام مشکل کشا کا لیا تھا

راؤ تہذیب حسین تہذیب.....رحیم یار خان

وجہ انتخاب

مرد جب کوئی چیز خریدتا ہے تو عام طور پر اس کی صرف ایک ہی وجہ ہوتی ہے اور وہ یہ کہ اسے اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن عورت جب کوئی چیز خریدتی ہے تو اس کو مندرجہ ذیل وجوہ میں سے کوئی بھی ایک وجہ درپیش ہوسکتی ہے۔

☆ کیونکہ اس کے شوہر نے اسے وہ چیز خریدنے سے منع کیا تھا۔

☆ کیونکہ اس چیز کی وجہ سے وہ دبلی، کم عمر اور زیادہ خوبصورت نظر آنے لگے گی۔

☆ کیونکہ وہ باہر کی بنی ہوئی ہے۔

☆ کیونکہ پڑوسنیں اسے دیکھ کر جل جائیں گی۔

☆ کیونکہ اس سے پہلے وہ کسی کے پاس نہیں تھی۔

☆ کیونکہ وہ منفرد نظر آئے گی۔

☆ کیونکہ اس سے پہلے یہ چیز سب کے پاس تھی۔

افشاں علی.....کراچی

محبت

میں نے رقیبوں کو محبت کی آگ میں جلتے اور بھسم ہوتے دیکھا ہے، پھر ان کی راکھ کو کئی کئی دن اور کئی کئی مہینے ویرانوں میں اڑتے دیکھا ہے۔ ان لوگوں سے بھی ملا ہوں، جو محبت کی آگ میں سلگتے رہتے ہیں اور جن پر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ راکھ کی ہلکی سی تہہ چڑھ جاتی ہے، پھر اور وقت گزرنے پر دور پار سے ہوا کا کوئی جھونکا گزرتا ہے تو ان کی راکھ جھڑ جاتی ہے اور انگارے پھر دہکنے لگتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی میری زندگی سے گزرے ہیں جو چپ چاپ محبت کے سمندر میں اتر گئے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ وہ لوگ بھی ہیں جو کاروبار کرتے ہیں دفتروں میں بیٹھتے ہیں، دریا روکتے ہیں، ڈیم بناتے ہیں، ٹینک چلاتے ہیں اور محبت کی ایک بند ڈبیا ہر وقت اپنے سینے کے اندر محفوظ رکھتے ہیں۔ مسافر، سیاح، کوہ پیما، دشت نورد، آپ کسی کے بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتے۔

دراصل محبت کے لیے ایک خاص فضا ایک خاص علاقے، ایک خاص ایکولوجی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے لیے دو لوگوں کی یاد، دو دلوں کے ملنے کی احتیاط نہیں ہوتی، ایک خاص پس منظر کی ضرورت ہوتی ہے دراصل پس منظر بھی مناسب لفظ نہیں یہ تو آدمی کی سوچ محدود کردیتا ہے اس کے لیے ایک اور چیز کی ضرورت ہوتی ہے جس کا نام ابھی تک تجویز نہیں کیا جاسکا۔

(اشفاق احمد ''سفر در سفر'')

صائمہ ناز.....ملتان

شوخ سطریں...!

یہ وطن پہ اپنی جان کیا دیں گے
یہ لوگ وقت پہ امتحان کیا دیں گے
جو جوتے کھا رہے ہوں دنیا میں لوگو!
وہ روٹی کپڑا اور مکان کیا دیں گے
تیری یاد مجھے یوں آتی ہے فراز
جیسے تیز ہوا میں شاپر اڑ کر آتے ہیں

اسے کہا بھی تھا کہ میری جیولری کی شاپ نہیں امتیاز پھر بھی کہتی ہے ماہی.....ماہی! مینوں چھلہ پوا دے بیٹھ کر محبوبہ کی زلفوں تلے جوش آیا پر بیوی نے دیکھ لیا اور آئی سی یو میں ہوش آیا
تجھے پانے کے لیے میں کچھ بھی کرسکتا ہوں
تیرے پیار میں جی اور مر سکتا ہوں
پھر بھی تُو نہ ملی تو غم نہیں
یہ فارمولا میں دوسری پر ٹرائی کرسکتا ہوں

ایس امتیاز احمد.....کراچی

باتوں سے خوشبو آئے

☆ ایسی شناسائی جو فوراً ہو جائے، پچھتاوے کا باعث بنتی ہیں۔

☆ جو محبت تم اپنے ماں باپ سے کروگے، وہی محبت آپ کی اولاد آپ سے کرے گی۔

☆ جب کسی شے سے تضاد ختم ہو جائے تو اس سے دلچسپی بھی ختم ہو جاتی ہے۔

☆ بدصورت چہرہ بدصورت دماغ سے بہتر ہے۔

☆ اچھا سوال پوچھنا آدھا علم ہے۔

☆ محنت ایک ایسا پھول ہے، جو کبھی نہیں مرجھاتا۔

☆ دوسرے آدمی کی دلچسپی کو مدنظر رکھ کر ان سے گفتگو کیجیے، عزت حاصل ہوگی۔

☆ امید زندگی کا لنگر ہے۔ اس کا سہارا چھوڑ دینے سے انسانی کشتی گہرے پانی میں ڈوب جاتی ہے۔

☆ عیش، اقتدار اور حرمت میں لوگ بدلتے نہیں، بے نقاب ہو جاتے ہیں۔

صبا سحر.....ہارون آباد

☆.....☆.....☆

ذرا پھر سے کہنا

سلام یا حسینؑ

آنکھ حیراں ہے
تاریخ بھی روتی ہے ابھی تک
کس طرح جلتی ہوئی ریت پہ جانیں دے کر
لشکرِ شبیرؑ نے دین کا علم اونچا کیا
اور باطل کو رہتی دنیا تک
قابلِ مذمت بنا دیا آخر
لشکرِ حسینؑ کے وہ بہتر (72) شہداء
اشک بن کر رہتے ہیں آنکھوں میں عزاداروں کی
سلام کرتے ہیں یا حسینؑ تجھے
تیری جرأت پہ ناز کرتے ہیں
تیرا صد احترام کرتے ہیں
یوں عزادار ماہِ محرم میں
حسینؑ تجھ کو سلام کرتے ہیں

سباس گل

دشتِ کوفہ میں

سرد راتوں کے لمحوں میں برستا لہو
نہ سراغ نہ مدعی نہ شہادت کی گواہی
خون رنگ انسان کا بہتا رہا سرِ عام
سانحہ کچھ بھی ہوا انسان تھا جو یومِ شہادت پر
اپنی جان گنوا بیٹھا اپنوں کے ہاتھوں ہی سہی
پھر نفرت کا دیا کس نے جلایا
سرِ عام جو نکلے خنجر
کتنی شفاف ہیں پوشاک لہو جن پر نہ تھا
ہر چند کہ سرخ قبا پہنے ہوئے پھرتے رہے
پھر بھی نہ شہر میں کوئی گرفتار ہوا
سانحہ پنڈی میں ہر آنکھ اشکبار ہوئی
پس دیوار کوئی سسکتا ہی رہا
گردنیں چاک ہوئیں ذبح انسان ہوئے
اک مقتل کا سماں تھا شام ڈوب گئی
یاد تازہ ہوئی کوفے کی گردنوں پر خنجر جو چلے
سرد راتوں میں دیا جلتا ہی رہا
نفرتوں کی دیوار بہت اونچی ہے
سایہ دیوار میں سسکتی ہے روح میری
یہ خون جواں خون تھا
جو گر کر زمین پر خاک ہوا

صالحہ محمود

نظم

ہر سال جب یہ دن آئے گا
مجھے دسمبر ستائے گا
محبت میں تجھے پا نہ سکا میں
کہ دسمبر بھی کب تک رلائے گا
ہوگا احساس تمہیں بھی میرے درد کا
اک دسمبر جو تیرا کٹ نہ پائے گا
جگر، دل، جان کیا ہیں اے جاناں
تیری یاد میری رگ رگ میں ناچتی ہے
رو دو گی تم بھی جب تنہا
ہاتھوں میں کوئی جو گجرے پہنائے گا
یارب! مجھے صبر دے کہ
محبت کا انجام بے وفا ہے
اس نے کیا تلاش اپنا ہمسفر
مجھے اب دل جانے
کیسے کیسے ناچ نچائے گا
سرد شب، جلتا جسم بکھر رہا ہے

کہ دسمبر بھی کب تک سمٹ پائے گا
بانہوں میں لے گا جب کوئی تمہیں جاناں
نظریں جب تم سے ملائے گا
چمکتا سا اک آنسو
لبوں کو تمہارے چھو جائے گا
میں یاد آؤں گا، یاد آتا رہوں گا
تم تنہا ہو یا ہو محفل میں
گرمی کے ہر دن میں یاد آئے گی
سرد دسمبر گزارا نہ جائے گا
بھول تجھے پاتا نہیں ہے کوئی
ثمر کب تک خود کو تو جلائے گا
بھول جا اس بے وفا کو
وہ اک دن خود ہی چلا آئے گا

ثمر احمد

نظم

میں اکثر سوچتی ہوں
کہ تمہارے پاس جائے بغیر
تم سے مل آؤں
اور منہ سے کچھ بولے بغیر
بہت سی باتیں کہہ آؤں
شاید...
تمہاری سوچ بھی کچھ ایسی ہو
کیونکہ
یہاں رواج ہے
کہ ہم ہمیشہ
اپنی اپنی اناؤں کی خاطر
اپنی حقیقی اناؤں کو
کچلتے رہتے ہیں
ہے ناں؟

نوشین طاہر

عبرت کی نشانیاں

اپنے وطن کو عبرت کی نشانی بنایا قاتلوں نے
رب کے قہر و غضب کو جھٹلایا قاتلوں نے
ہتھیاروں سے لیس گھروں کو سجایا قاتلوں نے
مسجدوں کو دھماکوں سے تباہ و برباد کیا قاتلوں نے
مسلمانوں کا خون ریزہ کیا قاتلوں نے
اپنے وطن کو عبرت کی نشانیاں بنایا قاتلوں نے
اندھا دھند انسانوں کو لوٹا قاتلوں نے
محنت مزدور کی روٹی روزی چھینی قاتلوں نے
بیماریوں سے، بھوک سے
بلکتے، تڑپتے، ترستے
معصوم بچوں کو مروایا قاتلوں نے
اسپتالوں کو قبرستان بنایا قاتلوں نے
اسکولوں کو دھماکوں سے اڑایا قاتلوں نے
وہ مستقبل کی روشن آنکھوں کو
ابدی نیند سلایا قاتلوں نے
اپنے وطن کو عبرت کی نشانیاں بنایا قاتلوں نے
معصوموں کی چیخ و پکار، آہوں صداؤں نے
وحشی سے دیوتا بنایا قاتلوں کو
جانوروں سے بھی بدتر
انسانوں کو کاٹا قاتلوں نے
سڑکوں کو خون کی ہولی سے نہلایا قاتلوں نے
اپنے وطن کو عبرت کی نشانی بنایا قاتلوں نے
رب کے قہر و غضب کو جھٹلایا قاتلوں نے
رب کے قہر و غضب کو جھٹلایا قاتلوں نے

مدیحہ اعجاز حسین

الوداع

الوداع کہہ رہا ہوں اس لختِ جگر کو
جسے پالا تھا بڑے نازوں کے ساتھ
ساتھ رکھنا میری اس نصیحت کو
آئے نہ اس میں کوئی بھی دراڑ
موتیوں کی ایک مالا ہے تیرا سسرال
تجھے اس بات کا رکھنا ہے خیال۔
جب کوئی موتی ٹوٹ جائے

میری بیٹی سے کوئی روٹھ جائے
موتیوں کو بڑے پیار سے بڑی آن سے
تُو اس مالا میں پرو دینا
مالا میں کوئی موتی ہو جائے گر کم
دل بھی پرو دینا نہ کرنا غم
الوداع ہے آج تجھے
بات ہے رکھنا یاد تجھے
میاں تجھ سے گر روٹھ جائے
تو اپنی ناراضی کو بھول جانا
وہ جو حکم دے
تو اسے اپنی زندگی کا اہم بنا دینا
اس کی عزت ہے سر کا تاج تیرے
پہن کے رکھنا ایسے
الوداع تجھے آج اے بیٹی!

زارا صدف قمر

نظم

جب بھی دیکھوں میں
گلاب کوئی
اپنے اردگرد
خوشبو تیری
محسوس کروں

تبسم فیاض

ابھی تو....

عروج پر ہے ابھی تمہارا موسم
خزاں میں تم کو خرید لیں گے
بنو گے ہم سے رحم کے طالب
نہ تم کو موقع مزید دیں گے
ادا کے قصے ہوئے پرانے
جفا کا موسم ختم ہی سمجھو
کریں گے تم سے حساب جاناں
نہ تم کو مہلت مزید دیں گے
وفا کے لالچ میں آ کر ہم نے
لہو بھی اپنا سکھا دیا ہے
فریب دوستی کے بدلے تم کو
سزا ابھی سن لو
شدید دیں گے
عروج پر ہے ابھی تمہارا موسم
خزاں میں تم کو خرید لیں گے

فرزانہ شوکت

دکھ

کیا تمہیں یاد ہے جاناں؟
تم کیسے منایا کرتے تھے
ہم کیسے روٹھا کرتے تھے
ہم گھنٹوں باتیں
کیا کرتے تھے
کسی بھی موضوع پہ
اکثر ہی ہم دونوں
بحث کیا کرتے تھے
راتوں کو پہروں
جگا کرتے تھے
ہمیشہ ہم
ساتھ رہا کرتے تھے

افسانہ آفتاب

ملالے

وہ ایک سیدھی سادی معصوم لڑکی
ایک کونے میں کھڑی سوچ رہی تھی
یہ میری کس سوچ کا مفہوم ہے
یہ جو کچھ جو آج مجھ سے منسوب ہے
ابھی تو بستہ میں نے اٹھایا ہی تھا
منزل کی جانب قدم بڑھایا ہی تھا
کہ دشمن نے میرے سر کا نشانہ لیا
ملی زندگی مجھے یہ ہے رب کی رضا
مگر اس میں نظر آئی کسی کو اپنی فتح
ابھی میں نے پڑھا نہ پڑھایا کسی کو

میرے ساتھ نے تعلیم یافتہ بنایا سبھی کو
یہ ہے جیت میری یا کوئی تحریک ہے
یا پھر سوئے دار تک لے جانے والی کوئی زنجیر ہے

سحر انجم

سدا سہاگن رہو

وہ مہکا ہے بدن ترا اِک ہی رات میں
سلوٹیں جو پڑیں ترے بستر کی شال پہ
چھن سے بج اٹھتی ہیں چوڑیاں کانچ کی کمن
جب مچل جاتی ہو اس کی بانہوں کے گرم حصار میں
جا بجا رنگ بکھر جاتے ہیں تیرے نوخیز زیبا رخ پہ
جب بھڑک جاتا ہے دل ان کی اَن کہی بات پہ
حیا سے گر جاتی ہیں تیری گھنی پلکیں اور بدن
ذرا سی جو شرارت کر بیٹھے وہ دانستہ ہاتھ سے
سبز ڈالی کی طرح لہرا کے گر جاتی ہو اس کے پہلو میں
دیکھ لے جو تجھ کو اِک نظر شوق جذبات میں
ٹوٹی چوڑیاں جو دیکھتی صبح، تو سکھیاں ہنس کر چھیڑتی ہیں تجھے
کیا کیا افسانہ لکھ دیا ماہی نے جذبات پر
تتلی جیسے کوئی اڑتی ہے کھلتے گلاب سے
کھلکھلا کے ہنس دیتی ہو حیا سے منہ چھپا لیتی ہو
کوئی ہنس کر اڑ جائے پھول کی بات پہ
جا بھیگ جا پوری ناز پیار کی بے تاب برسات میں
رہ نہ جائے کوئی کمی تیرے جوبن کی آتی بہار پہ
دیتی ہوں دعا تجھے فرصت سے ان حسین لمحات میں
سدا سہاگن رہو ماہی کے دل تاجدار پہ

صائمہ ناز

رباعی

کتنے جذباتوں کا گلا گھونٹ گیا چپکے سے
وہ ایک شخص مجھے لوٹ گیا چپکے سے
اک ذرا سی بھی آواز نہ ہونے پائی
میں سلامت رہا دل ٹوٹ گیا چپکے سے

رضوانہ ناصر حنفی

گزرا ہے

دل میرا بڑی تکلیف سے گزرا ہے
آج پھر شاید کوئی اپنا، اجنبی بن کر گزرا ہے
ہم یوں ساتھ چلتے تھے کہ دھڑکنیں سبقت لے جاتی تھیں
اب تو وہ حال ہے آہٹ کیے بنا ہی گزرا ہے
ہنگامہ سا بپا ہے دل کی ویران بستی میں
وہ مگر بڑی خاموشی سے گزرا ہے
وقت ہے بے رحم دبے پاؤں گزرتا ہے
وہ سنگر بھی آج دبے پاؤں دل کے کوچے سے گزرا ہے
جس کی انگلیوں پر لمس بولتا تھا میرا
کسی اور کا تھامے ہاتھ آج میری گلی سے گزرا ہے
چلو آؤ اب اس محبت پر فاتحہ پڑھ لیں
ارمانوں کی لاش پر سے وہ مسکرا کر گزرا ہے
وہ جس کا تعلق ہو جانے کو ہے فسانہ
اسی کی یاد میں دیا آنسوؤں کا ٹمٹما کر گزرا ہے

سعدیہ عابد

بے وفاؤں کے نام

ترس جاتے ہیں اپنوں کے پیار کے لیے ہم
آنسو آنکھوں سے بہتے تڑپ کے دل روتا ہے
تڑپ ان کی لگی جو خود کو کچھ سمجھتے ہیں
پھینک دیا کوڑا سمجھ کر ہم کو
ہر پل یاد اپنوں کی ستاتی ہے
لیکن اسے کوئی سمجھے تو نا...!
رونا تقدیر میں لکھا ہے ہماری
ہم کیا کسی سے شکایت کریں جب مقدر یہ ہمارا ہے
بہت کوشش کی اسے اپنانے کی
بھول گئے وہ ڈراؤنا خواب سمجھ کر
کیا کمی رہی ہمارے پیار میں
ہم باوفا تھے اور وہ بے وفا نکلے

صائم علوی

غزل

ناکامیوں کے دور میں یہ کام بھی نہیں
اب ان سے رسم نامہ و پیغام بھی نہیں

چھوڑا ستم تو نسبت ترک ستم وہی
میرے بغیر آپ کو آرام بھی نہیں
ان کے لبوں پہ موج تبسم تو کنار
کیا ہے کہ میرے واسطے دشنام بھی نہیں
کیا کیا نہ میرے دل پہ قیامت گزر گئی
پھر وہ نگاہ مورد الزام بھی نہیں
اس بے وفا کو جان وفا کس طرح کہوں
اس کے علاوہ اور کوئی نام بھی نہیں
یہ اپنے اپنے حوصلہ دل کی بات ہے
منزل کہ دور تر بھی ہے دو گام بھی نہیں
تاہم امتیاز نوازش ساقی کا شکریہ
خالی کچھ اس قدر تو میرا جام بھی نہیں

ایس۔امتیاز احمد

غزل

یہ گھر پرانا ہوگیا ہے
خود سے ملے زمانہ ہوگیا ہے
بات تھی آپس کی شناسائی کی
گلی گلی گئی تو فسانہ ہوگیا ہے
ہوا جو ذکر اس کا سرے محفل
میرے اندر تو جیسے اجالا ہوگیا ہے
جب سے تنہائی نے نکالا ہے گھر سے
میخانہ ٹھکانہ ہوگیا ہے
نئی نئی دستکیں ہونے لگیں دل پر
جو دل کا مکان خالی ہوگیا ہے
وہ اپنے شہر میں آ بسا ہے عامر
ملتا نہیں ہے مگر کس قدر بیگانہ ہوگیا ہے

عامر عزیز

غزل

ایسا نہ ہو کہ موت ہو اس پار دیکھنا
دیوار دیکھ کر پس دیوار دیکھنا
تم دیکھتے ہو سارے جہاں کو کمال ہے
میرے لیے تو خود کو ہے دشوار دیکھنا
جس آدمی پہ تم کو ذرا سا بھی شک نہیں
اس آدمی کو ایک بار غور سے دیکھنا
ہجرت کی آرزو پس ہجرت ہے آپ کو
آنکھوں سے پھر لٹا ہوا گھر بار دیکھنا
میری بھی آرزو ہے پڑوسی تو میں بھی ہوں
میری طرف کبھی میرے سرکار دیکھنا
سورج نے اپنی پہلی کرن کو رہا کیا
سیخے لگا ہے صبح کا دربار دیکھنا
واجد بھی آرہا ہے تمنا لیے ہوئے
اے ساقیا پاک کوچہ و بازار دیکھنا

ڈاکٹر واجد نگینوی

غزل

زندگی درد کی پوشاک سے باہر بھی تو آ
اچھا لگتا نہیں اترا ہوا چہرہ تیرا
سب کی آنکھوں میں سفیدی سی اتر آئی ہے
اب شناسا نہیں اس شہر میں کوئی میرا
آج جب وقت پڑا اس نے بدل لیں آنکھیں
وہ کہ جس شخص سے اپنا تھا تعلق گہرا
دیکھنا پھول محبت کے کھلیں گے کیسے
تُو کبھی دشت اذیت میں مرے ساتھ تو آ
ہم کو ناراض نہ کر بات ہماری سن لے
ہم تو ہر شخص کے در پر نہیں دیتے ہیں صدا
میں تو حیران ہوں زندہ ہے کیسے اب تک
تجھ سا اس شہر میں تنہا نہیں کوئی دیکھا

حکیم خان حکیم

تمہارے وہ وعدے اور دسمبر

دسمبر کی یخ بستہ ہواؤں نے
پھر مجھے تمہاری یاد دلا دی ہے
میرے تمام تر دکھ ادھیڑ کر رکھ دیئے ہیں

یخ بستہ سردیوں کی شاموں میں
تمہارا مجھ سے کافی کی فرمائش کرنا
دونوں ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے
سردی کے سبب سرخ ہوتے چہرے کی
پرواہ کیے بنا
بادلوں کی اوٹ میں چھپے چاند کا
دیر تلک نظارہ کرنا
خود کو سرد ہواؤں کے سپرد کر کے
میرے کاندھوں پہ اپنی معطر کن مہک
سے مزین کوٹ ڈال دینا
میرے ساتھ چہل قدمی کرتے ہوئے
تمہارا وہ مجھ سے کہنا جاناں!
دسمبر میں تم مجھے بے حد یاد آیا کرو گی
دیارِ غیر میں تمہاری کمی شدت سے
مجھے ستایا کرے گی
مجھے تو سب ہی کچھ یاد دلایا ہے دسمبر نے
تمہارے بہت سے دسمبر مجھ بن گزر گئے
کاش! دسمبر تمہیں بھی یہ سب یاد دلا دیتا
جو وہ ہر ایک دسمبر میں مجھے
یاد دلاتا رہا ہے

رضوانہ آفتاب

اے دل

اے دل
رُک جا، ٹھہر جا
انتظار کر
نہ تُو صبر کا دامن
ہاتھ سے چھوڑ
ابھی وقت پڑا ہے
ابھی سے ہار مان لینا
اچھی بات نہیں
محبت میں ابھی
ہار جیت باقی ہے
اے دل!

پونم شاہ

نظم

اے دسمبر الوداع
تُو نے جو دل پہ لگائے زخم سارے یاد ہیں
اور جو قسمت کے ڈوبے ہیں ستارے یاد ہیں
کل جو خالی تھا دامن آج بھی خالی رہا
میرے دل کا سُونا آنگن آج بھی خالی رہا
مل سکی نہ ایک ہستی بھی ہمیں یہاں باوفا
اے دسمبر الوداع...!
آنے والا سال جانے کیا ہمیں دے گا سوغات
پھول خوشیوں کے کھلیں گے یا پھر وہی ہوگی برسات
اے دسمبر جاتے جاتے ایک احسان تو کر
مستقل جو درد دل میں ہے اسے مہربان کر
چن لے آنسو آنکھوں سے ہونٹوں کو ہنسنا تو سکھا
اے دسمبر الوداع...!
اے دسمبر الوداع...!

اتشال اریب ازلی

☆.....☆.....☆
☆.....☆.....☆

نوٹ: قارئین! ردّا میں آپ لوگوں کے لیے ایک نیا سلسلہ شروع کیا جارہا ہے اور اس سلسلے میں صرف اور صرف خواتین شامل ہوسکتی ہیں۔ ''ذرا پھر سے کہنا'' کی خواتین شعراء بھی جلد سے جلد اپنا تعارف لکھ کر ردّا بھیج سکتی ہیں۔

ادارہ

ملاقات

ماڈل عرشیہ سے ایک ملاقات

☆ آپ کا پورا نام؟

❁ عرشیہ۔

☆ پیار سے گھر والے آپ کو کس نام سے پکارتے ہیں؟

❁ عرشی۔

☆ تاریخ پیدائش اور شہر؟

❁ لاہور، 14 نومبر۔

☆ تعلیمی قابلیت؟

❁ گریجویشن۔

☆ آپ کا اسٹار اور سب سے پہلے آپ کو کون وش کرتا ہے؟

❁ میری والدہ مجھے وش کرتی ہیں اور میرا اسٹار Scorpion ہے۔

☆ مستقبل میں آپ کیا بننا چاہتی ہیں؟

❁ ڈاکٹر۔

☆ بہن/ بھائی اور آپ کا نمبر؟

❁ 4 بہنیں ہیں، میرا نمبر چار ہے۔

☆ ماڈلنگ کا شوق آپ کو کیسے ہوا؟

❁ گانے دیکھ دیکھ کر۔

☆ شادی لو یا ارینج پر یقین رکھتی ہیں؟

❁ لو میرج پر۔

☆ پہلا پروگرام جو وجہ شہرت بنا؟

❁ کمرشل شوٹ۔

☆ پہلی کمائی اور اس سے کیا کیا آپ نے؟

❁ 1,000 تھی اور جیولری خریدی تھی۔

☆ اپنے چہرے کے خدوخال میں کیا پسند ہے؟

❁ آنکھیں۔

☆ اپنے مسائل کس سے شیئر کرتی ہیں؟

❁ ابو سے۔

☆ پہلی ملاقات میں کس چیز کا جائزہ لیتی ہیں؟

❁ شخصیت کا۔

☆ آئینہ دیکھ کر کیا خیال آتا ہے؟

❁ کتنی خوبصورت ہوں۔

☆ پسندیدہ موسم؟

❁ بارش۔

☆ پسندیدہ شہر؟

❁ اسلام آباد۔

☆ پسندیدہ لباس و رنگ؟

❁ شلوار قمیض، رنگ سفید۔

☆ پسندیدہ دوست و شخصیت؟

❁ پسندیدہ دوست بہنیں اور شخصیات بہت سی پسند ہیں۔

☆ پسندیدہ سنگر و اداکار؟

❁ پسندیدہ سنگر علی ظفر اور اداکار بہت سے۔

☆ آپ اپنے آپ کو کب بے بس محسوس کرتی ہیں؟

❁ کرتی ہی نہیں ہوں۔

☆ ایسا انسان جس نے آپ کی زندگی بدل دی؟

❁ ابھی تک آیا نہیں۔

☆ اگر دعا سے کچھ مل سکتا تو کیا مانگتیں؟

❁ میرے ابو ہمیشہ میرے ساتھ رہیں۔

☆ کھانا کس کے ہاتھ کا پسند ہے؟

❁ امی کے ہاتھ کا۔

☆ موڈ کب اور کن باتوں پر خراب ہوتا ہے؟

❁ غلط بات پر۔

☆ کوئی خواہش جس کے پورے ہونے کی دعا کرتی ہوں؟

❁ ملک کے حالات بہتر ہو جاتے۔

☆ پسندیدہ چینل

❁ Geo

☆ کیا دعا سے قسمت بدل جاتی ہے؟

❁ جی ہاں بالکل۔

☆ اپنی ذات میں کیا بدلنا چاہتی ہیں؟

❁ کچھ نہیں۔

☆ موت سے ڈر لگتا ہے؟

❁ بالکل بھی نہیں۔

☆ کون سی تقریبات میں جانا پسند کرتی ہیں؟

❁ ڈھولکی پر۔

☆ روایتی تہوار شوق سے مناتی ہیں؟

❁ جی بالکل۔

☆ شوبز کی کوئی برائی؟

❁ کوئی نہیں۔

☆ سیل فون آپ کی نظر میں؟

❁ ضرورت کی چیز ہے۔

☆ شہرت ملنے پر آپ کے کیا تاثرات ہیں؟

❁ بہت خوش ہوں۔

☆ سارے دن میں پسندیدہ وقت؟

❁ شام کا وقت مجھے بے حد پسند ہے۔

☆ زندگی میں کس چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے؟

❁ اپنے تایا کی۔

☆ کیا محبت ایک بار ہوتی ہے؟

❁ جی بالکل۔

☆ پسندیدہ صحافی اور کتاب؟

❁ Herry Potter/نجم سیٹھی۔

☆ گھر والوں کی کون سی بات سے آپ کا موڈ خراب ہو جاتا ہے؟

❁ جب روک ٹوک زیادہ کریں۔

☆ کن کے بناء آپ رہ نہیں سکتیں؟

❁ امی، ابو کے بناء

☆ آدھی رات کو آنکھ کھل جائے تو آپ کا ردعمل کیا ہوگا؟

❁ پھر سو جاتی ہوں۔

☆ کن چیزوں پر آپ بہت خرچ کرتی ہیں؟

❁ شاپنگ پر۔

☆ کن باتوں پر کنٹرول نہیں ہوتا؟

❁ جو جھوٹ بولتے ہیں۔

☆ آپ کی کوئی خوبی، خامی؟

❁ خوبی یہ ہے کہ غصہ نہیں کرتی، خامی پتہ نہیں۔

☆ آپ کی نظر میں پاکستان کیسا ملک ہے؟

❁ بہت اچھا۔

☆ آپ کی نظر میں پاکستان میں کون سی تبدیلی ضروری ہے؟

❁ تعلیم کی۔

☆ کون سے الفاظ زیادہ استعمال کرتی ہیں؟

❁ Thank You۔

☆ پیسہ کس شکل میں سیف کرتی ہیں؟

❁ Bank۔

☆ آپ کی اب تک کی سب سے قیمتی چیز؟

❁ والدین۔

☆ چھٹی کا دن کیسے گزارتی ہیں؟

❁ سو کر۔

☆ قابل اعتبار کون ہوتا ہے مرد یا عورت؟

❁ حالات پر ہوتا ہے، دونوں ہو سکتے ہیں۔

☆ کبھی سوچا آج سے دس سال بعد کہاں ہوں گی؟

❁ ملک سے باہر انشاء اللہ۔

☆ ردا کے قارئین کے نام کوئی پیغام؟

❁ کہانیاں ضرور پڑھیں لیکن حقیقت پسند رہیں۔

☆.....☆.....☆

سندیسے

ثمر احمد.....کراچی

السلام علیکم آپی! کیسی ہیں آپ؟ امید ہے کہ آپ تمام اسٹاف خیریت سے ہوں گے، خدا پاک سب کو خوشحال رکھے آمین! نومبر کا شمارہ بہترین رہا، تمام لکھنے والوں کی تحریریں بہترین رہیں، اپنی تحریر اور نظم کو دیکھ کر جو خوشی ہوئی اس خوشی کو لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں، بہت شکریہ۔ میری تحریر میں جو تبدیلی کی وہ میں نے نوٹ کر لی ہے، آگے سے میں اپنی تحریر میں اس بات کا خاص خیال رکھوں گی، امید ہے کہ میری باقی تحاریر کو بھی ردا میں آپ جلد شامل اشاعت کریں گی، بہت سی دعاؤں کے ساتھ اجازت، آپ کے لیے دعا گو۔

افشاں علی.....کراچی

دسمبر کی ٹھٹھرتی سردی اور شروع ہوتے موسم سرما کی شوخ و خنک در ہواؤں کے قافلوں سے لڑتے، گرم گرم لحاف میں، نرم تکیے کی آغوش میں خستہ مزے دار مونگ پھلیاں نوش فرماتے ساتھ ہی بھاپ اڑاتی کافی سے لطف اندوز ہوتیں پیاری سی صالحہ آپی، نورین جی، تمام رائٹرز اور تمام پیاری قارئین کو افشاں علی کا پرخلوص سلامِ محبت، ڈھیروں دعاؤں کی سنگت میں قبول ہو۔

سب سے پہلے تو سوئیٹ سی صالحہ آپی! آپ کا تہہ دل سے بہت بہت شکریہ کہ آپ نے میری تحریر کو ردا کی زینت بنایا اور ساتھ ہی ان تمام قارئین کا بہت بہت شکریہ جنہوں نے ماہ اکتوبر میں سندیسے میں میرے جامع تبصرے کو پسند کیا۔ رات کا چپ چاپ پہر، اپنی خاموشی میں گم صم، اوائل نومبر کے چاند کو تکنے میں محو تھا تو وہیں نرم سبک ہواؤں کے دوش پر آمدِ نومبر کے ساتھ ہی ہمیں ردا کے نئے شمارے کا انتظار بھی شدید تر تھا۔ بالآخر ملن کی رُت تو آنی ہی ہے۔ انتظار کی طوالت بے چینی ہی کو نہیں بلکہ محبت کے کوزے کو اور بھی بھر دیتی ہے۔

سرورق پر فرینہ اعجاز بہت پیاری لگی، فہرست میں اپنا نام دیکھ کر دل خوشی کے مارے یوں ناچنے لگا جیسے Oxford یونیورسٹی میں Top پر ہمارا ہی نام ہو (ہاہاہا!) گوشہ آگہی سے آپ کے قلم سے بکھرے موتی سمیٹتے سب سے پہلے آپ کے ناول ''وہ جو رگِ جاں سے قریب تھے'' کی طرف بڑھے اختتام کی طرف بڑھتا یہ خوبصورت دل موہ لینے والا ناول بہت زبردست رہا۔ اختتام کی طرف بڑھتے اس ناول کے قدم روی اور اشمل کو بالآخر قریب لا ہی رہے ہیں۔ آخری پیراگراف جہاں آپ نے Note دیا وہ تو بہت غور و فکر سے پڑھا کیونکہ وہ کہتے ہیں ناغور و فکر سے کیا گیا مطالعہ ہمارے لکھنے کی صلاحیت کو اور عمدہ کرتا ہے۔ پیاری سی رائٹر قمر وش شہک کے ناول ''تیرے پیار کی خوشبو'' کی دوسری قسط بھی بے حد پسند آئی، امید واثق ہے یہ ناول بھی ہٹ جائے گا۔ شازیہ آپی کا ''تجھ سے مانگوں تجھ کو'' نائلہ آپی کا ''کبھی کوک میرے دل کوک'' اور سعدیہ جی کا ''بند قبا کھلنے لگی جاناں'' تینوں ہی سو پرہٹ جا رہے ہیں صرف کسی ایک کی ہی تعریف کرنا باقی کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ اس لیے سب اپنی جگہ بیسٹ ہیں۔ ''عشق کی لوجک'' ذرا عجیب ہے ''تجھے چاہتے ہیں'' کہا تو سوچا کیوں نا اسے مختصر لفظ ''محبت'' میں سمیٹ دیں۔ ''کفِ افسوس'' نے بہت دیر تک ہمیں خود میں جکڑے رکھا مکافاتِ عمل سے بھرپور افسانہ تھا۔ کفِ افسوس کے اثر

سے نکلے تو طے کرلیا ''من سے جینا ہے یا مر جانا ہے'' ۔جیا قریشی کا خوبصورت پیرائے میں لکھا گیا مکمل ناول ''تم ہی تو مقدر کا ستارہ ہو'' ہائے....عدن اور شہریار کے ستاروں نے چار چاند لگا دیئے۔ بہت زبردست الفاظوں کے پیرا ہن سے مزین بہت خوبصورت ناول تھا۔ ''ردا کی ڈائری'' اس بار بھرپور اور بہت مکمل لگی، ''اشعار'' بھی سب زبردست تھے جبکہ ''اس ماہ میں'' ہو یا ''خوشبو'' دونوں کو ہی نورین جی نے خوبصورتی سے سجایا ''ذرا پھر سے کہنا'' میں صائمہ ناز، عشوینہ نوشی، مریم مغل، ایس امتیاز، رضوانہ آفتاب اور ثمر احمد کا کلام بہت پسند آیا جبکہ ملاقات میں ماڈل فرینہ اعجاز، سونیا بتول، فاریہ سجاد، فرح ناز اور ریما علی سے مل کر اچھا لگا۔ کچن اور سنگھار سے تو سب کو دلچسپی ہوتی ہے۔

الغرض ردّا میں وہ سب کچھ موجود ہوتا ہے جس پر عمل کیا جائے تو زندگی خوبصورت، آسان اور خوشگوار ہوسکتی ہے، پرخلوص دعاؤں کے ساتھ افشاں علی کو اجازت!

نور بانو.....کوئٹہ

سوئیٹ اپیا! آداب! رنگوں اور خوبصورت ٹائٹل سے سجا خوبصورت ردّا اچھا لگا، فرینہ اعجاز کا خوبصورت سا ٹائٹل اور ان کا انٹرویو بے حد اچھا تھا۔ گوشہ آگہی میں آپی! آپ کی باتیں ہمیشہ دل کو چھو سا جاتی ہیں اور ردّا ئے جنت کا سلسلہ بہت دلکش ہے کہ اس میں اسلامی تعلیمات سے دل و روح منور ہو جاتی ہے سلسلے وار میں ''وہ جورگِ جاں سے قریب تھے'' میں اس بار کی قسط کافی چونکا دینے والی تھی رومی کے ساتھ ہماری ساری ہمدردیاں ہیں جو اتنا سب کچھ فیس کر رہی ہے اور ایشل کی زندگی میں جو یہ نیا حادثہ ہوا ہے کہ وہ کڈنیپ کرلی گئی خدا کرے کہ آگے اس کے ساتھ اچھا ہو اور سمیر جیسے لوگ اکثر گرلز کی زندگیاں عذاب کردیتے ہیں۔ ''تیرے پیار کی خوشبو'' جتنا خوبصورت نام اتنا خوبصورت ناول بھی، قمروش آپی! کے ناولز کی سب سے خوبصورت بات محبت کا بے ساختہ اظہار اور شدت ہے جو مجھے بہت پسند ہے مجھے یقین ہے کہ یہ ناول بھی آگے چل کر شاہکار ثابت ہوگا۔ ''کوک میرے دل کوک'' خرمن اور عارش کے بیچ کی دوریاں ختم سی ہوتی جارہی ہیں اور اصل مزہ آتا ہے عثمان کی چھیڑ چھاڑ میں۔ ''تم ہی تو مقدر کا ستارہ ہو'' میں عدن ایک معصوم لڑکی تھی اور اس کا منگیتر ایک ڈال ڈال منڈلانے والا انسان تھا بروقت اس کے والدین نے رشتہ توڑ ڈالا اور اسے زندگی بھر کے دکھ اور ذلت سے بچالیا ورنہ ایسے لوگ کبھی نہیں سدھرتے اور شہریار کو اس کی محبت مل گئی کیونکہ عدن اس کے نصیب کا ستارہ جو تھی۔ افسانوں میں ثوبیہ ملک، عائشہ الیاس کے افسانے اچھے تھے اور مستقل سلسلوں کے تو کیا کہنے ہر سلسلہ زبردست اور دلکش تھا۔ ذرا پھر سے کہنا میں سب شعراء کا کلام بہت اچھا تھا اور خوشبو اور اس ماہ میں سب کے انتخاب لاجواب تھے۔ دوستوں کے نام پیغام ایک دلکش سلسلہ ہے جس میں اپنوں کے نام پیغام کا دلکش سلسلہ ہے سب کے پیغام پڑھ کر مجھے بہت اچھا لگتا ہے، سنگھار اور کچن بھی زبردست تھے۔

صبا سحر.....ہارون آباد

پیاری آپی اور تمام قارئین کو سلام! اور نیو سال کی بہت بہت مبارک باد! خدا کرے کے آنے والا سال ہم سب کے لیے بہت سی خوشیاں لے کر آئے آمین۔ ردّا کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ردّا نے اپنے پلیٹ فارم سے بہت سے نیو رائٹرز کو متعارف کروایا ہے۔ جواب ادب میں بڑا مقام بنا چکے ہیں۔ ہم تو ان سب کو ردّا کے توسط سے جانتے ہیں اور پسند کرتے ہیں۔ ردّا کے سارے سلسلے وار ناولز مجھے بے حد پسند ہیں اور ہر ماہ مجھے ردّا کے آنے کا بے چینی سے انتظار رہتا ہے جیسے کسی بہت اپنے کا انتظار کوئی دل سے کرتا ہے۔ ''تیرے پیار کی خوشبو'' مجھے زیادہ

پسند آرہا ہے کہ قمروش آپی کا اپنا ایک مخصوص انداز ہے جو قاری کو گرفت میں لیے بغیر نہیں رہتا۔ افسانوں میں سبھی نے بہت اچھا لکھا اور حساس موضوعات کو جامع پیرائے میں بیان کرنے کا فن ردّا کی سبھی رائٹرز باخوبی جانتی ہیں۔ ردّا کے تمام مستقل سلسلے بہت اچھے ہوتے ہیں، خاص کر خوشبو، اس ماہ میں اور دوستوں کے نام پیغام میرے پسندیدہ سلسلے ہیں۔ خاص طور پر میں خوشبو سے کچھ نہ کچھ ہر ماہ اپنی ڈائری کی زینت بنانا نہیں بھولتی وہیں اشعار کا سلسلہ بھی بہت اچھا ہے اور سب ہی کا انتخاب لاجواب ہوتا ہے۔ عشوینہ نوشی، صبا سحر، مسکان، علیشبہ طاہر کا انتخاب زبردست تھا۔ اس ماہ میں اس ماہ کا اقتباس بہت اچھا تھا اور اس ماہ کا شعر بھی۔ آپی! ردّا دن بہ دن نکھرتا جارہا ہے، میری دعا ہے کہ یہ یوں ہی نکھرتا اور سنورتا جائے آمین!

امبرین حیدر.....اسلام آباد

مائی لولی اینڈ سوئیٹ آپی! دعاؤں کے لاکھوں پھول لیے ہم سندیسے کی خوبصورت محفل میں حاضر خدمت ہیں۔ امید واثق ہے کہ آپ اور سب قارئین ورائٹرز خیریت سے ہوں گے اور سردیوں کے مزے لوٹ رہے ہوں گے۔ چلیں اب بات ہوجائے نومبر کے ردا کی، تو اس بار سلسلے دار ناولز کی سبھی اقساط اچھی رہیں، خاص کر ''تیرے پیار کی خوشبو'' اور ''وہ جورگ جاں سے قریب تھے'' کے ناولز کی اقساط زبردست رہیں۔ جیا قریشی کا مکمل ناول ''تم ہی مقدر کا ستارہ ہو'' ایک بہت ہی خوبصورت تحریر تھی، میرا اس بات پر پہلے بھی بلیو تھا اب اور بھی پختہ ہوگیا ہے کہ ملتا وہی ہے جو انسان کے نصیب میں ہوتا ہے۔ بس دیر سویر ہوجاتی ہے اور شہریار کو اس کی محبت عدن مل ہی گئی۔ ناولٹ میں ''انجانی راہوں کے ہم سفر'' آخر کار ایک منزل کے راہی بن ہی گئے، نہایت خوبصورت ناول تھا اور دوستوں کے بیچ کی دوستی کو مضبوط کرتا اور رشتے بناتا چلا گیا۔ افسانوں میں ''کفِ افسوس''، ''من سے جینا یا مر جانا'' نہایت خوبصورت موضوعات تھے جن پر رائٹرز نے قلم اٹھایا، خاص کر کفِ افسوس میں مکافات عمل کا جو رنگ نظر آیا اس نے رونگٹے کھڑے کردیئے۔ مستقل سلسلوں میں ردّا کی ڈائری میں حجاب زہرہ، سحر انجم کا انتخاب پسند آیا۔ اشعار میں سباس گل، عانیہ نیازی، مسکان، عشوینہ نوشی کا انتخاب پسند آیا۔ اس ماہ میں ایک دلچسپ اور معلوماتی سلسلہ ہے جو پورا پورا ہمیں پسند ہے اور اسی طرح خوشبو بھی دل کو بھاتا ہے۔ دوستوں کے نام پیغام سلسلہ میرا سب سے فیوریٹ ہے میں سب کے پیغام پڑھتی ضرور ہوں کہ کون کس کو کیا کہہ رہا ہے؟ ہاہاہاہا! ہم سے ملیئے میں ماریہ سجاد، فرح ناز رفیق، سونیا بتول، ریما علی سے ملاقات دلچسپ رہی۔ کچن اور سنگھار بھی زبردست اور موسم کی مناسبت سے اعلیٰ تھے۔ میری دعا ہے کہ ردّا یوں ہی کامیاب و کامران رہے آمین!

صائمہ ناز.....ملتان

سوئیٹ صالحہ آپی! آپ کا شمارہ بہت اچھا جارہا ہے اور خاص طور پر آپ کا ناول ''وہ جورگ جاں سے قریب تھے'' بہت ہی اچھا ناول ہے، ہر کردار حقیقت کے قریب اور زندگی کی حقیقت سے روشناس کراتا ہوا لگتا ہے جہاں رومی کی معصومیت اور مظلومیت دل دکھاتی ہے وہیں ایشل کی زندگی کے لیے جدوجہد ماں کی خدمت دل پر اثر کرتی ہے۔ وہاں صبا کا حد سے زیادہ اشمل پر کنٹرول بھی عجیب لگتا ہے۔ آپی! آپ کا ناول ادب میں ایک شاہکار ہے۔ ''تیرے پیار کی خوشبو'' ژالے اور زرمیل کا آپس کا تعلق کچھ الجھا سا لگ رہا ہے وہیں عارفین کی شادی اور دلہن کی عجیب سی منت میری سمجھ سے باہر ہے۔ خیر آگے دیکھیے کہ کیا ہوتا ہے۔ ''کوک میرے دل کوک'' میں خرمن اور عارش کے نیو گھر کی سیٹنگ اور تیاریاں ہمیں بھی اچھی لگیں وہیں عثمان کی جملے بازی کا جواب نہیں۔ ''تجھ

سے مانگوں میں تجھ کو' حباب اور رباب بے چاری کی بے بسی اور مظلومیت دل دکھاتی ہے اور ان کی والدہ کی سمجھ نہیں آتی اس عمر میں ان کے اسٹائل۔ ''بند قبا کھلنے لگی جاناں'' میں ماہ کنعان کا التفات اور حنین کی ناراضی اور خفگی بڑی اچھی لگتی ہے۔ افسانوں میں اس بار ٹاپ آف دی لسٹ ''کفِ افسوس'' رہا۔ نہایت حساس موضوع پر ایک دل گداز تحریر۔ باقی افسانے اور ناول و ناولٹ بھی اچھے تھے مستقل سلسلے بھی اپنی جگہ بے مثال تھے۔ میری دعا ہے کہ ردّا یوں ہی ترقی کرتا رہے۔ اگر آپ نے میرے سندیسے کو ردّا میں جگہ دی تو انشاء اللہ ضرور اگلے ماہ بھی شامل ہوں گی۔

افسانہ آفتاب کاوش.....کراچی

آپی جی! دل کی گہرائیوں سے آپ کا بے حد شکریہ کہ آپ نے مجھے ردّا جتنے پیارے رسالے میں شامل ہونے کا موقع دیا۔ آپ تاعمر خوش و آباد رہیں، نومبر نمبر بے حد لیٹ موصول ہوا، ردّا کے لیے جتنے بے چین و بے قرار رہتے ہیں ردّا نے اس بار اتنی ہی دیر سے اپنی جھلک دکھائی۔ سب سے پہلے گوشہ آگہی پڑھا۔ آپی! آپ کے لکھے ہوئے لفظ، لفظ نہیں ہوتے قیمتی انمول موتیوں کی مانند ہوتے ہیں۔ جن میں ہمارے لیے لفظ، لفظ سبق ہوتا ہے۔ آپ کی دعاؤں کا بے حد شکریہ۔ میں اپنی کیفیت لفظوں میں نہیں بیان کرسکتی۔ آپی! میرے لیے اپنوں سے دور جانا بے حد کٹھن مرحلہ ہے بے حد ٹف روٹین کے باعث میں کہانیوں پر تبصرہ نہیں کرسکوں گی، مگر اندازہ ہے سب نے ہی دل سے بہترین لکھا ہوگا۔ مجھے صرف آپ کی محبتوں اور ردّا سے جڑے دوستوں نے سندیسہ لکھنے پہ مجبور کیا ہے۔ میرا تعارف آپ سب کو پسند آیا۔ جس کی میں بے حد مشکور ہوں۔ مجھے امید نہیں تھی کہ مجھے اتنی محبتیں ملیں گی۔ افشاں علی کا بے حد شکریہ، دعا ہے آپ ردّا کے لیے ہمیشہ لکھتی رہیں۔ پھر صبا سحر! آپ نے سندیسے میں جو عزت بخشی ہے اسے پڑھ کر میری آنکھیں چھلک پڑیں، ہم انسان کچھ بھی نہیں ہیں، اللہ کا احسان ہے بس۔ آپ کا بے حد شکریہ۔ بسمہ شانزے! آپ نے مجھے اپنا دوست مانا آپ کا بے حد شکریہ۔ مجھے آپ سب سے بے حد لگاؤ ہے۔ ہم سب ہی ردّا کے فیملی ممبرز ہیں، دعا ہے ردّا میں لکھنے والے، پڑھنے والے ہمیشہ خوش و آباد رہیں آمین!

آپی! آپ کی دعائیں یقیناً میرے ساتھ ہیں، آپ نے میری نظمیں ردّا کی زینت بنائیں میں بے حد خوش ہوں مجھے اس بات پر بھی فخر ہے کہ میں ردّا فیملی کا حصہ ہوں مجھے آپ سب سے جتنی عزت و محبت ملی ہے میں اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ادا کرتی ہوں کہ میں ردّا کے لیے کچھ لکھ سکوں۔ ردّا کی تمام رائٹرز ہی بے حد لگن اور محنت سے ردّا کو اپنی تحریروں سے سجاتی رہتی ہیں۔ تمام اسٹوریز ہی بامقصد اور خوبصورت ہوتی ہیں۔ تمام مستقل سلسلے بھی لاجواب ہوتے ہیں۔ صالحہ آپی کی تو بات ہی الگ ہے۔ آپی! آپ ردّا فیملی کا ایک روشن ستارہ ہیں، آپ کے لیے بہت ساری دعائیں، آپ سب سوچ رہے ہوں گے کہ میں اگست کے بعد غائب ہی ہوگئی ہوں تو میرے پیارے ساتھیو! نئی زندگی کی شروعات اتنے مگن انداز میں ہوئی کہ ایک ماہ کیسے بیت گیا کچھ احساس نہیں ہوا، شروع دنوں کی خوبصورت یادیں میری زیست کا حاصل ہیں، میرے آئیڈیل میرے شریک سفر ہیں دعا ہے وہ ہمیشہ میرے ساتھ رہیں، میری نئی زندگی کی سلامتی کے لیے مجھے آپ سب کی دعاؤں کی ضرورت ہمیشہ رہے گی مجھے دعاؤں میں ضرور یاد رکھیے گا۔ افشاں علی آپ کا میں دل سے شکریہ ادا کرنا چاہوں گی کہ آپ کو میری شاعری اچھی لگی۔ آپ بھی ردّا فیملی کا بے حد بہترین سرمایہ ہیں۔ سندیسہ خاصہ طویل ہوگیا ہے اب مجھے اجازت دیجیے، اللہ حافظ!

☆.....☆.....☆

فرینڈز میلبوکس

عمارہ شاہ.....کوہاٹ

السلام علیکم! سویٹ آنٹی! اور ردّا میں لکھنے والی میری تمام کیوٹ فرینڈز، سسٹرز، باجیوں، آپیوں کو میرا پیار بھرا سلام! امید کرتی ہوں سب فٹ فاٹ، فائن شائن ہوں گے۔ شروع کرتی ہوں اللہ پاک کے نام سے جو بڑا رحیم و کریم ہے۔ ہاں! تو دوستو! میں ہوں عمارہ شاہ۔ آتی گرمیوں کی رات یعنی 5 مئی 1992 کو اپنی مہربان نانی جان کے گھر لاچی میں آنکھ کھولی۔ سیّد ہماری کاسٹ ہے اور بنیادی طور پر ہمارا تعلق نوشہرہ سائیڈ کا کاخیل سے ہے۔ ہم چار بہنیں اور ایک بھائی ہیں، میرا نمبر تیسرا ہے۔ مجھے اپنی ساری بہنوں اور بھائی سے محبت ہے، مگر سب سے زیادہ محبت مجھے اپنی بڑی بہن یسریٰ باجی سے ہے، کیونکہ آج ہم جو کچھ بھی ہیں صرف ان کی وجہ سے ہیں، ہماری پہچان، ہمارا نام...I Love u so much یسریٰ باجی...! بھائی ایک ہے، مگر دس بھائیوں سے بڑھ کر ہے، بہت loving اور caring، میں نے ابھی B.A فائنل ایئر کا ایگزام دیا ہے اور آگے انشاء اللہ پولیٹیکل سائنس میں ماسٹرز کروں گی، میں تنہائی پسند ہوں، زیادہ باتیں کرنا مجھے بالکل پسند نہیں ہے، میری دوستیں بھی زیادہ نہیں ہیں، ہر کسی کو دوست بنانا، ہر کسی پر بھروسہ کرنا میری نیچر کا حصہ نہیں۔ میری بیسٹ فرینڈز صرف دو ہیں جویریہ میری چھوٹی بہن اور شائستہ باجی۔ ان دونوں پہ مجھے خود سے بڑھ کر ٹرسٹ ہے۔ اللہ ان کو دنیا کی ہر خوشی دے (آمین!) کھانے میں مجھے اپنی باجی کے ہاتھ کی بنی بریانی، کدو، چھولے اور میکرونی بہت پسند ہیں، مشروبات میں چائے، کافی، Dew اور روح افزا میرے فیوریٹ ہیں، ڈریس میں بلیک اور ڈارک بلیو کلر پسند ہے، رات کی واک لازمی کرتی ہوں کیونکہ رات کی خاموشی میرے دل و دماغ کو عجیب سا سکون دیتی ہے۔ میری خوبیوں اور خامیوں کا تو مجھے خود بھی نہیں پتا، ہاں! ایک ہی خوبی ہے کہ دوسروں کا چاہے وہ اپنے ہوں یا انجان، دل سے اور خلوص سے ان سے محبت کرتی ہوں، اور خامی بھی ایک ہی ہے کہ دوسروں کو سمجھتی نہیں ہوں۔ امی ابو کے بعد میں محبت کرتی ہوں اپنی بڑی پھپھو پروین اور اپنی دو پیاری خالائیں سعیدہ خالہ اور ریحانہ خالہ۔ یہ تینوں مجھے پیاری ہیں، اللہ ان کو امی، ابو کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائے (آمین!)

فرینڈز آپ لوگوں کے بور ہونے سے پہلے میں The End کر رہی ہوں، بس پانچ منٹ ویٹ کرلیں، میں صالحہ آنٹی کی بے حد مشکور ہوں جنہوں نے میری ہر کاوش کو سراہا اور ردّا میں جگہ دی۔ آخر میں ردّا کے ذریعے میں یہ پیغام دینا چاہتی ہوں کہ اصل محبت میں جلن نہیں ہوتی، صرف اعتبار ہوتا ہے کیونکہ جب محبت میں جلن آجاتی ہے تو وہاں اعتبار نہیں ہوتا، صرف پانے کی ضد ہوتی ہے جو اصل محبت کا تقاضا نہیں۔ اچھا فرینڈز! اپنا خیال رکھیں اور مجھ سے مل کے کیسا لگا ضرور بتایئے گا، اللہ حافظ!

کائنات مختار.....کراچی

السلام علیکم! ڈیئر قارئین! اور ردّا اسٹاف! جی تو مجھے کہتے ہیں کائنات مختار، میں کراچی جیسے خوبصورت شہر کی باسی ہوں، ایف ایس سی کی اسٹوڈنٹ ہوں، میں نے 18 اکتوبر کو اس دنیا میں آنکھیں کھولیں،

اس لحاظ سے میرا اسٹار لیبرا ہے، میری ایک بہن اور تین بھائی ہیں، بھائی سب سے بڑے اور ہم بہنیں ان سے چھوٹی ہیں، بڑے بھائی کی شادی ہو چکی ہے اور وہ اپنی جاب کی وجہ سے لاہور میں ہوتے ہیں، ساتھ میں بھابی بھی۔ اور ہمارا پیارا سا بھتیجا علی سفیان بھی۔ ابو میرے جاب کرتے ہیں، امی ہاؤس وائف ہیں، باقی دونوں بھائی پڑھ رہے ہیں اور بہن بھی میٹرک کی اسٹوڈنٹ ہے۔ چلیں! اب بات ہو جائے پسند ناپسند کی، تو مجھے رنگوں میں سفید، کالا اور سرخ کلر پسند ہے، قرآن پاک میری فیوریٹ کتاب ہے اور فیوریٹ شخصیت ہمارے پیارے نبیؐ ہیں، مجھے چاند سے باتیں کرنا اچھا لگتا ہے اور میوزک سننا، ایس ایم ایس پر فرینڈز سے باتیں کرنا بھی میرا فیوریٹ مشغلہ ہے، میری بہت فرینڈز ہیں، پھر بھی دل نہیں بھرتا، جہاں کہیں جاؤں نیو دوست بن جاتی ہے، مجھے اپنا ملک، یہاں کے لوگ بہت پسند ہیں، خدا میرے پیارے شہر کی رونقیں بحال کر دے، اب تو سر شام ہی لوگ گھروں میں بیٹھ جاتے ہیں۔ کھانوں میں مجھے بریانی، پیزا، آئس کریم، چاکلیٹ پسند ہیں اور سبزیاں میں بالکل پسند نہیں کرتی، مگر مجبوراً کھانا پڑتی ہیں۔ میری فرینڈز لسٹ بہت طویل ہے، پھر بھی چند ایک جو میرے دل کے بہت پاس ہیں ثناء، اریبہ، طلعت، عروشے، مریم، اقصیٰ وغیرہ۔ اب بات ہو جائے خوبیوں اور خامیوں کی تو یہ مجھ سے زیادہ آپ کو دوسرے بتا سکتے ہیں۔ ویسے میرا خیال ہے میں صاف دل، پُرخلوص اور محبت کرنے والی لڑکی ہوں۔ خامی وہی جو اکثر ہر لڑکی میں ہوتی ہے کہ جلدی اعتبار کر لیتی ہوں جب کہ آج کل کا دور نہیں اس قابل کہ کسی پر اعتبار کیا جائے، اب اس بات کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ خوش رہیں، اور اپنی ذات سے دوسروں کو بھی خوش رکھیں۔

نوشین مدثر.....لاہور

تمام ردا پڑھنے لکھنے والوں کو میری طرف سے محبت بھرا اسلام! جی تو تعارف کی رسم نبھائی جائے۔ ما بدولت کو نوشین مدثر کہتے ہیں، لاہور شہر میں رہتی ہوں ایک پیارے سے بیٹے کی ماں اور اپنے میاں کی خوبصورت سی بیوی ہوں (ہاہاہاہا!) میری باقی فیملی تو سرگودھا میں رہتی ہے مگر میں ہسبینڈ کی جاب کی وجہ سے ان کے ساتھ لاہور میں رہتی ہوں، تو بس یہاں پر یہ ڈائجسٹ اور کتابیں ہی ہیں جو میری دوست ہیں، یہی وجہ ہے کہ ردا کے مستقل سلسلوں میں بھی اکثر شامل ہو جاتی ہوں، چلیں اب کچھ باتیں ہو جائیں اپنی بھی تو مجھے پھولوں سے، بچوں سے عشق ہے اور خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اپنی نعمت سے نوازا ہے، ثاقین میرا پیارا سا بیٹا میرے دل کی ٹھنڈک اور سکون، ماشاء اللہ 3 سال کا ہو گیا ہے اور اتنی پیاری باتیں کرتا ہے، اتنا سمجھدار ہے کہ مجھے بے ساختہ اس پر پیار آتا ہے۔ میرا فیوریٹ ٹائم شام کا ہوتا ہے جب میاں صاحب آفس سے آ جاتے ہیں اور ہم ماں بیٹے سے دن بھر کی روداد سنتے اور اپنی سناتے ہیں۔ میری فیوریٹ رائٹرز میں صالحہ محمود، نائلہ طارق، شازیہ مصطفیٰ، قمروش، عذرا سحر طاہر، فرحت اشتیاق شامل ہیں۔ فیوریٹ ناولز بہت ہیں کسی ایک کا نام نہیں لوں گی، پسندیدہ رنگ گلابی اور سفید، پسندیدہ موسم جو آج کل ہے یعنی سردی کا موسم ہے۔ میں چھوٹی چھوٹی باتوں سے پریشان ہو جاتی ہوں اور کوشش کرتی ہوں کہ میری وجہ سے کوئی دکھی نہ ہو، مجھے غصہ بالکل نہیں آتا۔ کافی ٹھنڈا مزاج ہے میرا۔ مجھے پرخلوص اور بامروت لوگ بہت اٹریکٹ کرتے ہیں۔ چلیں جی! اب اجازت دیں، تعارف کافی طویل ہو گیا، پتہ نہیں آپ سب کو مجھ سے ملنا کیسا لگا ہو گا، مجھے تو بہت اچھا لگا آپ سب سے اپنے دل کی باتیں کرنا، آپ سب اپنا خیال رکھیے گا اور دعاؤں میں مجھے بھی یاد رکھیے گا۔

☆.....☆.....☆

دوستوں کے نام پیغام

صالحہ آپی کے نام

السلام علیکم! سب دلوں کی دھڑکن سوئیٹ صالحہ آپی! آپ کے لیے ڈھیروں دعائیں اور خدا کرے ردا یوں ہی ترقی کرتا رہے، زاہدہ ہاشمی کے لیے خدا سے دعا ہے کہ انہیں جلد صحت یابی عطا فرمائے۔ آپی! آپ نے میری تحریر اور نظمیں شائع کیں اس کے لیے آپ کا بے حد شکریہ اور جاتے جاتے آپ کے لیے ایک خوبصورت نظم:

میری آنکھوں سے اترو دل میں
کہ دھڑکن میں بسا لوں تم کو
جان سے بڑھ کر چاہوں تمہیں
اجازت ہو تو یادوں میں بسا لوں تم کو

مریم مغل.....کراچی

پاکستان کے معماروں کے نام

پتھر کے ایک ٹکڑے کے لیے خوبصورت مجسمے کی جو حیثیت ہے وہی حیثیت انسانی روح کے لیے تعلیم ہے۔ بقول علامہ اقبال:

مٹا دے اپنی ہستی کو گر کچھ مرتبہ چاہیے
کہ دانا خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

مریم مغل.....کراچی

میری کزنز کے نام

میری سوئیٹ کزنز بانو آپی، بشریٰ باجی اور لونگ مہر باجی کے نام پیار بھرا اسلام! آپ سب کو میری پیاری کزنز۔ خاموش سی بانو آپی! آپ ذرا زیادہ ہنسا کریں، کیونکہ آپ کی ہنسی پیاری ہے، بشریٰ باجی! آپ سیریس کم رہا کریں کیونکہ غصہ آپ پر سوٹ نہیں کرتا اور لونگ مہر باجی! آپ کو 13 دسمبر آپ کی برتھ ڈے مبارک ہو! آپ کی مسکراہٹ کم نہ ہو اور آپ ہمیشہ خوش رہیں (آمین!) Love u میری پیاری کزنز۔

عمارہ شاہ.....کوہاٹ

خاص دوستوں کے نام

ایک بوند سورج کی
ایک قطرہ آسمان کا
کوئل کی کوک
اور کچھ سپنے جگمگاتے
اچھا لگے تو اور مانگو
دینے کو تو بہت کچھ ہے پر اپنا سب کچھ دینا چاہتی ہوں
آسماں سا آئینہ
ایک ڈبی تتلیوں کی
ایک چھچ ندی کی دھار
اور ایک میٹھی زندگی
اچھا لگے تو اور مانگو
دینے کو تو بہت کچھ ہے پر اپنا سب کچھ دینا چاہتی ہوں

افشاں علی.....کراچی

جہانہ آفتاب اور رضوانہ آفتاب کے نام

دل کی گہرائیوں سے تم دونوں کو بہت بہت مبارک قبول ہو! تم دونوں کی تحاریر مجھے بے حد خوبصورت لگیں، پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ اسٹوری خوبصورت اور دلکش انداز تحاریر پر مبنی تھی۔ تم دونوں نے قلم اٹھانے اور لکھنے کا حق ادا کر دیا ہے، دعا کرتی ہوں تم دونوں یوں ہی اپنے لکھنے کا سفر آئندہ بھی جاری و ساری رکھو اور خوب

نام کماؤ۔ میری چاہت ہے تم دونوں کا شمار بھی صف اول کی رائٹرز میں ہو۔ دونوں ہی اسٹوری کا اینڈ پڑھ کر میں پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ دل بوجھل بوجھل ہوگیا۔ اصلاح کی آہ وزاری نے دل دکھا دیا تو دوسری طرف تاثیر کے بلند حوصلے نے مجھے بے حد انسپائر کیا۔ ویل ڈن! اللہ تعالیٰ تم دونوں کو خوب سے خوب تر تحاریر لکھنے کے قابل بنائے۔ میری نیک دعائیں ہمیشہ تم دونوں کے ساتھ ہیں۔

افسانہ آفتاب کاوش.....کراچی

آپی اور احسان بھائی کے نام

السلام علیکم! آپی اینڈ احسان بھائی! میری طرف سے آپ دونوں کو شادی کی بہت بہت مبارک باد قبول ہو۔ خدا سے دعا کرتی ہوں کہ آپ دونوں کے لیے زندگی کا یہ نیا سفر بہت خوبصورت ثابت ہو آمین....! پپا! 20 اکتوبر کو تم ہم سب کو اکیلا چھوڑ کر اپنے پیا کے سنگ اتنی دور چلی گئی ہو، سچ ہمیں تمہاری بہت یاد آتی ہے، آپی! ''مس یو'' مایوں سے لے کر بارات کے دن تک گزرا ہر لمحہ ہمیں بہت یاد آتا ہے، یہ لمحات دل میں یاد بن کر ہمیشہ رہیں گے، بس اللہ سے ہر وقت یہی دعا مانگتی ہوں کہ تم یوں ہی ہنستی مسکراتی اور آباد رہو، اپنے ''ہمسفر'' کے ساتھ! آپ دونوں کے لیے ایک چھوٹی سی دعا:

میری دعا ہے لمحہ بہ لمحہ
تیری حیات کارواں کو ملے سرور
ہر پل چاہتوں کا' خوشیوں کا
رہے نزول....
وسعت فلک سے بھی وسیع
سمندر کی عمیق گہرائیوں سے بھی گہرا پیار
تیرا نصیب ہو....
سدا عروج تیرے قریب ہو
تیرے نام کو ملے وہ تابنا کی وشناسائی
جس پر کرے رشک ساری خدائی
سبھی چاہتیں، سبھی محبتیں
سبھی رونقیں تیرا نصیب ہوں
میری دعا ہے لمحہ بہ لمحہ
تیری حیات کارواں کو ملے سرور
ہر پل چاہتوں کا' خوشیوں کا رہے نزول...!

ثمرین آپی! سالگرہ مبارک!

السلام علیکم! بہاروں اور پھولوں کی طرح مسکراتی رہو اور جھرنوں کی طرح کھلکھلاتی رہو، چونک گئی ہو کیا؟ کہ اتنی محبت سے مجھے کون یاد کر رہا ہے؟ تو بھئی! اٹس می یُور سویٹ کزن فرزانہ، اور کون، میڈم جی! حیران مت ہو، مائی ڈیئر! میں تمہاری سالگرہ بھول سکتی ہوں کیا؟ ''ہیپی برتھ ڈے ٹو یُو آپی!'' میری لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں دعائیں تمہارے ساتھ ہیں، میری وش ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر سال تمہیں یہ دن دیکھنا نصیب کرے اور بہت بہت بہت.... ساری خوشیاں تمہیں عطا کرے آمین!

خوشی کا دن مبارک ہو
صبح جس دم میں جاگی ہوں
عجب منظر یہ دیکھا ہے
خوشی کا رقص ہے ہر سُو
ہواؤں میں بسی ہے خوشبو
درختوں کے ہرے پتے
خوشی سے لہلہاتے ہیں
تو یوں محسوس ہوتا ہے
یہ سب تالی بجاتے ہیں
پرندے چہچہاتے ہیں
یا شاید گنگناتے ہیں
کوئی تو بات ہے ایسی

ہر شے پر ہے یوں مستی
میرے دل میں ہوئی ہلچل
مجھے کچھ یاد آیا ہے
کہ دن ہے یہ وہی شاید
چند سال پہلے جب
اسی دن کے کسی لمحے
جو تم دنیا میں آئی تھیں
یہ موسم اور ہوائیں سب
درختوں کے ہرے پتے
پرندے اور فضائیں سب
خوشی سے کہہ رہے ہیں یہ
تمہیں یہ دن مبارک ہو!
خوشی کا دن مبارک ہو!
سالگرہ مبارک ہو!

آپی پلیز پلیز! اپنی سالگرہ والے دن گھر ضرور آنا پھر مل کر انجوائے کریں گے، اوکے آؤ گی ناں؟
''فی امان اللہ''

فرزانہ عمر دراز.....کراچی

میری پیاری شائستہ تبسم آپی کے نام

سویٹ شائستہ آپی! آپ کو B.ed کے ایگزام میں 1st پوزیشن اور 1st Division لینے پر بہت بہت مبارک ہو۔ مجھے یقین تھا میری آپی جیسی intelligent کوئی نہیں ہوسکتی۔ آپی! I Love You! اور Keep it up۔ میری دعا ہے اللہ آپ کو اسی طرح عروج دیتا رہے اور ایک بہت ہی اچھے انسان کو آپ کا نصیب بنا دے آمین! آپی! اپنا خیال رکھیں اور خوش رہیں ہمیشہ۔

عمارہ شاہ.....کوہاٹ

میری فرینڈ تہمینہ کے نام

ہیلو ڈیئر تہمینہ! کیسی ہو؟ تمہاری برتھ ڈے ہے تو سوچا اس دفعہ ردّا کے ذریعے وش کیا جائے تو ضرور بتانا کیسا لگا؟

So Happy Birth Day sweet heart! may u live longer and be happy always, and may u get everything in your life. very very happy birthday sweety.

ایک پیاری سی نظم تمہارے لیے:

تمہارے واسطے جتنی دعائیں سوچ رکھی ہیں
اگر
لکھنا انہیں چاہوں...
تو...
بڑے ہی مختصر سا تو جنم محسوس ہوتے ہیں
اس لیے...
دو مصرعوں میں میرے یہ حسین جذبے سمجھ لینا
تیری ہر رات ٹھہرے پانیوں کے شور جیسی ہو
تیرا ہر دن
تمہارے بچپن کی ''عید'' جیسا ہو

نوشین طاہر.....وہاڑی

عائشہ علی کے نام

میری سویٹ اور پیاری سی دوست! تمہیں عمرے کی سعادت بہت بہت مبارک ہو۔ سچ جب سے مجھے یہ بات عینی نے کال کر کے بتائی کہ تم اپنی امی اور ابو کے ساتھ بھائی کے بلانے پر عمرہ کرنے گئی ہو تو سن کر بہت خوشی ہوئی، میری اور میری فیملی کی طرف سے تمہیں اور تمہارے گھر والوں کو عمرے کی بہت بہت مبارک ہو، واپس آتے ہی مجھ سے کانٹیکٹ کرنا۔

شیریں مغل.....لاہور

☆.....☆.....☆

ثریا اقبال

کچن

سبزیوں کا مزے دار سوپ

اجزاء۔

آلو	آدھا کلو
گاجر	ایک پاؤ
شلجم	ایک پاؤ
پیاز	ایک عدد
پودینہ	تھوڑے سے پتے
مکھن	چائے کا ایک چمچہ
پانی	تین پاؤ
تیز پات	دو عدد
نمک	حسب ضرورت
سیاہ مرچیں	حسب پسند
دودھ	آدھا کلو
دھنیا	حسب ضرورت

ترکیب۔

آلو گاجر، شلجم اور پیاز چھیل لیں اور ان کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرلیں، پودینہ صاف کر کے دھولیں اور باریک کترلیں، ایک دیگچی میں مکھن گرم کریں اور اس میں آلو، پیاز اور پودینہ ڈال کر پانچ منٹ تک فرائی کریں، سبزیاں ہلکی سی نرم ہوجائیں گی، بقیہ سبزیاں شامل کر کے مزید پانچ منٹ اور تلیں پھر پانی شامل کرلیں، تیز پات، نمک اور سیاہ مرچ پیس کر ڈال دیں، ابال آجائے تو آنچ دھیمی کردیں اور ڈھکن سے ڈھانپ کر پندرہ سے بیس منٹ پکنے دیں سبزیاں گل جائیں تو تیز پات کو نکال کر پھینک دیں، سوراخ دار کفگیر سے کھانے کے دو بڑے چمچے کے برابر سبزیاں نکال کر کچل کرلیں، اب بقیہ سبزیوں اور ان کے شوربے کو گرینڈر پر باریک پیس کر یکجان کرلیں اگر گرینڈر نہیں ہے تو کفگیر کی مدد سے کچل لیں پھر باریک چھلنی میں چھان لیں اور سوپ میں دودھ شامل کر کے چمچہ سے اچھی طرح ملائیں پھر سوپ چھان لیں، مکھن ڈال کر کالی مرچ چھڑکیں، مزے دار سوپ تیار ہے، یہ چھ افراد کے لئے کافی رہے گا۔

آلو اور پنیر کا سوپ

اجزاء۔

آلو	دو عدد (درمیانے سائز)
پیاز	آدھی کٹی ہوئی
نمک	چائے کا ایک چمچہ
پانی	آدھی پیالی
دودھ	دو پیالی
کارن فلور	کھانے کا ایک چمچہ
کالی مرچ	چائے کا ایک چوتھائی چمچہ
پنیر	ایک پیالی
دھنیا	چند پتے

ترکیب۔ آلو اور پیاز چھیل لیں، انہیں ٹکڑے کر کے ابال لیں اور بعد میں ان دونوں کا بھرتہ بنالیں، آدھی پیالی دودھ لیں، اس میں کارن فلور ڈال کر اچھی طرح ملائیں، باقی بچا ہوا دودھ آلو کے بھرتے میں ڈال دیں، کڑاہی لے کر اس مرکب کو پکائیں اور چلاتی رہیں، ایک وقت آئے گا کہ ان میں بلبلے بننے لگیں گے، تب نمک اور کالی مرچ اس میں شامل کرلیں اچھی طرح پک جائے تو اتار لیں۔

چائنیز سوپ

اجزاء۔

چکن (بون لیس)	آدھا کلو
کارن فلور	کھانے کے تین چمچے
پیاز	ایک عدد (باریک کٹی ہوئی)
انڈے	دو عدد (صرف سفیدی)
کالی مرچ	چائے کا ایک چمچہ
چائنیز نمک	کھانے کا ایک چمچہ
ہری مرچ	دو عدد
سویا ساس	کھانے کا ایک چمچہ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب۔ مرغی کے پیس اچھی طرح دھولیں، ایک ساس پین میں مرغی، باریک کٹی ہوئی پیاز، سیاہ مرچ، نمک اور پانی ڈال کر یخنی تیار کریں، گوشت گل جائے تو یخنی چھان کر الگ نکال لیں، ابلی ہوئی بوٹیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرلیں، ایک پیالی پانی میں کارن فلور کو اچھی طرح سے حل کریں، یخنی میں کارن فلور کا آمیزہ اور چھوٹے چھوٹے گوشت کے ٹکڑے ڈال کر دھیمی آنچ پر چند منٹ تک پکائیں، جب سوپ آپ کی پسند کے مطابق گاڑھا ہوجائے تو انڈے کی سفیدی ملادیں اور چمچہ سے سوپ میں خوب اچھی طرح مکس کریں، مزے دار چائنیز سوپ تیار ہے۔

پالک کا سوپ

اجزاء۔

پالک	آدھا کلو (پتے الگ کرلیں)
نمک	حسب ذائقہ
ڈبل روٹی کے سلائسز (چھوٹے ٹکڑے کرلیں)	دو عدد
چکن کی یخنی	دو پیالی
کالی مرچ کٹی ہوئی	چائے کا آدھا چمچہ
تازہ کریم	حسب ضرورت

ترکیب۔ پالک کے پتے اچھی طرح سے دھو کر ہلکی آنچ پر ابال لیں دس منٹ بعد اتار کر ٹھنڈا کرلیں جب ٹھنڈا ہوجائے تو بلینڈر میں پیس لیں، دیگچی میں یخنی کے ساتھ ڈال کر دوبارہ پانچ منٹ کے لئے پکائیں جب ابال آجائے تو نمک ڈال دیں، جب پیش کرنا ہو تو گرم کر کے پیالے میں ڈال دیں، اوپر تلے ہوئے سلائسز کے ٹکڑے ڈالیں کریم اور کالی مرچ ڈال کر پیش کردیں۔

عربین سوپ

اجزاء۔

سفید لوبیا	سوا پیالی (ایک گھنٹہ بھگوئیں)
مغز بادام	ایک پیالی (چھیل کر پیس لیں)
لہسن	پانچ جوے (پسا ہوا)
زیتون کا تیل	کھانے کے دو چمچے
ڈبل روٹی	دو سلائس

نمک	حسب ذائقہ
پودینہ	چند پتیاں یا حسب ضرورت
سفید زیرہ	کھانے کا ایک چمچہ
کالی مرچ	کھانے کا ایک چمچہ

ترکیب۔ لوبیا کو ابال لیں' جب گل جائے تو چھلنی میں ڈال کر پانی نکال کر رکھ لیں' پسے ہوئے باداموں میں پسا ہوا لہسن' اچھی طرح ملا دیں' لوبیا کے پانی میں زیتون کا تیل ملائیں' لہسن اور بادام والا آمیزہ شامل کر کے خوب پکائیں' جب گاڑھا ہونے لگے تو لوبیا' نمک' پسا ہوا مصالحہ' اور پودینے کے پتے شامل کر کے پیالی میں ڈالیں اور نوش کریں۔

چکن اور مشروم سوپ

اجزاء۔

چکن کے ٹکڑے (ابال کر چھوٹی چھوٹی بوٹی کر لیں)	سینے کے دو عدد
مرغی کی یخنی	تین پیالی
مکھن	کھانے کا آدھا چمچہ
مشروم	ایک ٹن (باریک کاٹ لیں)
نمک	حسب ذائقہ
میدہ	کھانے کا ایک چمچہ
دودھ	ایک پیالی
کالی مرچ کٹی ہوئی	چائے کا آدھا چمچہ
تازہ کریم	آدھی پیالی

ترکیب۔ سب سے پہلے ایک دیگچی میں مکھن گرم کریں جب گرم ہو جائے تو میدہ ڈال کر ہلکا سا بھون کر دیگچی اتار لیں' پانچ منٹ بعد دودھ ڈال دیں پھر سے ہلکی آنچ پر رکھ کر لکڑی کے چمچے کے ساتھ چلاتی رہیں' جب گاڑھی ہو جائے تو نمک ڈال کر اتار لیں' وائٹ ساس تیار ہے' اب ایک الگ دیگچی میں چکن بوٹی اور یخنی ڈال کر پانچ منٹ کے لئے پکائیں پھر اتار کر وائٹ ساس ملائیں جب پیش کرنا ہو تو سوپ گرم کریں' کریم اور مشروم ڈال کر کالی مرچ ملا دیں' گرم گرم پیش کریں اس سوپ میں آپ تازہ مشروم بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

دال کا مزے دار سوپ

اجزاء۔

مسور کی دال	ایک پیالی
پیاز	ایک عدد
ٹماٹر	دو پیالی (پیس لیں)
چاول	آدھی پیالی
گھی	کھانے کے دو چمچے
پانی	چھ پیالی
نمک' سیاہ مرچ	حسب ذائقہ
ہرا دھنیا' ہری مرچ	حسب ذائقہ

ترکیب۔ پیاز کو باریک کاٹ کر گھی میں ہلکا براؤن کر لیں پھر مسور کی دال اور چاول (پہلے دھو کر رکھ لیں) ڈال کر چھ پیالی پانی میں ملائیں اور ان سب اشیاء کو آدھے گھنٹہ تک پکنے دیں' جب پانی چار پیالی رہ جائے اور دال گل کر ملائم ہو جائے تو ٹماٹر کا رس اور نمک ملا کر چند منٹ دھیمی آنچ پر پکائیں' سوپ گاڑھا ہونے لگے تو سیاہ مرچ' ہرا دھنیا' اور ہری مرچ کے بیج نکال کر باریک باریک کٹی ہوئی ڈال دیں' اور گرم گرم پیش کریں۔

سنگھار

موسم سرما کا بیوٹی پلان

نمک کے استعمال سے آپ کی جلد معمولی پھوڑے پھنسیوں سے محفوظ رہے گی یعنی صرف ایک منٹ کی محنت سے آپ نہ صرف اپنی جلد کی خوبصورتی کو برقرار رکھ سکتی ہیں بلکہ اس میں مزید نکھار بھی پیدا کر سکتی ہیں۔

جلد کی حفاظت:۔

سردیوں میں جلد کی دیکھ بھال ایک اہم مسئلہ ہے جو خصوصی توجہ کا طالب ہے۔ اس موسم میں اکثر خواتین جلد کی خشک ہونے کی شکایت کرتی ہیں۔ بیسن میں لیموں کے پسے ہوئے چھلکے اور دودھ ملا کر دن میں ایک مرتبہ اس سے منہ دھوئیں، ٹماٹر کا لوشن تیار کرنے کیلئے تازہ پکے ہوئے ٹماٹروں کا رس نکال لیں اور اس میں برابر مقدار میں لیموں کا عرق ملائیں۔ روزانہ رات کو یہ لوشن اپنے چہرے پر لگائیں لیکن یاد رہے کہ لوشن روزانہ نیا اور تازہ تیار کریں۔ اس کے استعمال سے جلد چند ہی دنوں میں نکھر جائے گی۔

گاجر کا ماسک بھی جلد کی حفاظت کیلئے نہایت مفید ہے، گاجروں کو پیس کر ان کا رس نکال لیں۔ اس میں دودھ اور انڈے کی زردی ملا کر روزانہ اس ماسک کو چہرے پر لگائیں اور 15 منٹ بعد دھو لیں۔ یہ ماسک روئی کی مدد سے چہرے پر لگائیں اور پھر چہرہ ساکت رکھیں، ورنہ جھریاں پڑ جائیں گی۔ یہ ماسک چہرے کی خشکی دور کر کے جلد کو چمکدار بناتا ہے۔ اس کے علاوہ جھریوں اور کیل مہاسوں سے نجات کیلئے چقندر کا رس لیں۔ انہیں اچھی طرح مکس کریں اور روزانہ پئیں۔ اس کے استعمال سے بہت جلد چہرے سے داغ، دھبوں، کیل مہاسوں اور جھریوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ تازہ دہی چہرے پر لگانے سے جلد کی خشکی دور ہوتی ہے۔ مکھن کا استعمال بھی خشک جلد کو ملائم کرتا ہے۔ پیشانی کی شکنیں دور کرنے کیلئے خالص زیتون کے تیل کی آہستہ آہستہ مالش کریں۔

گردن کی حفاظت:۔

اکثر خواتین چہرے کو حسین اور دلکش بنانے کیلئے ہزاروں جتن کرتی ہیں لیکن گردن کو نظر انداز کر دیتی ہیں۔ سردیوں میں گردن کی صفائی اور خوبصورتی کا خاص خیال رکھیں۔ آٹے میں دودھ اور لیموں کا عرق ملا کر گردن پر لیپ کر لیں 15 منٹ بعد ٹھنڈے یا نیم گرم پانی سے دھو ڈالیں۔ یہ عمل ہر قسم کی جلد کی حامل خواتین کر سکتی ہیں۔ جس کے نتیجے میں دلکش نتائج سامنے آئیں گے۔ خصوصاً خشک جلد کی حامل خواتین بالائی میں تھوڑا سا شہد ملا کر ہفتے میں دو بار گردن پر لگائیں اس سے جلد ملائم ہو جائے گی۔

ہاتھ، بازو اور کہنیاں:۔

سردیوں میں ہاتھ، بازو اور کہنیوں کی حفاظت بھی لازمی ہے، ورنہ یہ کھردرے اور بے رونق ہو جائیں گے۔ عموماً پانی کے ساتھ کام کرنے سے ہاتھ کھردرے اور سخت ہو جاتے ہیں۔ سردیوں میں ہاتھوں کو زیادہ دیر پانی میں نہ رکھیں۔ کپڑے اور برتن دھوتے ہوئے چمڑے کے دستانوں کا استعمال کریں کام کے ختم ہوتے ہی ہاتھوں اور بازوؤں کو تولیہ سے خشک کر لیں اور اچھی طرح سے کولڈ کریم لگائیں تاکہ جلد پھٹنے سے محفوظ رہے۔ بادام کے چار دانوں کو تھوڑے سے دودھ میں ملا کر پیس لیں اور یہ آمیزہ سونے سے قبل روزانہ ہاتھوں پر ملیں اس سے ہاتھ نرم و ملائم ہو جائیں گے۔ سردیوں میں شہد، گلیسرین اور

ہوں کا عرق برابر تعداد میں ملا کر کہنیوں، بازوؤں پر لگانے سے حیرت انگیز نتائج حاصل ہوں گے۔

ہونٹ:۔

موسم سرما میں سرد ہواؤں کے باعث ہونٹ بے رونق اور خشک ہوجاتے ہیں۔ ان پر لائنیں نمودار ہوجاتی ہیں، جو مشکلوں سے ختم ہوتی ہیں اور اکثر اوقات تو ہونٹ پھٹ بھی جاتے ہیں جو بہت تکلیف کا باعث بنتے ہیں۔ گائے کا کچا دودھ روزانہ ہونٹوں پر لگائیں، اس سے ہونٹ نہیں پھٹیں گے اس کے علاوہ بالائی میں نمک ملا کر ہونٹوں پر ملنے سے ہونٹ سرخی مائل ہوجاتے ہیں۔ سردیوں میں ہونٹوں پر ویزلین یا چیپ اسٹک کا استعمال کریں۔

پاؤں کی حفاظت:۔

موسم سرما میں پاؤں عموماً کھردرے اور سخت ہوجاتے ہیں، ایڑھیاں پھٹ جاتی ہیں جو چلنے میں دشواری کا سبب بنتی ہیں۔ رات کو سوتے وقت پاؤں پر بکری کا کچا دودھ ملیں، صبح دھو کر اچھی سی کولڈ کریم لگائیں اور سوتی جرابیں پہن لیں، اس سے پاؤں دوبارہ ٹھیک ہوجائیں گے۔ جرابوں کے استعمال سے پاؤں گندگی سے بھی محفوظ رہتے ہیں۔ اس عمل کے دوران پاؤں کو ٹھنڈی ہوا نہ لگنے دیں یہ عمل چند بار کرنے سے ہی آرام آجائے گا۔ زیتون کے تیل میں لیموں کا رس ملا کر مالش کرنے سے پاؤں ملائم ہوجاتے ہیں اس کے علاوہ ویزلین کے استعمال سے بھی پاؤں پھٹنے سے محفوظ رہتے ہیں۔

گھریلو ٹوٹکے

☆ اگر اُلٹیاں بند نہیں ہورہی ہیں تو ہری مرچوں کے بیج نکال کر پانی سے نگل لیں۔ جلد ہی اُلٹیاں رُک جائیں گی۔

☆ اگر ہچکیاں آرہی ہوں تو تھوڑا سا نمک چاٹ لیں اور اگر اس سے بھی بند نہ ہو تو پانی پی لیں۔

☆ جوتے سے پاؤں پر پڑجانے والے آبلوں پر اگر انڈے کی سفیدی لگائیں اور پنکھے کی تیز ہوا میں فوراً خشک کرلیں۔ تو یہ جلد ہی ختم ہوجائیں گے۔ گلیسرین بھی مفید ہے۔

☆ برف کھانے سے دانت کمزور اور حساس ہوجاتے ہیں۔ کم سے کم برف کا استعمال کریں۔

☆ ان چھنا آٹا کھانے کیلئے بیحد مفید ہے۔ یہ جلد اور آسانی سے ہضم ہوجاتا ہے۔

☆ کھانے میں زیرے، سونف اور الائچی کا استعمال کھانے کو زود ہضم بناتا ہے۔

☆ پیاز تلتے وقت چمچہ کم سے کم چلائیں۔ پیاز جلد ہی براؤن گولڈن ہوجائیں گے۔

☆ اندرونی چوٹ لگ جائے تو ہلدی دودھ میں ملا کر لپیٹیں۔

☆ ناخن بڑھانے کیلئے صبح نہار منہ ایک دو گلاس پانی پئیں۔ سارا نظام بھی ٹھیک رہے گا اور ناخنوں میں بھی مضبوطی آجائے گی۔

☆ میلے ناخنوں کی صفائی کیلئے ایک پیالی میں ایک چمچ لیموں کا رس ملالیں اور انگلیوں کو اس میں 10,15 منٹ تک ڈبولیں۔ ناخن بالکل صاف اور چمکدار ہوجائیں گے۔

☆ زکام کی علامات ظاہر ہوتے ہی گرم پانی والے ٹب میں بیٹھ کر نہالیں اور ٹب میں کم سے کم بیس منٹ تک بیٹھے رہنا چاہئے۔

بیوٹی ٹپس

چہرے کی حفاظت: چہرے کی حفاظت کیلئے آلو بہترین ہے۔ آلو کے استعمال سے جلد ملائم ہوجاتی ہے۔ ایک کچلے آلو کے باریک قتلے کاٹ کر گردن اور ہاتھوں پر ملیں۔ یا ایک کدوکش کرکے چہرے اور گردن پر لگائیں۔ اور 15,20 منٹ بعد ٹھنڈے پانے سے دھولیں۔

☆☆☆